ڈاکٹر حنیفہ رضی

عبداللہ بن مسعودؓ اور اُن کی فقہ

بسعی و اہتمام
محمد اسلم
اُستاد شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی

ندوۃ المصنفین
سمن آباد ○ لاہور

عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ہم عصر
صحابہ میں اپنی قرآن فہمی ، ادراک سنت،
بلندی فکر اور اجتہاد میں ممتاز تھے - آپ
کا شمار ان علمائے صحابہ میں ہوتا ہے جن
کے چشمۂ علم سے ایک جہان سیراب ہوا
ہے - امام اہل سنت والجماعت ابوحنیفہؒ
تین واسطوں سے اور امام قرأت عاصمؒ
ایک واسطے سے آپ ہی کے شاگرد ہیں -
امام اعظمؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد اکثر
انہی احادیث پر رکھی ہے جو ابن مسعودؓ
کے واسطے سے ان تک پہنچی ہیں ، اس لئے
ابن مسعودؓ کی فقہ کا مطالعہ درحقیقت
حنفی فقہ کا مطالعہ ہے - ہمارے خیال میں
یہ کتاب اہل فکرونظر کے لئے غور و فکر
کی بہت سی راہیں کھولے گی -

ادارہ اس کتاب کی طباعت کے سلسلے
میں شیخ میاں محمد فاونڈیشن کی مالی اعانت
کا مشکور ہے -

محمد اسلم

عبداللہ بن مسعودؓ

اور

ان کی فقہ

ڈاکٹر حنیفہ رضی

بی ٹی ایچ (علیگ)، ایم اے (عربی)،
ایم ٹی ایچ (دینیات)، پی ایچ ڈی۔

ناشر

ناظم ندوۃ المصنفین

سمن آباد، لاہور

طبع اوّل ـــــ فروری ۱۹۷۱ء
ناشر ـــــ منیجر ندوۃ المصنفین، لاہور
طابع ـــــ محمد طفیل مالک نقوش پریس اُردو بازار لاہور
قیمت ـــــ ۱۲/ روپے

ـــــ ملنے کا پتہ ـــــ

۱. ندوۃ المصنفین، ۹۵۰، این، سمن آباد، لاہور
۲. آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور

فہرست مضامین

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو

اپنے والد بزرگوار

جناب مولانا فضل اللہ شاہ صاحب

کے نام

محبت اور احترام کے جذبات کے ساتھ

معنون

کرتی ہوں

عرضِ ناشر

علوم اسلامیہ کی خدمت خدا تعالیٰ کی بہت بڑی دین ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے وہ چاہتا ہے یہ سعادت عطا فرماتا ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات نے استاذ العلماء مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی سربراہی میں تحقیق و تصنیف کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے وہ ہم جیسے دور افتادگان کے لئے باعث صد رشک ہے۔ موصوف نے جہاں علمی کام کرنے والے جوہر قابل ڈھونڈ نکالے وہاں یونیورسٹی کے ارباب اختیار سے ایسے محققین کے لئے معقول وظائف بھی مقرر کرائے۔ مولانا کی اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ ریسرچ اسکالرز ہر طرح کے تفکرات سے بے نیاز ہو کر مفید علمی کاموں میں منہمک ہیں۔

ایسے ہی دلدادگان علم میں سے جناب اقبال حسن خان نے شیخ الہند حضرت محمود حسنؒ اسیر مالٹا کی سوانح حیات اور ان کے فضائل و کمالات پر ایک بصیرت افروز مقالہ پیش کر کے پچھلے دنوں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

اسی شعبہ کے ایک فاضل استاد جناب قاری رضوان اللہ صاحب نے حضرت علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ کی سوانح حیات اور ان کے علمی کمالات اور تحقیقی خصوصیات پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا۔

آج کل مولانا اکبرآبادی کی زیر نگرانی جونپور کے ایک فاضل طالب علم احسان الحق صاحب "اسلامی قانون میں عُرف کی حیثیت" پر کام کر رہے ہیں۔ ان کا کام اب تکمیل کے آخری مراحل میں پہنچ چکا ہے۔

اسی شعبہ کے ایک فاضل استاد جناب قاضی مظہر الدین بلگرامی کی زیر نگرانی "امام اوزاعیؒ و مذہب" کے موضوع پر تحقیقی کام ہو رہا ہے، جو امید ہے ہر لحاظ سے معیاری ہوگا۔

محترمہ مسز حنیفہ رضی نے مولانا اکبرآبادی کی نگرانی میں "عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ" پر ایک فاضلانہ مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ موصوفہ اب مستقل طور پر پاکستان

بھی آئی ہیں۔ اس لئے ندوۃ المصنفین ان کی علمی تحقیق شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

عزیزہ مسز حنیفہ رضی ایک عالم فاضل باپ کی عالمہ و فاضلہ بیٹی ہیں۔ ان کے والد بزرگوار مولانا فضل اللہ شاہ۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ۔ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پوتے ہیں اور مدت دراز تک عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں شعبۂ علوم اسلامیہ کے سربراہ رہ چکے ہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہیں اور دیوبند کے گرد و نواح میں ان کے مرید ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف کا آخری مکتوب ہمیں مکہ مکرمہ سے موصول ہوا ہے جہاں وہ مدرسہ صولتیہ میں درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ جب ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ" کی اشاعت پر آمادگی ظاہر کی تو مولانا فضل اللہ شاہ نے از راہ محبت و شفقت مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔ اس کرم فرمائی کے لئے ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔

اس مقالہ کی تالیف میں عزیزہ حنیفہ رضی نے تین سال تک جو محنت کی ہے اس کا صحیح اندازہ تو اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد ہی ہوگا۔ ایک شادی شدہ خاتون کا امور خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال کے بعد فاضل اوقات میں اس طرح کے ادق موضوع پر قلم اٹھانا، مختلف کتب خانوں میں جا کر مواد جمع کرنا اور اسے ترتیب دینا بجائے خود ایک بڑا کارنامہ اور ہم ایسے سہل انگار طالب علموں کے لئے ایک تازیانہ کا حکم رکھتا ہے۔

ہمارے ملک میں جہاں اسلامی آئین تیار کرنے کی سعیٔ پیہم ہو رہی ہے، فقہائے اسلام کے کارناموں سے عوام کو روشناس کرانے کی از حد ضرورت ہے۔ خود ہماری یونیورسٹیوں کو چاہئے کہ ریسرچ اسکالرز سے ہمارے اکابر فقہا مثلاً الشیبانیؒ، اوزاعیؒ، زفرؒ، اعمشؒ، ابن ابی لیلیٰ، مجاہدؒ، ابن المبارکؒ، سفیان ثوریؒ، طاؤسؒ، الرازیؒ، امام خواہر زادہؒ، الجصاصؒ، امام سرخسیؒ اور صدر شہیدؒ پر کام کروانا چاہئے۔ اس سے نہ صرف فقہ اسلامی کا ایک نایاب ذخیرہ ہمارے سامنے آئے گا بلکہ ہمارے لئے ہدایت کی بہت سی راہیں بھی کھل جائیں گی۔

وما توفیقی الا باللہ

بعونہ تعالیٰ

گذارشِ احوالِ واقعی

جو بھی ریسرچ کرتا ہے اس کا سب سے پہلا کام ایسے علمی موضوع کا انتخاب ہے جس پر اب تک کام نہ ہوا ہو۔ اگر کچھ امید فائدہ رسانی کی توقع اس ریسرچ سے ہو تو یہ ریسرچ اسکالر کی خوش بختی ہے۔

موضوع کے انتخاب کے بعد دوسری چیز جو ریسرچ کی قیمت بڑھاتی ہے موضوع کے متعلق تمام مواد کی یکجائی اور اس میں سے اپنے کام کے مواد کا انتخاب پھر انتخاب شدہ مواد کی علمی نہج پر ترتیب۔

اپنے موضوع کے متعلق تمام مواد کو یکجا کرنا اور ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نہ چھوڑنا یہ ریسرچ اسکالر کا پہلا فرض ہے۔ مگر وہ باتیں کہ جس کے بغیر ریسرچ کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور تحقیق اسی وقت تحقیق کہلائے گی جب جمع شدہ مواد کو سامنے رکھنے سے جو سوالات اُٹھتے ہیں ان کو مدلل بیان کیا جائے۔ پھر ان کا علمی حل جس سے زیادہ قوی دلیلوں سے پیش کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق مواد جمع کیا گیا اور سوانح اور تذکرہ کے مختلف نمونے سامنے رکھ کر پورے غور و خوض کے بعد اپنی علمی استطاعت

کے مطابق بہتر ترتیب دی گئی۔ لیکن اب جس ترتیب سے مقالہ آپ کے سامنے پیش ہے یہ کہ مقالہ کے پانچ حصّے ہیں۔ ہر حصّہ علیٰحدہ علیٰحدہ ایک مستقل مضمون ہے اس تنوع سے مقالہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق تمام علمی باتوں اور آپ کی عملی زندگی کا جامع سواد یکجا ہو گیا۔ صحابہ میں آپ کا جو علمی مقام ہے اس کے متعین کرنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہی" صرف پورا مقالہ ایک نظر میں اگر آپ پڑھ لیں تو آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ مقالہ انفرادیت کے امتیاز کا حامل ہے یا نہیں۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ تمام خوبیاں حضرت الاستاذ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کے ماہرانہ مشورہ کی رہین منت ہیں۔ اب مقالہ آپ کی اصلاح اور آپ کی ہدایتوں کا مظہر ہے۔ میں بہت بہت شکرگذار ہوں لیکن اس موقع پر اس کا اظہار صرف ادائے شکر کے لئے نہیں بلکہ انسانی فرض ادا کرنے کے لئے ہے۔ ہر سچے انسان کا فرض ہے کہ وہ بغیر توریہ، استعارہ اور کنایہ کے صاف صاف الفاظ میں ہر واقعہ کا اعتراف کرے۔

ڈاکٹر حنیفہ رضی ایم اے (عربی)، ایم، ٹی ایچ (دینیات)
پی۔ ایچ۔ ڈی
ناظم آباد، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پورا مقالہ ایک نظر میں

مقالہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ جس علمی نہج پر مرتب کیا گیا ہے وہ نہ صرف اسلامی تاریخ میں آپ کی بلند حیثیت اور انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ علمی ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی سلاست اور موضوع کے تنوع کی وجہ سے کافی دلچسپ بھی ہے۔

یوں تو آپ کی حدیثوں کا ذخیرہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ آپ کے ہم عمر جو صحابہؓ ہیں ان میں سے کسی کی حدیثوں کا اتنا ذخیرہ نہ صحاح ستہ میں ہے، نہ حدیث کی دوسری کتابوں میں۔ بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، موطا امام مالکؒ، مسند امام احمد بن حنبلؒ، مسند دارمیؒ، امام بخاری کی الادب المفردؒ، خطیب تبریزیؒ کی مشکوٰۃ المصابیح، سنن دارقطنیؒ، مستدرک حاکمؒ کی چار جلدیں، السنن الکبریٰ بیہقیؒ کی دس جلدیں، مجمع الزوائد کی دس جلدیں، فتح الباریؒ حافظ ابن حجرؒ کی ۱۲ جلدیں، نصب الرایہؒ کی چار جلدیں، درایہ ابن حجر عسقلانیؒ، تخریج الکشاف ابن حجر عسقلانی

سے جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں وہ اس کی شہادت اور اس کا ثبوت ہیں[1]

صرف صحاح ستہ کی حدیثوں کو طرز ذیل پر مرتب کیا گیا ہے۔

(۱) وہ حدیثیں جو صحاح کی ان چھ کتابوں میں سے ہر ایک کتاب میں ہیں ان کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔

(۲) وہ حدیثیں جو ان چھ کتابوں میں سے صرف پانچ میں ہیں ہر چہ قسم کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہیں۔

(۳) اسی طریقہ سے ان چھ کتابوں میں سے صرف چار میں ہیں یہ پندرہ علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہیں۔

(۴) پھر ان چھ میں سے جو صرف تین میں ہیں ان کو بیس جگہ جمع کیا گیا ہے۔

(۵) ان چھ میں سے جو صرف دو میں ہیں ان کو پندرہ جگہ جمع کیا گیا ہے۔

(۶) ان چھ میں سے صرف ایک میں ہیں ان کو چھ جگہ جمع کیا گیا ہے۔

اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی ان حدیثوں کو جو صحاح ستہ میں سے کسی میں نہیں ہیں صرف ایک جگہ جمع کیا جائے تو چونسٹھویں قسم ان حدیثوں کی ہو جائے گی اور ان

---

[1] علامہ طحاوی کی شرح معانی الآثار میں حدیثیں جمع کی گئی ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی حدیث نہیں جو ان کتابوں میں آنے سے رہ گئی ہو۔ اس لئے ان کو شمار نہیں کیا گیا۔ بعض کتابوں سے بھی حدیثیں جمع کی گئی ہیں مگر کام کو اس قدر وسیع کر دینا کہ اگر یونیورسٹی کی طرف سے اس پر کچھ کو متعین کیا جائے تو اس کو سمیٹنا دشوار ہو مناسب نہیں اس لئے ان کا ذکر حذف کر دیا گیا۔ کنوز الحقائق فردوس دیلمی کی حدیثیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بلند حیثیت کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے جمع نہیں کی گئیں۔ کنز العمال کی پایہ کی حدیثیں کتب بالا میں آگئیں۔ جو ان کتابوں میں نہیں ان کو پیش کرنا کچھ دل کو نہیں بھاتا۔

[2] صحاح ستہ کی حدیثوں کو ۶۳ قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

سب قسموں سے بڑی ہونے کی توقع ہے۔ مشترک اور غیر مشترک حدیثوں کی تعداد
ان سب کتابوں کی علیحدہ علیحدہ نہیں کی گئی۔ ان سب کتابوں کی مشترک و غیر مشترک
حدیثوں کو علیحدہ علیحدہ چن لیا جائے اور ان کو نوع بنوع ترتیبوں سے مرتب کر دیا
جائے۔ تو اس کی خاطر رسانی بہت بڑھ جائے گی یہ موضوع بھی اس کا مستحق ہے کہ
اس کو ایک مستقل ریسرچ کا موضوع بنایا جائے۔ اس مقالہ کے پانچ حصوں میں سب سے
اہم حصہ آپ کی فقہ کا ہے۔ آپ کو اپنے ہم عصر صحابہؓ میں فقہی اور اجتہادی مسائل میں
ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس لئے ہم نے حدیثیں جمع کرنے کی بجائے آپ کی
فقہ کو ریسرچ کا موضوع قرار دیا ہے۔ پس منظر میں آپ کے ذاتی حالات پیش کرنے
ضروری تھے اس لئے ان کے سوانح کو مقدم رکھا۔ اس کے بعد تین حصوں سے آپ
کی علمی وقعت پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کو اگر مقالہ کا جزو نہ بنایا جاتا تو یہ مقالہ تشنہ رہ
جاتا۔ پانچویں حصے میں آپ کی فقہ جمع کی گئی ہے۔ ہر حصہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
کے کسی نہ کسی علمی نوعیت کے حالات یا علمی افادات مثلاً آپ کے خطبے اور اقوال
اور آپ کے مسائل اور فتاوی پیش کئے گئے ہیں جن میں کسی کو علیحدہ پڑھیں تو وہ
مستقل مضمون معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے ساتھ والا حصہ بھی پڑھیں تو بھی بے ربطی
محسوس نہ کریں گے۔ یہاں اجمالی کیفیت کے ساتھ چند باتوں کی طرف خاص طور پر
اہل حضرات کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ جو اس سے پہلے اس مقالہ ہی کے ذریعہ
مرتب شکل میں مدلل طریقہ سے منصۂ شہود پر آ رہی ہیں۔ اُمید ہے کہ اس مقالہ
کے مندرجہ ذیل اشمارہ امتیازات اہلِ علم حضرات میں قدر کی نگاہ سے دیکھے
جائیں گے۔

پہلا حصہ

اس میں آپ کے ذاتی حالات ہیں، ان میں آپ کا اسلام میں درجہ اور کچھ

ایمان کی قوت کا پتہ تو چلتا ہی ہے مگر:

(۱) قرآن و سنت کا وہ طرزِ تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے لئے اختیار کیا تھا جس سے صحابہؓ میں بے پناہ یقینِ آخرت پیدا ہوتا تھا اور اس یقین کے نتیجے میں صحابہؓ کے دلوں میں خیرِ آخرت کی تمنائیں امنڈتی رہتی تھیں ۔ اس جذبہ کی عکاسی آپ اس مقالہ میں پائیں گے ۔ صحابہؓ کی یہ خصوصیت وہ تھی جو کثرت سے صحابہؓ میں پائی جاتی تھی ۔ صحابہؓ کی سیرت و حالات کی کتابوں میں اس کے اُجاگر کرنے کی طرف توجہ بہت کم کی گئی ہے ۔ اس مقالہ میں اس اہم بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے ۔

خیرِ آخرت کی طلب میں آپ کی مسلسل جدوجہد آپ کا ذوقِ علم، علم کی طلب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر وقت حاضری، پھر آپ کی بے مثل اور بے نظیر خدمت پہ روشنی پڑتی ہے اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ میں آپ کی جاں نثاری اور آپؐ پر فدا ہو جانے کی جو امنگیں آپ کے دل میں اُبھرتی تھیں اور اس کے حاصل کرنے میں جو شوقِ جہاد پیدا ہوتا تھا ان تمام حالات کا نقشہ اس مقالہ میں آپ کو ملے گا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ان کی قدر افزائی فرماتے تھے ۔

اللہ تعالیٰ نے بہترین قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ حسینِ صوت کی نعمت سے بھی آپ کو نوازا تھا ۔ ایک شب آپ تہجد میں قرآن پڑھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک کھڑے ہوئے آپ کا قرآن پڑھنا سنتے رہے پھر آپ نے فرمایا مانگو جو تم مانگنا چاہتے ہو: یہ بار بار ارشاد ہوا ۔ اس کے بعد جو دعا آپ نے مانگی ہے وہ آپ کی عالی حوصلگی، دنیا سے بے پروائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیفتگی اور بلند فراست کی یقینی شہادت ہے ۔

دعا یہ ہے ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا	اے اللہ! ایمان کی وہ دولت مانگتا
لَا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ	ہوں جو مجھ سے واپس نہ لی جائے وہ
وَمُرَافَقَةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ	نعمت مانگتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور
وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلٰی دَرَجَةِ الْجَنَّةِ	جنت الخلد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
جَنَّةِ الْخُلْدِ	کی رفاقت کا خواستگار ہوں۔

جس طرح اس زندگی میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کے لئے دور نہ ہوئے اسی طریقے سے جنت میں بھی جس نعمت کی طلب آپ نے کی وہ قرب صحبت نبوی کی نعمت ہی تھی۔

(۲) کس صحابی نے کب اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے میں کون کس سے پہلے اور کون کس کے بعد ہے یہ مفصل بحث صرف اسی مقالے میں پیش کی جا رہی ہے اور "عہد نبوی" کا ہر وہ واقعہ جس سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا لگاؤ رہا ہو انشاء اللہ آپ کو اس مقالہ میں ضرور ملے گا۔

(۳) اظہارِ حق میں بیباکی

اس عنوان میں یہ واقعہ آپ کو ملے گا کہ ایک دن جماعت کی نماز کے وقت کوفہ کا گورنر نہیں آیا تو آپ نے نماز پڑھا دی۔ گورنر ناراض ہوا اور آپ پر اعتراض کیا مگر آپ نے بالکل پرواہ نہ کی بلکہ اس کی بے پروائی پر اس کو تنبیہ کی یہاں تنبیہ میں مخالفت امیر کا الزام آپ پر قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ فرمایا تھا کہ آئندہ ایسے حاکموں سے تم کو واسطہ پڑے گا جو نماز میں بہت دیر کرنے کی بدعت شروع کریں گے اس وقت حضرت عبداللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اگر مجھے ایسے حاکموں سے واسطہ پڑے تو کیا کروں اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے ابن مسعودؓ تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا کرو گے؟

تسألنی ابن ام عبد کیف تصنع؟ لاطاعة لمن عصی اللّٰه

(جو اللہ کا نافرمان ہے اس کی اطاعت کی ذمہ داری نہیں) طبقات ابن سعد

(۳) عہدِ عثمانیؓ میں اظہارِ حق اور اطاعت امیر میں آپ دیکھیں گے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے عملی اور علمی اور دینی ذمہ داری ادا کرنے میں کیا توازن باقی رکھا اور اس دور کے فتنہ کے لاوے کو ابلنے سے روکنے میں آپ کی عملی سعی کا کیا انوکھا طرز رہا۔ یہ آپ کا کمال ہے کہ علم کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے بھی فتنہ سے اپنے آپ کو دور رکھا۔

(۴) حضرت عثمانؓ پر یہ الزام کہ آپ کی تنخواہ بند کر دی تھی کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس مقالہ میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خود ہی وظیفہ لینا چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا سوال اس سلسلے میں یہ ہو سکتا ہے کہ خود ہی وظیفہ لینا چھوڑ دیا تو حضرت عثمانؓ کو اصرار کرنا چاہیئے تھا کہ اہل بدر کا جو حق ہے وہ تو آپ لے ہی لیں لیکن اس اصرار کی ذمہ داری حضرت عثمانؓ پر نہیں عائد ہوتی کیونکہ کوفہ کا خزانہ جب آپ کے سپرد تھا تو ایک دن صبح صبح آپ نے اعلان کیا کہ لاکھ سوا لاکھ درہم خزانہ میں سے کم ہیں۔ ایک طرف تو یہ واقعہ اور دوسری طرف خود اپنے حق سے دستبرداری ایسی باتیں تھیں کہ جب تک تحقیقات سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بے قصوری ثابت نہ کر دی جاتی اس وقت تک حضرت عثمانؓ کا تنخواہ لینے پر اصرار اپنے درست کی جنبہ داری قرار پاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور آپ کے حالات بیان کرنے میں اہل تاریخ نے ایک سے زیادہ موقعوں پر واقعات ایسے انداز سے پیش کئے ہیں کہ ان سے حضرت عثمانؓ کی سیاست بلکہ دیانت داری پر بھی حرف آتا ہے۔ اور خود آپ کی شخصیت بھی بے داغ نہیں رہتی۔

اس مقابلہ میں ان گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ اگر ان پر نظر رکھی جائے تو نہ حضرت عثمان غنیؓ کی شخصیت موردِ الزام رہتی ہے اور نہ آپ کی ذات پر کوئی حرف آتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور ابو عبیدہؓ کی آپ سے روایتیں متصل ہیں یا نہیں فنِ حدیث میں اس تنقیح کی بڑی اہمیت ہے، اس کا جو فیصلہ کیا گیا ہے گو وہ بڑے بڑے محدثین کے قول کے خلاف ہے مگر اصولِ حدیث کے فن کے قواعد پیشِ نظر رہیں تو وہ واجب التسلیم و ناقابلِ انکار ہے۔

دوسرا حصّہ

دوسرے حصّہ میں آپ کی علمی فضیلت اور علمی خدمتوں کا تذکرہ ہے۔ علم حاصل کرنے اور علم کی اشاعت میں (درسِ قرآن اور تعلیمِ حدیث و فقہ) میں آپ کی جو جدوجہد رہی اس پر تفصیلی بحث ہے ہر زمانہ کے علماء میں آپ کا کیا وقار رہا۔ صحابہ کبارؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہم آپ کو کس نظر سے دیکھتے تھے؟ آپ کے تفقہ اور اجتہاد کے بارے میں ان سب کا کیا فیصلہ تھا؟ اور آپ کے شاگردوں میں آپ کی کیا قدر و منزلت تھی۔

بعد کے ائمہ اور علماء نے آپ کو کس درجہ کا مقتدا مانا ہے، تفقہ میں کس درجہ پر رکھا ہے اس کا بھی تذکرہ ہے آپ کے ان شاگردوں کے نام بھی آپ کو اس حصّہ میں ملیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ و حدیث میں اپنے اپنے زمانے کی امامت کا درجہ عطا کیا اور وہ اُمت کے پیشوا قرار پائے۔

(۱) جس طرح آپ علماء صحابہؓ میں ایک امتیاز رکھتے تھے اسی طرح آپ کے شاگرد

آپ کے معاصر صحابہؓ کے شاگردوں میں ایک امتیاز رکھتے تھے، پھر جب یہ واقعات ہیں اور پکے ثبوت کے ساتھ تو پھر آپ کی شخصیت ریسرچ کے لئے بالکل موزوں اور صحیح مستحق قرار پاتی ہے۔

(۸) اگر دنیا کے تمام مسلمانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں سے دو تہائی سے زیادہ حصہ امت کا ہمیشہ وہی رہا ہے جو دینی علوم اور احکام میں آپ کے اور آپ کے شاگردوں کا خوشہ چیں اور متبع رہا ہے پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔

اس میں آپ کو وہ واقعہ بھی ملے گا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تقریر فرمائی تھی، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تقریر کا حکم دیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امتثال حکم میں تقریر کی مگر اتنا ادب ملحوظ رکھا کہ آپ کی تقریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے برابر نہ ہو بلکہ کچھ کم ہی ہو پھر حضرت عمرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہ ادب ملحوظ رکھا کہ ان کی تقریر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی مختصر ہو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو تقریر کرنے کا حکم دیا تو آپ نے تینوں مقدس ہستیوں کا ادب ملحوظ رکھا۔ ان سب سے مختصر تقریر کی اور اس قدر جامع کی کہ بڑی خوبصورتی سے اس میں اسلام کی تعلیم آگئی جس سے حضورؐ بہت خوش ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ آپ اپنے رفقاء صحابہ کا بھی کس قدر احترام فرماتے تھے۔ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

(۱۰) امام اسی حصہ میں شرک و بدعت کی مماثلت پر بالکل نئے انداز میں بحث ہے۔ حدیث میں بدعت کا وہی انجام بتلایا گیا ہے جو قرآن میں شرک کا انجام ہے نتیجہ میں مماثلت کیوں ہے۔ اس نکتہ پر کسی کی نظر پہنچی ہو، بڑی تلاش

کے بعد بھی اس کا پتہ نہیں چلا. سب سے پہلے اس مقالہ میں یہ بات پیش کی جاری ہے کہ شرک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے مغایر اور ضد ہے. محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کے دائرے میں کیا کیا باتیں داخل ہیں جن میں دخل اندازی کی اُمت کو اجازت نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے اور کون کونسی باتیں اس دائرہ حدود سے خارج ہیں جن میں ہم کو آزادی ہے کہ جو نفع بخش رائے اصولِ اسلام کے مطابق ہو ہم اختیار کریں. ان حدود میں سے ایک سے بھی ناواقفیت یا تو دین کی کسی نعمت سے ہمیں محروم کر دے گی یا بدعت کا شکار. اس طرح بدعت اور شرک اپنی حقیقت اور نتیجہ دونوں کے اعتبار سے ایک دوسرے کی مماثل ہیں بدعت کے گرفتار کی بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیش کردہ شریعت کی صحیح قدردانی سے محروم ہو جاتا ہے.

حضرت محی الدین اکبر ابن عربیؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے.

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وبعد ثبوت الكمال لا يقبل الزيادة فان الزيادة فی الدين نقص له فی الدين وذلك هو الشرع الذی لم يأذن به الله.

(کمال دین، اتمام نعمت کے بعد زیادتی ناممکن ہے.. دین میں اضافہ دین میں کمی اور نقص کا نام ہے اور یہ وہ راہ ہے جس پر چلنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی ہے.)

کسی جائز کام میں کتنی من مانی شریک کرکے اس مشروع عمل کو بدعت بنا دیا جاتا ہے ان کی صرف دو ایک مثالوں کا تذکرہ کیا گیا ہے. تمام بدعات کو گنایا نہیں گیا ہے. مقالہ میں شرک و بدعت کی حقیقت پر صرف علمی بحث ہے.

عبداللہ بن مسعودؓ نے قرآن و سنت کی روشنی میں جو فیصلے کئے ہیں صرف ان کو پیش نظر رکھ کر بحث کی گئی ہے۔ اس سے آپ کی علمی وسعت کا اندازہ کیجئے کہ حقیقت رسی میں بالکل تشنگی نہ پائیے گا۔

تیسرا حصہ

تیسرے حصے میں آپ کے اقوال منتخب ہیں۔

عربی میں صرف حلیۃ الاولیاء اور اس کے خلاصوں میں صحابہؓ کے اقوال پیش کرنے کا اہتمام ملتا ہے۔ اُردو میں سیرت صحابہ کی جو کتابیں اشاعت پذیر ہوئی ہیں ان میں بطور نمونہ چند اقوال ملیں گے۔ سب سے پہلے اس مقالہ میں علمی بلکہ تعلیمی یہ اہتمام نظر آئے گا۔ آپ کی نصیحتوں اور ملفوظات کو پیش کیا گیا ہے ان سے درس و ہدایت تو مقصود ہے ہی اس کے ساتھ اس اہم امر کی طرف بھی توجہ مبذول ہے کہ صحابہؓ کے ملفوظات اور تیسری، چوتھی صدی کے بعد کے بزرگوں کے ملفوظات میں کیا فرق ہے۔ صحابہ کے افکار و خیالات نے جن اعمال کو جنم دیا تھا اس سے اُمتِ مسلمہ تمام اقوامِ عالم میں ممتاز رہی اور عالم میں امن کی فضا قائم ہوئی۔ جب تک آخرت کا یقین اور اس یقین کی بنا پر صحابہ کے عمل ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اُمت ترقی کرتی رہی۔ ان دونوں زمانوں کے افکار و خیالات کے فرق کا کیا اثر امت کے اعمال پر ہوا۔ اور امت اس تبدیلی سے زوال کے رُخ پر پہنچ گئی۔ اس حصے کے ابتدائی صفحات میں آپ کے کلام کی خوبیاں اور اس کی اہمیت کا بیان ہے، ان اقوال اور خطبوں کے پیش کردہ حصوں سے نہ صرف آپ کی فصاحت و بلاغت، قدرتِ کلام اور فہم و فراست پر روشنی پڑتی ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی سے جو کمالات اور اسرار دین آپ کے

دل و دماغ میں جاگزیں ہوگئی تھیں ان کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کی صحبت سے آپ میں خوف آخرت کی وہ تڑپ پیدا ہوگئی تھی کہ جس سے دنیا کی سربلندیوں کو اس کی طلب میں قربان کرنا آپ کے لیے بڑا آسان ہوگیا تھا۔ آپ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبو اس قدر بس گئی تھی کہ آپ کے اقوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا دھوکا ہوتا ہے۔

چوتھا حصہ

(۱۲) چوتھے حصے میں پہلے ان وجوہ اور اسباب کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس میں ایک ہی مسئلے کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حدیثوں کی تطبیق ہیں! پھر اس اصولی مسئلہ پر بحث ہے کہ حدیث کے قوی اور ضعیف ہونے کا دارومدار روایت کے قوی وضعیف ہونے کے جو اصول ہیں ان کی مطابقت اور راویوں کے حالات پر ہے یا خاص خاص کتابوں میں ان روایتوں کے پائے جانے پر اور ان میں درج ہونے پر کیا ان اصولوں سے قطع نظر کر کے صرف خاص خاص محدثین کے فیصلوں کے آگے سپر ڈال دی جائے اور ان کی تقلید جامد کی جائے بحدیث پر فنی نقطہ نظر سے کام کرنے والے حضرات اس تنقیح کی اہمیت سے واقف ہیں۔ حدیث کے اصول وقوانین جس فیصلے کے متقاضی ہیں وہی مستحکم فیصلہ پیش کیا گیا ہے۔ مگر ہر قسم کی گروہی عصبیت سے خالی الذہن اور شخصیت پرستی سے بالاتر ہو کر جب تک یہ اصول ذہن میں رکھ کر ہم غور نہ کریں تو مقالہ میں پیش کردہ فیصلہ خاص عصبیت والے گروہ پر سخت گراں گذرے گا۔

یہ اصولی بحث بطور پس منظر کے ہے۔ اس حصے میں تیسری صدی کے ایک

حاکم حافظ ابوبکر بن اسحاق بن ایوب نیشاپوری کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر چوٹ اعتراضات ہیں ان کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلے ان چھ اعتراضات کی تنقیح کی گئی ہے پھر اس پر گفتگو کی گئی ہے کہ ان میں سے کس کس اعتراض کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف صحیح ہے اور کس اعتراض کو آپ کے ذمہ لگانا صحیح نہیں ہے۔ اس بحث سے یہ بات آئینہ ہو گئی کہ ان میں کئی باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اعتراض کہنا ہی صحیح نہیں ہے۔ ان دو لزی تنقیحوں سے اعتراضات کی تعداد آدھی رہ گئی۔ اعتراضات پڑھنے کے بعد جوابات آپ پڑھیں تو ان کا وزن معلوم ہو جاتا ہے۔ تو می پہلو سامنے آجاتا ہے۔

(۱۳) جوابات کے طرز سے پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا نقطہ نظر قابل تسلی ہے یا علامہ نیشاپوری کے شبہ میں جان ہے۔

(۱۴) معوذتین کے سلسلے میں قرآن کے تواتر اور مصحف ابن مسعودؓ پر مفصل بحث ہے۔

پانچواں حصّہ

اس حصے میں آپ کے فقہی مسائل اور فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جو بلا شبہ آپ کے امتیازی علم کا شاہکار ہیں۔ آپ کے بیان کردہ مسائل آپ کی وسیع و سرعت اور دقت نظر کی زبردست شہادت ہیں۔ صرف حنفی فقہ کی کتابوں سے یہ مسائل و فتاویٰ جمع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ شافعی محدثین کی بڑی سے بڑی کتابوں سے اور ایسے ہی حنبلی فقہا و محدثین کی بڑی بڑی کتابوں سے بھی ان مسائل و فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کو سامنے رکھ کر مواد جمع کیا گیا ہے۔ نقل در نقل کی شکل نہیں آنے دی گئی۔

حنفی مکتبِ خیال کی کتابوں کے علاوہ دوسرے مکاتبِ خیال کی قابلِ اعتماد
کتابوں سے استفادہ میں یہ بات پیشِ نظر رہی ہے کہ کوئی مسئلہ صرف حنفی کتابوں
میں حضرت کی طرف منسوب ہوا اور دوسرے مکتبِ خیال کے علماء اس کو
تسلیم نہ کرتے ہوں تو اس کی تنقیح ہو جائے۔

(۱۹) اس حصّہ کے دیباچہ میں سب کتابوں کے نام اور تعداد کا ذکر کر دیا
گیا ہے۔ اسی حصّے میں پہلے فقہ کی حقیقت اور ضرورت کا مختصر بیان ہے
جو حضرات قیاس و اجتہاد کو صرف انسانی ذہن کی نکتہ آفرینی اور سخت طرازی
باور کرتے ہیں ان کا اعتراض ہے کہ قرآن کے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہونے اور حسبنا
کتاب اللہ کے بعد خود حدیث کی ضرورت محلِ بحث بن جاتی ہے اور اگر حدیث
و سنت کا منصب توضیح احکامِ قرآن و تبیین آیاتِ الٰہی تسلیم بھی کر لیا جائے تو
بھی فقہ کا علومِ دینیہ میں شمار کرنے کا حکم دیا ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ بھی دین
میں رائے سے حکم لگانے سے بچتے نظر آتے ہیں اور فقہ کا بڑا ذخیرہ اسی
قیاس و اجتہاد کا مرہونِ منت ہے تو فقہ کا دینی علوم میں شمار کرنا صحیح نہیں ہو سکتا
اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے کہ قیاس و اجتہاد صرف خیال آرائی اور شخصی رُجحان
کے اظہار کا نام نہیں ہے بلکہ رُوحِ شریعت کو سامنے رکھ کر قرآن و سنت
کے دسیع ذخیرے سے خاص دینی اصول کی پابندی میں بالغ نظری سے کام
لے کر وہ رَس نتائج ضرورت کے وقت اُمّت کے سامنے پیش کرنا ہیں
تاکہ امت ہر دور کے مسائل میں کسی وقت بھی دین کی رہنمائی سے محروم نہ رہے۔
تفصیل فقہ اس مسئلہ کے پیشِ لفظ میں ملاحظہ کیجئے۔
آپ کے اقوال اور فتاویٰ کو بہت سے صحابہؓ اور سائر ائمہ و فقہاء کی موافقت
و تائید حاصل ہے۔ یہ حصّہ زیادہ ضخیم نہ ہو جائے اس لئے ان موافقتوں اور

تائیدات کا استیعاب نہیں کیا گیا۔ سابقین اولین صحابہ کرام ؓ میں اتنے فتوے اور فقہی اقوال کسی اور صحابی کے نہ ملیں گے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ کے انتقال کے بعد مدت تک زندہ رہے۔ اس طرح قدرتی طور پر حضرت علیؓ کے فتوؤں کا ذخیرہ زیادہ ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر آپ سے زیادہ محبت کے دعویدار فرقہ نے انہیں مستند نہ رہنے دیا۔ ضرورت ہے کہ آپ کے مستند فتاویٰ بھی معتمد ذرائع سے جمع کر دیئے جائیں۔

صحابہ کے فتاویٰ اور فقہی مسائل سے فقہ کس طرح وجود میں آئی اور اس میں ابن مسعودؓ کے شاگردوں کا کتنا حصہ ہے یہ بحث آپ کے دور کے بعد والے عہد کی ہے۔ اس لیے یہاں اٹھانی مناسب نہیں سمجھی گئی۔

اس دیباچہ میں (۱۰) حدیث ثقلین۔ اور (۱۸) حضرت معاذؓ کی اجازت اجتہاد والی حدیثوں پر جو بحثیں ہیں ان سے ان کے استناد کا درجہ متعین ہوتا ہے ان حدیثوں کے مختلف مباحث پر جو جامع و غائر نظر ڈالی گئی ہے ان سے فیصلوں پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے علماء سے ان کے قدر افزائی کی توقع ہے۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب

آپ کا نام عبداللہؓ ہے۔ والد کا نام مسعود تھا۔ اور سلسلہ نسب یہ ہے۔
مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تیم
بن سعد بن ہذیلؓ ابن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

۱ے اسلام کی اشاعت سے پہلے ... اس کا نام عبدالکعبہ تھا اور جب مشرف باسلام ہو کر صحبت نبوی کی سعادت
سے بہرہ ور ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے ... ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو شہرت حاصل ہوئی (۲۲۳۳)، صلاۃ تبیح تہذیب ص ۲۲۰،
سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۴۶ ابن سعد الطبقات الکبریٰ ص ۱۰۶، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۱۲۔
۲ے عرب میں عزت کا بڑا ذریعہ شعر و شاعری تھا قبیلہ ہذیل بڑا مشہور قبیلہ تھا جو شاعر ہوتا تھا آپ قبیلہ ہذیل ہی سے
تعلق رکھتے تھے، اس قبیلے کے شعراء کے اشعار کو ایک جگہ جمع بھی کیا گیا ہے ان کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ
دو سو برس بعد بھی ایک مقام تھا چنانچہ اصمعی جیسے بڑے لغوی و ادیب نے امام شافعیؒ سے اشعار الہذلیین کا درس لیا، ابن
خلکان تذکرہ امام شافعی، ان اشعار کی قدیم ادباء نے اہتمام سے شرح بھی لکھی ہے۔ شرح اشعار الہذلیین
میں آپ کے قبیلے کے ۱۸ شعراء کے ۲۸۰ قصیدے جمع کئے گئے ہیں۔ ادیب ابو سعید حسن بن حسین سکری نے اشعار الہذلیین
کے نام سے جو شرح لکھی ہے اس کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کا ایک انگریزی ترجمہ
بھی ہماری نظر سے گذرا ہے جو ۱۸۵۴ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ بغداد میں احمد ناجی خریدہ ... نے
اس کا نسخہ تیار کیا اس کا نام ہے التمام فی تفسیر اشعار ہذیل مما اغفلہ ابو سعید السکری۔ عرب کا مشہور قبیلہ بنو ...
بھی قبیلہ بنی ہذیل ہی کی شاخ ہے اس لئے آپ کا قبیلہ معزز قبائل میں شمار ہوتا ہے۔

والدہ کا نام

ام عبد کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام عبد بنت عبد ود بن سواء بن قریم بن صاہلہ بن کاہل۔ اس شجرہ نسب سے ظاہر ہے کہ پانچویں پشت میں حضرت عبد اللہ کی والدہ کا خاندانی سلسلہ ان کے والد مسعود سے جا ملتا ہے بعض لوگوں کو حضرت عبد اللہ[1] کی والدہ ام عبد کے ننھیالی شجرہ نسب سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان کی والدہ بنو زہرہ سے تھیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت عبد اللہ کے والدین ایک ہی خاندان کی دو مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسعود کے والد غافل جاہلیت (اسلام کے پہلے زمانے میں) اپنی ساس کے باپ عبد ابن الحارث بن زہرہ کے حلیف[2] بنے اور مکہ میں سکونت اختیار کر لی اور حضرت عبد اللہ کی نانی یعنی مسعود بن غافل کی ساس بنو زہرہ سے تھیں۔ اس طرح آپ کے والدین اور آپ کی سکونت مکہ میں ہو گئی۔ ام عبد کی ماں ہندہ بنت عبد ابن الحارث بن زہرہ[3] بن کلاب تھیں۔ لوگوں نے حارث بن تیم اور حارث بن زہرہ میں کوئی تمیز نہیں کی اور ام عبد کو بنو زہرہ میں شمار کر لیا یا ان کی ماں چونکہ بنو زہرہ سے تھیں اس لئے دھوکہ ہوا اور خود ان کو بنو زہرہ سے کہدیا۔

آپ کے والد کا انتقال اسلام سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔[4] البتہ آپ کی والدہ ایمان لائیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات کی بڑی خدمت گزار تھیں[5]، طبری[6] اور ابن عبد البر استیعاب میں روایت کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ طبری طبع لیدن ص ۲۷، ۲۲۳ و طبقات ابن سعد جلد ۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۱۲۔
[2] طبقات الکبریٰ ابن سعد ص ۱۰ ق اول ۳ [3] فتح الباری جلد ۷ ص ۷۰، مناقب عبد اللہ [4] ترمذی بخاری۔ [5] طبری طبع یورپ [6] استیعاب حال ام عبد۔

وروت انها باتت عندهم	انھوں نے روایت کی ہے کہ ایک شب آنحضرت
ليلة فقام النبي صلى الله	صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں گذاری تو آنحضرت
عليه وسلم فرأته قنت	صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ رکوع سے پہلے
في الوتر قبل الركوع ۱	اپنے وتر میں دعائے قنوت پڑھی۔

۴۔ آپ کے قبیلے کے اور مسلمان

آپ کے قبیلے کے آپ کے بھائی عتبہ کے علاوہ سات صحابی اور ہیں۔

(۱) اسامۃ الہذلی والد ابی الملیح الہذلی: حنین کے موقعہ پر بارش ہونے پر آپ نے فرمایا تھا۔ صلوا فی رحالکم۔ اس واقعہ کو آپ ہی نے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا ہے۔ اسی وقت اونٹ نے ٹھوکر کھائی تو بے ساختہ انھوں نے کہا تعس الشیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی لغزش کے موقعہ پر بددعا کے طور پر بھی شیطان کا نام نہ لو بلکہ بسم اللہ کہو (۲)

ابو الملیح الہذلی۔ ابو الملیح کا نام عامر بن اسامہ ہے بصرہ میں آکر سکونت اختیار کی۔ صلوا فی رحالکم۔ ان ہی کی روایت کردہ حدیث ہے (۳) سلمہ بن المحبق الہذلی ہوان بن قتادہ نے ان سے روایت کی ہے ان کے والد کا نام صخر ہے محبق فال نیک کے طور پر اس کو کہتے تھے جو اپنے دشمن کا ایسا پیچھا کرنے والا ہو کر ڈر سے دشمن کی بھاگتے بھاگتے بے اختیار ہوا سرکنے لگے" انه يغنز طحسا د حنین میں شریک رہے میدان جنگ میں ان کے صاحبزادے سنان کی پیدائش کی خوش خبری سنائی گئی تو فرمایا۔ لَسَهْمٌ رميته في سبيل الله عن رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الي مما بشرتموني به (اصابہ) پھر بدر ان میں بھی شریک رہے (۴) ابو سنان

---

۱ ترمذی کتاب الصلوٰۃ میں ہے روی سفیان الثوری عن ابان بن ابی عیاش قال عبد اللہ بن مسعود اخبرتنی امی انها باتت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت فی وترہ قبل الرکوع ص ۲۳۶ ج ۲ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۰

بن عبداللہ الہذلیؓ (۵) معقل بن خویلد بن واثلہ بن عمرو بن عبد یا لیل الہذلی (اصابہ)
(۶) ابو عزہ بن لیسار بن عبداللہ الہذلیؓ۔ بصرہ میں گھر بنایا بیعۃ الرضوان میں شریک
رہے۔ "خمسۃ لا یعلمھا الا اللہ" کی حدیث کے راوی ہیں۔ (۷) سفیان الہذلی
ابو المغراء ان کے والد عبدالمطلب کے رفیق سفارت تھے جب عبدالمطلب ابرہہ
کے پاس گئے تھے۔ یہ شاعر تھے شاعری میں قریش پر چوٹ کرتے تھے تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا (اصابہ) (۸) آپ کے بھائی عتبہ بن مسعودؓ الہذلی مشہور
صحابی ہیں حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ تھے پھر مدینہ
واپس آئے۔ جنگ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے ان کے
انتقال پر حضرت کو بہت رنج ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت رنجیدہ ہونے پر
حضرت سے لوگوں نے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے بھائی اسلام میں میرے رفیق
تھے۔ تیسری بات یہ کہ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر سب سے زیادہ مجھے محبوب تھے
سیرت محمدیہ میں ہے کہ آپ حضرت عبداللہؓ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ علقمہ بیان
کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ان کے بڑے بھائی عتبہؓ کی عیادت
کے لئے گیا تو حضرت عبداللہؓ نے دیکھا کہ بیماری کی وجہ سے وہ سجدہ نہیں کر رہے
ہیں ایک پنکھا ہاتھ میں لے رکھا ہے اس پر سجدہ کرتے ہیں آپ نے ان کے
ہاتھ سے پنکھا لے لیا اور فرمایا زمین پر سجدہ کرو اور اگر زمین پر سجدہ نہ کر سکو
تو سجدہ کا اشارہ کرو اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ جھکا ہوا ہو
(بیہقی ج ۲ ص ۳۰۷)۔

۴۔ کنیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن رکھی جب[۱]

---

[۱] اسد الغابۃ دار الانساب [۲] ادب المفرد باب ۲۳ درباب ۶۱۹

میں آپ کے صاحبزادے پیدا ہوئے تو اسی مناسبت سے آپ نے ان کا نام
عبدالرحمٰن رکھا ابھی گذرا کہ آپ کی والدہ کا نام ام عبد تھا اسی وجہ سے ابن ام
عبد آپ کی دوسری کنیت ہے آپ نے اس دوسری کنیت سے زیادہ شہرت پائی۔[1]

۵۔ حلیہ

آپ کا جسم دبلا اور قد چھوٹا تھا۔ رنگ گہرا گندمی تھا۔ آپ خضاب نہیں کرتے تھے۔ آپ کے بھائی عتبہؓ کے پوتے حضرت عبید اللہ کا بیان ہے کہ

كان عبد الله رجلا آدم	حضرت عبداللہؓ بہت دبلے پتلے قد
نحيفا قصيرا اشد الادمة[2]	کے تھے۔ اور بہت سانولا رنگ تھا۔
وكان لا يغير	خضاب نہیں فرماتے تھے۔

ابن خزیمہؒ کے الفاظ ہیں۔

كان عبد الله رجلا آدم	حضرت عبداللہ گندمی رنگ کے تھے
عليه مسحة اعرابي لطيف	بدو جیسے معلوم ہوتے تھے دبلے تھے
الجسم خفيف اللحم[3]	بہت ہلکا جسم تھا۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۲ حافظ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے کہ اس کنیت سے کم شہرت پائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ کے زمانہ میں تو ابن ام عبد کی کنیت زیادہ رائج پائی جاتی ہے۔ صحابہؓ کے آخر دور میں اور تابعین اور اس کے بعد ابو عبدالرحمٰن کی شہرت بالکل صحیح ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء ص ۲۳۲ ج ۱۔

[3] منقول از اتحاف المہرہ فی اطراف العشرہ نسخہ خطی در حدیث عربی نمبر ۲۵۴ ج ۲، کتب خانہ آصفیہ مسند عبداللہ بن مسعودؓ۔

آپ کی زلفیں نہایت نرم خوبصورت تھیں جو آپ کے کانوں تک اس طرح لٹکتی رہتی تھیں کہ ایک بال بھی ادھر اُدھر نہیں ہوپاتا تھا۔ یسیرو بن یریم کہتے ہیں۔

كان لعبد الله شعر يرفعه على اذنيه كانما جعل بحبس[1]

عبداللہ بن مسعودؓ کے بال کانوں سے اٹھے رہتے تھے گویا انہیں سے جوڑ دیئے گئے ہیں۔

بعض اوقات آپ کے بال بڑھ کر شانوں تک آجاتے تھے جنہیں آپ نماز کے وقت کانوں کے پیچھے کر لیتے تھے۔

كان شعر عبد الله بن مسعود يبلغ ترقوته فرأيته اذا صلى يجعله وراء اذنيه[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بال گردن تک لٹک آتے تھے، نماز پڑھتے وقت آپ دونوں کانوں کے پیچھے کر لیا کرتے تھے۔

آپ کا شکم نسبتہً بڑا اور ٹانگیں بہت پتلی تھیں۔ آپ کو اپنی کمزور اور پتلی ٹانگوں کا احساس تھا اس وجہ سے آپ ہمیشہ انھیں چھپائے رہتے تھے۔

ام موسیٰ کہتی ہیں۔

سمعت عليا يقول امر النبي صلى الله عليه وسلم ابن مسعود ان يصعد شجرة فيأتيه بشئ منها فنظر اصحابه الى حموشة ساقيه فضحكوا منها فقال النبي صلى الله عليه وسلم ما تضحكون لرجل عبد الله يوم القيامة في الميزان اثقل من احد[3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو حکم دیا کہ درخت پر چڑھ کر کچھ مسواک ہرے کر لائیں ان کے ساتھی ان کے پیروں کا پتلاپن دیکھ کر ہنسنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا ہنستے ہو، قیامت میں ان کی ٹانگیں میزان میں احد سے زیادہ وزنی ہوں گی۔

---

[1] طبقات ج ۳ ق ۱ ص ۱۱۱۔ [2] ایضاً ص ۱۱۲ [3] طبقات ج ۳ ق ۱ ص ۱۰۹

مزاج بہت شگفتہ تھا۔ بہت ذکی و ذہین تھے۔[1]

۶۔ لباس

آپ کا لباس نہایت سادہ لیکن ساتھ ہی نہایت صاف اُجلا اور بے داغ ہوتا تھا۔ آپ کے خادم نخعی کا بیان ہے کہ حضرت پوشاک عمدہ سفید پہنتے تھے۔

کان عبد اللہ بن مسعود	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت عمدہ
من اجود الناس ثوباً ابیض	اور نہایت سفید لباس پہنتے تھے
من اطیب الناس ریحاً۔	اور بہتر خوشبو استعمال کرتے تھے۔

۷۔ غذا

آپ کا کھانا پینا بہت سادا ہوتا تھا۔ کھانے کے بعد آپ عموماً کھجور بھگو کر اس کا پانی پیتے تھے ایک مرتبہ آپ کے شاگرد علقمہ نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم کرے آپ اُمت کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور کھجور کا پانی پیتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور کو بھگو کر اس کا شربت پیتے دیکھا تھا ۔اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو ہرگز نہ پیتا۔[2]

۸۔ آپ کے مزاج کا وقار اور سنجیدگی

آپ طبعاً نہایت سنجیدہ واقع ہوئے تھے لیکن اس سنجیدگی میں خشکی اور درشتی نہ تھی بلکہ عالمانہ وقار و تمکنت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی کا مذاق اُڑانے اور عیب جوئی کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ انسان تو انسان تا ایک جانور کا مذاق اُڑانا بھی بُرا سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

لو سخرت من کلب لخشیت	اگر میں کتے کا مذاق اُڑاؤں تو ڈر ہے کہ
ان اکون کلباً	کہیں کتا نہ بنا دیا جاؤں۔[3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء۔ [2] مسند امام اعظم ص ۲۰۱۔ [3] سیر الاعلام النبلاء ص ۲۵۲

ہنسی ٹھٹھا کھیل کود اور لایعنی باتیں کہنے والے لوگوں کو آپ بے عمل کہہ کر ان سے اظہارِ بے زاری کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

انی لاکرہ ان اری الرجل	میں ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہوں
فارغا لیس فی عمل الاخرۃ	جو بے کار رہے نہ دین کا کام کرے
ولا فی عمل الدنیا۔	اور نہ دنیا کا۔[1]

۹۔ خوشبو کا شوق

اپنی طبعی نفاست پسندی کی وجہ سے آپ خوشبو کثرت سے استعمال کرتے تھے دن رات میں کہیں سے آپ گذرتے تو بھی آپ محض اس خوشبو کی وجہ سے پہچان لئے جاتے جو فضا کو معطر کر دیتی تھی حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں۔

کان عبد اللہ یعرف	راتوں میں حضرت عبداللہؓ کو ان
باللیل بریح الطیب۔	کی خوشبو کی وجہ سے پہچان لیا جاتا تھا

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا دیدار

عثمان بن المغیرہ، زید بن وہب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے پہلے بہل آپ کے مشرف ہونے کا حال خود ان کی زبان سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچاؤں (یا اپنی قوم کے چند لوگوں) کے ساتھ خوشبو کی چیزیں خریدنے مکہ آیا۔ حضرت عباسؓ (جو خوشبو وعطریات کی تجارت کرتے تھے، کے پاس پہنچا۔ وہ اس وقت چاہ زمزم پر تھے۔ خریداری کی گفتگو کے لیے ہم بھی وہیں بیٹھ گئے۔ اتنے میں دیکھا ایک صاحب باب الصفا سے داخل ہوئے۔ نہایت گورا رنگ، سپیدی پر سرخی دوڑ رہی تھی، سامنے کے دانت بڑے چمکتے ہوئے تھے۔ سینہ سے لے کر ناف تک باریک بالوں کی

---

[1] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۰۔

ایک دھاری تھی، ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ داڑھی گھنی، سفید لباس میں ملبوس، چہرہ گویا ماہ شب چہاردہم، داہنی جانب ایک خوبصورت کم عمر لڑکا تھا اور پیچھے ایک خاتون جو اپنے آپ کو ڈھانکے ہوئے تھیں۔ تینوں حجر اسود کے پاس آئے اور انھوں نے علی الترتیب اس کو بوسہ دیا، پھر سات مرتبہ طواف کیا۔ اس کے بعد رکن یمانی کے سامنے آکر ہاتھ اُٹھائے تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ ہم نے کہ میں یہ نئی بات دیکھی۔ حضرت عباسؓ سے دریافت کرنے پر آپ نے بتلایا کہ یہ بھتیجے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ ہیں دوسرا لڑکا بھی میرا بھتیجا علی (رضی اللہ عنہ) بن ابی طالب ہے وہ بی بی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ان کی بیوی ہیں۔ اس دین کے پیرو اس وقت ساری دنیا میں یہی تینوں ہیں۔[1]

۱۱۔ آپ کا قبول اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بار زیارت اور پہلی مرتبہ بالمشافہ گفتگو کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

کنت غلاما یافعا ارعیٰ غنما	میں جوانی کی عمر کا ایک لڑکا تھا اور
لعقبۃ بن ابی معیط فجاء النبی	عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چراتا تھا ایک
صلے اللہ علیہ وسلم وقد فرامن	مرتبہ آنحضرت صلعم اور ابوبکرؓ تشریف لائے
المشرکین۔ فقال یا غلام	یہ دونوں مشرکین سے بھاگ کر آئے تھے
ھل عندک من لبن تسقینا	اور مجھ سے دودھ مانگا۔ میں نے عرض
فقلت انی مؤتمن ولست ساقیکما	کیا، میں بکریوں کا مالک نہیں ہوں، میرے
فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم	ذمہ بکریاں ہیں اور میں امین ہوں میں دودھ
ھل عندک جذعۃ لم ینز	آپ لوگوں کو نہیں دے سکتا حضور اکرم صلعم

---

[1] سیر اعلام النبلاء ص ۳۰۳-۳۰۲-۱۵

عليها الفحل قلت نعم	نر نے جفتی نہ کی ہو، میں نے کہا ایسی بکری بھی ہے
فاتيتهما بها فاعتقلها	جس کا ابھی بچہ نہ ہوا ہو۔ میں نے کہا ہاں
النبی صلی اللہ علیه	میں ایسی بکری حضور کے پاس لے کر آیا۔ آپ نے اس
وسلم ومسح الضرع و	بکری کو باندھ لیا اور تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا کی
دعا فحفل الضرع ثم	تھن دودھ سے بھر گئے۔ پھر حضرت ابوبکر ایک گہرا پتھر
اتاه ابوبکر بصخرة	لے کر آئے جس میں آپ نے دودھ
متقعرة فاحتلب فيها	دوہا۔ پھر ابوبکر نے پیا اور پھر میں نے پیا پھر آپ نے
فشرب ابوبکر ثم شربت	تھن کو حکم دیا کہ سکڑ جا، وہ سکڑ گیا۔ اس کے بعد میں
ثم قال للضرع اقلص	آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی
فقلص قال فاتيته	کہ یہ بات مجھ کو بھی تعلیم کیجئے تو آپ نے مجھ کو
بعد ذلك فقلت علمنی	بشارت دی کہ تم غلام معلم ہو یعنی تم پڑھ کر
من هذا القول قال انك	پڑھے لکھے ہو گے۔ عبداللہ بن مسعود کے
غلام معلم.	دل پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ آپ نے فوراً

([illegible])

۱۲۔ اسلام میں آپ کا درجہ

استیعاب[1] میں ہے۔

كان اسلامه قديما حين اسلم	آپ کا اسلام بہت قدیم ہے یعنی سعید بن زید
سعيد بن زيد وزوجة فاطمة	اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب کے
بنت الخطاب قبل اسلام عمر بزمان	زمانہ کا حضرت عمر کے اسلام سے بہت پہلے

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص۳۷۹، [illegible] مسند کے الفاظ ہیں انک غلیم معلم [illegible] سیر اعلام النبلاء و طبقات ابن سعد [illegible] لکھتے ہیں کہ [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] عبداللہ بن مسعود [illegible] معلم [illegible] جلد ۱ ص۲۱۲، [illegible] مستدرک جلد ۳ ص۳۱۳ [illegible] ابن سعد جلد ۳ ص۱۰۶

مستدرک حاکم اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے۔ وہ خود کہتے ہیں
کہ وہ اپنے کو چھٹا مسلمان جانتے تھے۔ ان چھ کے علاوہ کوئی اور مسلمان نہ تھا ابن اسحاق
کی تحقیق ہے کہ آپ ۳۲ ویں مسلمان ہیں۔ سیر اعلام النبلاء میں جو سلسلہ نمبر دیا ہے اس میں

(دیکھو سیر اعلام النبلاء) اس وقت پیش نظر سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مختصر فہرست ان صحابہ کی درج کی جائے جن کے متعلق بیان کیا
جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے اس کے ساتھ یہ بھی
یاد رہے کہ ارقمؓ یا تو ساتویں مسلمان ہیں یا گیارہویں۔ ان کے اسلام کے بعد آنحضرت صلعم کی مجلس ان ہی کے گھر میں
ہوتی تھی جو کوہ صفا پر تھا۔ اور اس مکان میں تمام اسلامی فرائض انجام دیے جاتے تھے یہاں تک کہ اللہ کے حبیب کی
دعا قبول ہوئی اور حضرت عمرؓ بعثت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے (اصابہ جلد ۱ ص ۲۸ مطبوعہ کلکتہ)

۱۔ ابوبکر صدیقؓ ان تینوں کے متعلق صحیح طبری میں یہ تصریح موجود ہے کہ سب سے پہلے یہ مسلمان ہوئے
۲۔ علی مرتضیٰؓ } تاریخ کامل و طبقات ابن سعد۔
۳۔ زید بن حارثہؓ

۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت سعد کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلعم کو ملا کر تیسرا مسلمان میں ہوں۔

۵۔ عمرو بن عبسہؓ | مورخین اپنے معتبر ذرائع سے ان چاروں میں سے ہر ایک کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ
۶۔ ابوذر غفاریؓ | چوتھے مسلمان ہیں یا پانچویں۔ اس کے ساتھ یہ بھی گمان ہے کہ قبل حضرت بلالؓ مسلمان
۷۔ زبیر بن العوامؓ | ہو چکے ہیں۔
۸۔ خالد بن سعیدؓ

۹۔ عمار بن یاسرؓ | ان میں سے ہر ایک اس امر کا دعویدار ہے کہ پانچ ہستیاں تو ضرور ایسی ہیں جن کو قبول اسلام
۱۰۔ مقدادؓ | میں مجھ سے تقدم اور سبقت کا شرف حاصل ہے اور ان پانچ کے بعد مقدم میں ہوں
۱۱۔ عبداللہ بن مسعودؓ | حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ قد روی ابن حبان
۱۲۔ خباب بن الارتؓ | من طریقہ کان سادس ستۃ فی الاسلام۔

۱۳۔ ارقم بن الارقمؓ۔ یہ ساتویں مسلمان ہیں یا گیارھویں۔ (باقی صفحہ ۳۶ پر)

۱۹. اول مسلمان آپ کو سمجھا گیا ان حکایات سے پتہ چلتا ہے کہ سابقین اسلام میں آپ کا کیا درجہ تھا

۱۴. عثمان بن مظعونؓ
۱۵. عبدالرحمن بن عوفؓ
۱۶. ابو عبیدہؓ
۱۷. سعید بن زیدؓ
۱۸. طلحہ بن عبداللہؓ
۱۹. عثمان بن مظعونؓ
۲۰. قدامہ بن مظعونؓ
۲۱. عبداللہ بن مظعونؓ
۲۲. ابو حذیفہؓ
۲۳. عامر بن فہیرہؓ
۲۴. معمر بن الحارثؓ
۲۵. عبیدہ بن الحارثؓ
۲۶. ابو سلمہ بن عبداللہؓ
۲۷. خنیس بن حذافہؓ
۲۸. واقد بن عبداللہؓ
۲۹. عامر بن سعید بن العاصؓ
۳۰. عبداللہ بن جحشؓ
۳۱. ابو احمد بن جحشؓ
۳۲. عبداللہ بن جحشؓ

یہ سب وہ حضرات ہیں جن میں کئی ایک کے متعلق ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں: اسلم قبل ان یدخل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار الارقم، آپ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہوئے، اس کی تفصیل تیرہ نمبر تک کے نام آپ پہلے پڑھ چکے ہیں علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں سابقین اولین کی فہرست میں ۵۳ حضرات کے نام دیئے ہیں جس میں صرف حمزہ کا نمبر ۴۳ واں ہے اور حضرت عمرؓ کا نمبر ۵۳ واں ہے۔ اس میں وہ آٹھ عورتیں داخل نہیں ہیں جو سابقین اسلام میں سے ہیں جن میں سے بعض بیسیوں کا نمبر ان میں سے کئی صحابیوں سے پہلے ہے ان خواتین کے نام یہ ہیں۔

۱. حضرت خدیجہؓ ۲. اسماء بنت ابو بکرؓ ۳. اسماء بنت سلامہؓ
۴. اسماء بنت عمیس ۵. فاطمہ بنت الخطاب العامریہ ۶. فکیہہ بنت یسار
۷. رملہ بنت ابی عوف ۸. امینہ بنت خلف خزاعیہ

آپ کی صاحبزادیوں کو فہرست میں داخل کیا جائے تو چار عدد اور بڑھ جائیں گے بغیر محدثین بعض اور بی بیوں کے نام بھی ہیں جو دار ارقم سے قبل مسلمان ہو چکی تھیں۔

سابقین اولین میں وہی حضرات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار ارقم سے باہر تشریف لانے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں یہ فہرست صفحہ ۹ سے ص۱۶ تک مکمل کی ہے یہ میری قیاسی بات نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت ابو بکرؓ کے اول المسلمین ہونے کی بحث کے سلسلے میں لکھتے ہیں

ولکن مراد عمار بذلک ممن اظهر حینئذ اسلامه والا فقد کان جماعة ممن اسلم یکتمه یخفونه من اقاربهم وسیاتی قول سعد انه کان ثلث الاسلام وذلک بالنسبة الی من اطلع علی اسلامه ممن سبق اسلامه۔ (فتح الباری ج۷، فضل ابی بکر ص۱۶)

سیرت حلبیہ السیرۃ المحمدیہ وغیرہ کو سامنے رکھ کر اسی طرح صاحب رہبری کو دیکھا جائے تو یہ ہونا مسئلہ کا خارج از خود لغو ہو گا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ سابقین اولین اس اندیشے سے کہ دشمن سختی کریں کہ ان کے اسلام کی خبر نہ ہو جائے لوگ پوشیدہ رکھتے تھے ہوں اپنے اسلام کو اپنے پرائے سے اس وقت تک چھپاتے تھے جب تک ان کو ان کے اسلام کا بخوبی شوق نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ اپنے کو پہلا یا تیسرا یا چوتھا مسلمان سمجھتے رہے اس لئے اسلام لانے کے نمبر میں اس قسم کا اختلاف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

۱۴۔ جوشِ ایمان

جس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایمان لائے اسلام کا وہ بہت نازک
دور تھا مسلمانوں کو کوئی قوت حاصل نہ تھی، مکہ کے مشرکین کے مظالم اور جبر و دستیوں کا
جو حال تھا اُس کے ہوتے ہوئے علی الاعلان بت پرستی کا انکار، بتوں سے
نفرت کا اظہار اور ان کی مذمت اور حق کا کھلم کھلا اظہار مصیبتوں اور موت کو
دعوت دینا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نے اب تک اس کلام کو
آتش مزاج کفارِ عرب کے کانوں تک پہنچانے کی جرأت نہیں کی تھی جسے سنتے ہی
وہ آگ بگولہ ہو جاتے تھے لیکن صحبت نبوی سے حضرت عبداللہؓ کے ایمان کی
قوت کا یہ اثر تھا کہ اظہار حق کے معاملہ میں ڈر اور خوف ابن مسعودؓ کے دل سے
جاتا رہا تھا۔ ایک دن مسلمانوں میں (جن کی تعداد ابھی انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی) آپس
میں یہ گفتگو ہوئی کہ ہم میں سے کوئی آدمی قریش مکہ کو بہ آواز بلند قرآن پڑھ کر سنائے
اس دلیرانہ تجویز سے سب نے اتفاق کیا جب یہ سوال پیش ہوا کہ وہ کون سا بہادر
ہے جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مشرکین مکہ کو قرآن سنائے تو جھٹ آگے بڑھ کر عبداللہؓ
بن مسعودؓ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ سارے مسلمان ان کی اس ایمانی جرأت و بےخوفی
پر ششدر ہو گئے پھر سب نے کہا کہ تم ایسا جان لیوا خطرہ مول لو یہ مناسب نہیں۔ بلکہ
یہ کام وہ کرے جس کا خاندان مکہ میں اتنا با اثر ہو کہ اگر خدانخواستہ قرآن سنانے میں
مشرکین بھڑکیں اور اسے ایذا پہنچانا چاہیں تو اس کے خاندان کے افراد اس کو بچا سکیں
لیکن دین کے معاملہ میں اس قسم کی مصلحت بینی بھلا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایمانی
تقاضے پورا کرنے میں کس طرح آڑے آسکتی تھی چنانچہ آپ نے پوری جرأت سے
فرمایا "مجھے کفار کے ظلم و ستم سے بچانے والا اللہ ہے۔ خدا کے لئے تم لوگ
مجھے یہ شرف حاصل کرنے سے مت روکو" چنانچہ دوسرے روز دن چڑھے مقام

ابراہیم پہنچ کر آپ نے نہایت بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سورہ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ مشرکین کی مجلس اسی کے قریب تھی انہوں نے سنا تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے ابن ام عبد یہ کیا کہ رہے ہیں؟ پھر ان میں سے اُس نے جو آپ کے ایمان لانے سے واقف ہو چکا تھا کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب اُتری ہے اسی کو پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر پورا مجمع غصہ سے بے قابو ہو گیا اور آپ پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے بھڑ کے چھتہ کو چھیڑ دینے کے بعد بھڑیں لپٹ جاتی ہیں۔ آپ کو بے تحاشا مارنے لگے ظالم چہرہ پر مارتے تھے جس سے چہرہ بہت زخمی ہو گیا آپ مار کھاتے رہے لیکن حق کا اعلان کرنے والی زبان اس وقت تک بند نہیں ہوئی جب تک کہ آپ لہو لہان ہو کر گر نہ پڑے پورا جسم خون سے تر ہو گیا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خون آلود گوشت کا ایک بڑا لوتھڑا زمین پر پڑا ہے۔ ان خشتی القلب لوگوں نے انھیں اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا۔ مگر قدرت کے ہاتھوں روشن کی ہوئی علم کی یہ شمع جو آفتاب علم سے اکتساب علم کر کے دنیا کو روشنی بخشنے والی تھی خدا کے حکم کے بغیر کیسے بجھ جاتی زخموں سے چور چور ہو گئے، مگر زندہ رہے؛

ظالموں اور جفا کاروں کا وہ گروہ آپ کو اسی حال میں چھوڑ کر وہاں سے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو ہوش آیا اور کسی طرح گرتے پڑتے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے خفگی کے ساتھ کہا کہ اے عبداللہ اسی انجام کے خوف سے ان درندہ صفت انسانوں کے پاس تمہیں جانے اور قرآن پڑھنے سے ہم منع کرتے تھے مگر تم نے نہ مانا۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ دیکھو تو ان لوگوں نے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۸ جلد ۲

تمہارا کیا حال بنا کر رکھ دیا۔ دوستوں کی مشفقانہ ملامت سننے کے بعد کوئی ضعیف الایمان یا وقتی جوش سے مغلوب ہو جانے والا انسان ہوتا تو شاید یہی کہتا کہ بھائی تم ٹھیک کہتے ہو اگر میں تمہاری بات مان لیتا تو اس نتیجہ کو نہ پہنچتا۔ خیر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا آئندہ کے لئے کانوں پہ ہاتھ دھرتا ہوں۔ مگر اسلام کے اس سرفروش مجاہد نے جو جواب دیا وہ سننے کے لائق ہے۔ فرمایا ما اللہ بخدا کے یہ دشمن اتنے ذلیل میری نظر میں پہلے کبھی نہیں تھے جتنا کہ آج ہیں اور تم کہو تو کل پھر میں اسی طرح ان کے سامنے جا کر قرآن مجید علی الاعلان پڑھوں۔ اس حال کو پہنچ جانے کے باوجود آپ کو یہ ایمانی جذبہ دیکھ کر تمام ساتھی مرحبا پکار اٹھے مگر کہا کہ جانے دو ابن ام عبد یہی بہت ہے کہ یہ مشرکین جس چیز کا سننا پسند نہیں کرتے تم نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر وہ اُن کے کانوں تک پہنچا دی[1]۔

غرضیکہ ابتلاء و آزمائش کی یہ پہلی منزل تھی جس سے حضرت عبداللہ کو حق کے اظہار کے لئے گزرنا پڑا اور خدا کے فضل و کرم سے وہ اس امتحان میں پورے اُترے۔

۱۴۔ خصوصی خدمت کا شرف

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ خدمت نبویؐ میں برابر حاضر رہتے تھے اور یہ شرف آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں حاصل رہا۔ طبقات[2] میں آپ کی خدمات کا تذکرہ اس طرح ہے۔

عن القاسم بن عبد الرحمٰن	عبداللہ بن مسعود پردہ کئے رہتے تھے جب
قال کان عبد اللہ یستر	حضورؐ نہایا کرتے تھے اور جب سوتے تو جگا دیتے

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۰۲۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳۔ صفحہ ۱

عربی	اردو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کے کچھ کرتے تھے اور آپ جب جوتا اتارتے
اذا اغتسل ویمشی امامہ	تو آپ کے جوتے سنبھال لیتے اور بغل میں
بالعصا حتی اذا بلغ مجلسہ	دبا لیا کرتے اور وعظ کے وقت عصا آپ کے
نزع نعلیہ فادخلہما فی ذراعیہ	حوالے کر دیتے وعظ کے اختتام پر جب آنحضرت
واعطاہ العصا فاذا اراد رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونے کا ارادہ کرتے تو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم البسہ نعلیہ	کو جوتا پہناتے اور عصا لے کر آپ کے
ثم مشی بالعصا امامہ حتی	آگے آگے ہو کرتے یہاں تک کہ آپ کے
یدخل الحجرۃ قبل رسول اللہ صلی	حجرۂ مبارک میں آپ سے پہلے داخل
علیہ وسلم۔	ہو جاتے۔[1]

ابو الملیح نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے۔ آپؐ سو جاتے تھے تو زمانہ کے بیدار کرنے کی خدمت ابن مسعودؓ کے سپرد تھی اور جب آپ سفر میں تنہا ہوتے تو ہتھیار سے مسلح ہو کر آپ کے ساتھ رہتے[2] اس تقرب کی وجہ سے وہ حضور کے گھریلو معاملات میں بھی اس درجہ دخیل تھے کہ حضورؐ نے ان کو پردہ اٹھا کر[3] راز کی باتیں سننے کی بھی اجازت دے رکھی تھی کہ جب تک تم کو نہ روکوں تم میری باتیں سن سکتے ہو۔ اس کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ وہ حضور صلعم

---

[1] مقدمہ الفتح کتاب المناقب باب بنی الاسلام علی خمس میں ہے۔ وہ صاحب نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبسہ نعلیہ اذا جلس ادخلہما فی ذراعیہ ج ۱ ص ۱۱۵۔

[2] عن ابی الملیح قال ویوقظہ اذا نام ویمشی معہ فی الارض وحشا۔

[3] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذنک علی ان ترفع الحجاب وان تسمع سوادی حتی انہاک، مسلم شریف، بعض روایتوں میں ہے ان تستمع سوادی۔ فتح الباری ج ۷ ص [illegible]

وابن مسعودؓ. والحدیث دال علی ملازمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یستلزم ثبوت فضلہ) جلوت اور خلوت میں کثرت حاضری کی اس خصوصیت کی وجہ سے نئے آنے والے حضرات انھیں اہل بیت ہی سمجھنے لگے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب پہلے پہل اپنے بھائی کے ساتھ یمن سے مدینہ آئے اور دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت عبداللہ کو اس طرح اندر باہر آتے جاتے دیکھ کر انھیں خیال ہوا کہ عبداللہ حضور کے خاندان کے ایک فرد ہیں۔ ان خصوصیتوں کا ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس ذکر سے اس کا مقصد آپ کی تعریف ہے۔ اور چونکہ پابندی سے آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور خاص خاص خدمتیں آپ کے سپرد تھیں، اس لئے جن باتوں کا علم آپ کو ہو سکتا ہے، اس علم کی وجہ سے آپ کا شاگرد کسی دوسرے صحابی کے علم سے مستغنی ہو سکتا ہے۔

۱۵۔ پہلی ہجرت

جب مسلمان نئے نئے دن مشرکین کے طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بننے لگے، ان کے خوف سے سرراہ عام طور پر چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مکہ چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ ہجرت کر جاؤ۔ حبش کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وہ احساس کی قوم رکاوٹ نہ ڈالے گی آزادی سے خدا کی بندگی کے فرائض انجام دے سکو گے۔ حکم ملتے ہی مسلمان عورتوں اور مردوں کا ایک مختصر سا قافلہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی سرکردگی میں حبش روانہ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس میں شریک تھے۔ اگرچہ مشرکین مکہ کی دست درازیوں کا سلسلہ حبشہ تک

لہ فتح الباری کتاب المناقب ج ۷، ص ۸۰ ۔ لہ ترمذی، کتاب المناقب، عبداللہ بن مسعود

بھی جاری رہا اور شمع نبوت کے ان پروانوں کو وہاں سے نکلوا دینے کی
انھوں نے بہت کوششیں کیں، مگر بادشاہ کی رحم دلی اور انصاف پسندی
نے مسلمانوں کے وہاں کے قیام میں کوئی دشواری محسوس نہ ہونے دی
اور مشرکین کے بھیجے ہوئے ایلچی ناکام و نامراد واپس آگئے۔ اس کی تفصیل
دوسری ہجرت کے بیان میں آرہی ہے یہ ہجرت رجب ۵ نبوی میں ہوئی۔
شعبان رمضان دو ماہ صحابہ حبشہ میں رہے۔

خدا کی راہ میں گھر بار عزیز و اقارب سب کو چھوڑ کر صحابہؓ نے حبشہ میں پناہ
لی تھی اور اپنے دل میں سمجھا تھا کہ پریشانی اور تکلیف کے دن ختم ہو گئے اب
یہاں کفار کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ کر آرام و اطمینان سے زندگی کے
دن گذاریں گے اور بے روک ٹوک اللہ تعالیٰ کی بندگی کر سکیں گے۔ اور
اطمینان کا سانس لے سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی ان کی اور آزمائش کرنی تھی
ایک مثالی امت بننے کے لئے جس معیار کے صبر و استقلال کی ضرورت تھی، وہ
درجہ مسلمانوں نے ہنوز حاصل نہیں کیا تھا اس لئے موافق حالات پیدا ہونے
میں دیر ہو رہی تھی۔ چنانچہ ابھی حبش کے قیام کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ یہاں کہ
حبش میں یہ افواہ پھیل گئی کہ تمام مشرکین مکہ ایمان لے آئے۔ اس افواہ کے
پھیلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ نے سورۂ النجم کی تلاوت رمضان میں کی اس میں
أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ
الْأُنثَىٰ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ [1] کے سلسلہ میں لات، منات اور عزیٰ کا
تذکرہ تھا اور آخر سورہ میں حکم تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرو، اور اسی کی

---

[1] (فتح الباری ج ۸ ص ۴۲۲ تفسیر سورۃ النجم)

ہندگی کہ اس سورت کے آخری حکم کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور صحابہؓ نے آپ کی متابعت کی مشرکین پر اس کا اثر ہوا یا جو ان کے نام کی وجہ سے خاطر نہیں کہ انھوں نے بھی سجدہ کیا۔ تمام مشرکین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ سجدہ کرنے کو شاید دور کے لوگوں نے مشرکین کے اسلام سے تعبیر کر دیا اور یہی خبر شدہ شدہ حبش پہنچ گئی۔ مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہوگیا یہ سن کر ان لوگوں نے سوچا کہ ہماری ہجرت کا سبب مشرکین کا ظلم وستم تھا اور جب یہ سب مسلمان ہوگئے ہیں تو ہم بھی کیوں نہ اپنے وطن واپس نہ چلے جائیں غرضیکہ اپنی سادہ دلی نیک طبعی کی وجہ سے جس دور بینی و احتیاط کی ضرورت تھی وہ احتیاط نہیں برتی اور اس خبر کی تصدیق کئے بغیر مکہ روانہ ہوگئے جب شوال میں صحابہؓ مکہ کے قریب پہنچے تو افواہ غلط ہونے کا پتہ چلا۔ کچھ لوگ چھپ چھپا کر کسی کی امان میں مکہ آگئے۔ باقی دوبارہ حبش کو روانہ ہوگئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ چھپ کر آئے اور چند دن قیام فرما کر دوسری بار پھر حبشہ کو ہجرت کی۔

۱۶۔ دوسری ہجرت

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ۔

بعثنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم الى النجاشي ثمانين
رجلا انا وجعفر وابو موسى
وابن هشام وعبد الله بن
عرفطة وعثمان بن مظعون و
بعثت قريش عمرو ابن العاص

ہم وہ ۸۰ آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
نجاشی کے پاس حبش بھیج دیا جن میں جعفر ابن ابی طالب
ابو موسیٰ اشعری، ابن ہشام، عبداللہ بن عرفطہ، عثمان بن
مظعون وغیرہ تھے قریش نے عمرو ابن العاص اور
عمارۃ بن الولید کو ہدیہ دے کر حبشہ بھیجا۔ وہ ہدیے کر
نجاشی کے دربار میں آئے دونوں نے اس کو سجدہ کیا

وعمارة بن الوليد بهدية فقدما على النجاشي فلما دخلا سجدا له وابتدراه فقعد واحد عن يمينه والاخر عن شماله فقالا ان نفراً من قومنا نزلوا بارضك فرغبوا عن ملتنا قال: اين هم؟ قالوا بارضك فارسل في طلبهم فقال جعفر انا خطيبكم فاتبعوه فدخل فسلم فقالوا: مالك لاتسجد للملك؟ قال: انا لانسجد الا لله قالوا: ولم ذاك؟ قال: ان الله ارسل فينا رسولا وامرنا ان لانسجد الا لله وامرنا بالصلاة والزكاة فقال عمرو انهم يخالفونكم في ابن مريم وامه قال ما تقولون في ابن مريم وامه قال جعفر نقول كما قال الله روح الله وكلمته القاها الى العذراء البتول التي لم يمسها بشر قال فرفع

عمرو اور عمارہ جلدی جلدی کرکے اُن میں سے ایک نجاشی کے داہنے اور دوسرا بائیں سمت بیٹھ گیا۔ دونوں نے نجاشی سے شکایت کی ہماری قوم کی ایک جماعت آپ کے ملک میں آکر پناہ گزین ہوئی ہے جس نے ہمارے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا وہ آپ کے ملک میں ہیں نجاشی نے صحابہؓ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجے حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہاری طرف سے گفتگو کرنے والا میں ہوں گا تو تمام مسلمانوں نے ان کی بات مان لی حضرت جعفرؓ آئے تو انھوں نے بادشاہ کو سلام کیا لوگوں نے کہا بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں تو اس نے پوچھا یہ کیوں؟ حضرت جعفرؓ نے کہا اس لئے کہ اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے تو انھوں نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا ہم کسی کو سجدہ نہ کریں اور ہم کو نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم دی۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی ماں کے بارے میں ان کا عقیدہ آپ کے عقیدے کے خلاف ہے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ ابن مریم اور ان کی ماں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا جو اللہ نے کہا وہ ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح ہیں

النجاشی عودا من الأرض وقال یا معشر الحبش والقسیسین والرهبان ما تریدون ما یسوءنی هذا اشهد انه رسول الله وانه بشر به عیسیٰ فی الانجیل والله لولا ما انا فیه من الملك لاتیته فاکون انا الذی احمل نعلیه واوضئه وقال انزلوا حیث شئتم وامر بهدیة الاخرین فردت علیهما قال وتعجل ابن مسعود فشهد بدراً[1]

سا تنکا کہ بھی جس کو اللہ نے کنکری پر کم جس میں دنیا کی کوئی رغبت نہ تھی اور جس کو کسی نقصان نے چھوا تک نہ تھا ہیں ڈالا۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ اے قوم حبش کے علماء و مشائخ صوفیا تم کیا کہتے ہو مجھ کو تو جعفرؓ نے جو کچھ کہا بر معلوم نہیں ہوا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہی ہیں جن کی عیسیٰ نے انجیل میں بشارت دی ہے بخدا کی قسم اگر میں حکومت کے چکر میں نہ گھرا ہوتا تو جا کر ان کی کفش برداری کرتا اور ان کو وضو کراتا۔ صحابہ سے نجاشی نے کہا کہ آپ لوگ جہاں چاہیں رہیں اور مشرکین کے ہدیہ کو واپس کر دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے حبش سے واپسی میں عجلت کی اور مدینے آ گئے اور غزوہ بدر میں شریک ہو گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباریؒ کتاب التفسیر سورۃ النجم کے آخر میں لکھتے ہیں۔

قد جزم الواقدی بانها کانت فی رمضان سنة خمس وکانت المهاجرة

واقدی اس بات کو وثوق سے بیان کرتے ہیں کہ حبشہ کی دوسری ہجرت رمضان ۵ھ بعثت میں ہوئی تھی جب مسلمانوں کو یہ خبر

---

[1] مسند احمد حنبل مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۲ باب مناقب ابن مسعود کتاب الصحابہ ج ۱ ص ۴۳۲ باب ہجرۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النجاشی۔ ... ۴۴ ج سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۱

[2] جلد ۸ ص ۷۴۳ طبع مصری۔

الاولی الی الحبشہ خرجت فی شهر رجب فلما بلغهم ذلك رجعوا فوجدوهم علی حالهم من الكفر فهاجروا الثانية۔

پہنچی کہ مشرکین مسلمان ہو گئے ہیں حبشہ سے واپس آ گئے اور جب مکہ پہنچے اور ان مشرکین کو اسی کفر کی حالت میں پایا تو دوبارہ حبشہ چلے گئے۔

فتح الباری باب العمل فی الصلوٰۃ میں ہے۔

وکان رجوعهم (الصحابة) من عنده (الحبشه) الی مكة وذلك ان بعض المسلمين ھاجر الحبشة ثم بلغهم ان المشركين اسلموا فرجعوا الی مكة فوجدوا الامر بخلاف ذلك واشتد الاذی عليهم فخرجوا اليها ايضاً فكانوا فی المرة الثانيه اضعاف الاولیٰ وكان ابن مسعود مع الفريقين

صحابہؓ کی واپسی حبشہ سے مکہ کو یوں ہوئی تھی کہ ان کو یہ خبر ملی کہ مشرکین مسلمان ہو چکے ہیں لیکن جب مکہ آئے تو معاملہ برعکس پایا اور مشرکین اور زیادہ اذیت دینے لگے تو مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔ اس ہجرت میں مسلمان پہلی ہجرت سے کئی گنا زیادہ تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ دونوں جماعتوں کے ساتھ تھے۔

۱۷۔ تیسری ہجرت

مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ہی ان کے مصائب اور تکالیف میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم نازل ہوا اور

سا۔ جلد ۳ صـ۵۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا تاکہ بلا مزاحمت دین کے احکام ادا کر سکیں چنانچہ جب جب لوگوں کو موقع ملا مدینہ اس ارادہ سے روانہ ہوتے کہ زندہ رہیں گے تو وہیں اور مریں خاک ہوں گے تو وہیں۔

مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کرنے کی خبر حبشہ پہنچی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہاں تشریف رکھتے تھے اُنھوں نے مدینہ کو ہمیشہ کے لئے اپنا مامن ومسکن بنالینے کا ارادہ کر لیا اور ہجرت کر کے ایسے وقت مدینہ پہنچے کہ غزوہ بدر میں شریک ہو گئے اس طرح اسلام کے لئے یہ آپ کی تیسری اور آخری ہجرت تھی جو آپ نے خدا کی راہ میں اختیار کی۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبلؓ (جبل علم) کے مہمان رہے۔

۱۸۔ مواخات

مکہ معظمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام سے آپ کا بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ اور جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو پانچ ماہ بعد مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر سے فراغت پاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبانوں (انصار) اور مہمانوں (مہاجرین) کا ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھائی ان کے میزبان حضرت معاذ بن جبلؓ کو بنا دیا۔

۱۹۔ مکان کی زمین

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مسجد نبوی سے متصل مسجد کی پشت پر زمین عطا ہوئی اور سب کے ساتھ مکان کی حد بھی متعین فرما دی۔ اُنھوں نے نیز ان کے بھائی عتبہ بن مسعودؓ نے وہاں اپنا مکان بنایا۔ یحییٰ بن جعدہ سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو مکان کے لئے زمین عطا فرمائی ٗ بنو زہرہ کے متصل آپ کی زمین تھی بنو زہرہ میں سے کسی نے کہا اے ابن ام عبد! ہمارے پاس سے دور ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن لیا تو فرمایا کیوں ؟ کیا اس وقت بھی اللہ مجھے مبعوث کرے گا (اپنے منصب نبوت پر باقی رکھا جاؤں گا) جبکہ میں تمہارے تکبر اور ظلم پر خاموش رہوں)۔ اللہ اس قوم کو برکت نہیں دیتا جو کمزور کو اس کا حق نہ دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مدینہ میں ایک مکان تھا جس میں امام مالکؒ اپنے زمانہ میں کرایہ سے رہتے تھے کوفہ میں ایک مکان وہ تھا جس میں خود آپ کا قیام تھا اور رمادہ محلے کا دو سرا مکان آپ نے بھائیوں کے لیے خاص کر دیا تھا۔

۷۰۔ دین کی باتوں سے شغف

حضرت ابن مسعودؓ کی علمی وانتظامی مشغولیتوں کا بیان آگے آئے گا۔ ان کثیر مشغولیتوں نے انھیں کسی وقت بھی دین کے مقتضا سے غافل ہونے نہ دیا۔ فرض نماز تو کبھی قضا نہ ہوتی۔ نوافل بھی کثرت سے پڑھتے نماز سے آپ کے قلبی شغف کا تذکرہ اس مقالہ میں دوسری جگہ لے گا۔ وقت پر نماز کے ادا کرنے کی پابندی کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو آپ ہی سے سب سے بہترین عمل کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

الصلوٰۃ علی میقاتھا نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا

سب سے بہتر عمل کا علم ہو جانے کے بعد آپ سے کس طرح ممکن تھا کہ

ملہ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص جاجرین بدریین ص۱۵۴ معجم البلدان

نماز میں کسی قسم کی کوتاہی کرتے اور اس کو اپنی عملی زندگی کا اہم جزو نہ بنا لیتے۔ وقت پر نماز ادا کرنے میں آپ نے کبھی کسی کا خوف نہیں کیا۔

۲۱۔ اظہارِ حق میں بے باکی

ایک مرتبہ امیر کوفہ ولید بن عقبہ کو (جن کا عہدہ کوفہ میں ان سے اونچا تھا) مسجد پہنچنے میں دیر ہوئی آپ نے ان کے خفگی کی پروا نہ کی جماعت سے نماز پڑھنے کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے ولید کا انتظار کئے بغیر نماز پڑھا دی۔ ولید نے جب یہ سنا تو آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا آپ نے اپنے جی سے ایسا کیا ہے آپ نے اس کے جواب میں عذر معذرت نہ کی اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ یہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ میں نے اپنے جی سے ایسا کیا ہے اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ تمہاری وجہ سے نماز کے انتظار کی زحمت گوارا کرتے رہیں[1]۔

۲۲۔ نوافل کی کثرت

نوافل کی کثرت کا یہ حال تھا کہ رات کثرت سے نمازیں پڑھتے گزر جاتی دن میں بھی مختلف کاموں کی کثرت کے باوجود نفل نماز کے لئے وقت نکال لیتے۔ مگر نماز سے آپ کا یہ شغف قبولِ اسلام کے بعد ہی سے تھا جبکہ آپ نو عمر ہی تھے چاشت کی نماز کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے ہیں۔

ماتمت الضحیٰ منذ اسلمت[2] — جب سے اسلام لایا ہوں چاشت کی نماز نہیں چھوڑی

---

[1] مسند احمد ج (۱)، ص ۴۵۰ [2] طبقات ق ۱، ج ۳ ص ۱۰۹

روزے کا بھی یہی حال تھا پھر بھی نماز کی کثرت کی نسبت سے آپ روزے کم رکھتے اور اس کا سبب نماز سے آپ کا والہانہ عشق تھا۔ عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں۔

ما رأيت فقيهاً اقل صوما	عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی فقیہ کو
من عبد الله بن مسعود	روزہ رکھنے والا نہیں دیکھا ان سے
فقيل له لم لا تصوم فقال	دریافت کیا گیا کہ آپ روزہ کم کیوں رکھتے ہیں
انى اختار الصلاة على الصوم	تو فرمایا کہ میں نماز کو زیادہ پسند کرتا ہوں
فاذا صمت ضعفت	اور جب روزہ رکھتا ہوں تو کمزور ہو جاتا ہوں
عن الصلاة.	اور نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اس کے باوجود آپ رمضان کے روزوں کے علاوہ، دوشنبہ اور جمعرات کو عموماً روزہ رکھا کرتے تھے یہ ہے کہ عاشورہ کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے۔

آپ کے اس دینی شغف و عبادت کی گہری چھاپ آپ کے گھر والوں پر بڑی تھی سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا اور خود حضرت ابن مسعودؓ طلوع آفتاب تک ذکر میں مصروف رہتے۔

ابو وائل کی روایت ہے کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا۔ سلام کے جواب کے بعد حاضر ہونے کی اجازت ملی ہم نے توقف کیا اتنے میں ایک باندی آئی اور پوچھا کہ وہ (حضرت ابن مسعودؓ، اللہ کا ذکر فرما رہے تھے انہوں نے پوچھا کہ اجازت کے بعد بھی تم لوگ اندر کیوں نہ آئے ہم لوگوں نے کہا کہ شاید گھر کے کچھ لوگ سو رہے ہوں اور اس خیال سے دیر کی۔ فرمایا کہ تم لوگوں نے ابن ام عبد کی اولاد پر غفلت کا گمان کیسے کیا؟ اس کے بعد ذکر میں

مشغول ہو گئے تھوڑی دیر بعد انھیں خیال ہوا کہ آفتاب نکل گیا ہو گا تو لونڈی سے کہا کہ دیکھو آفتاب نکل آیا ؟ اس نے کہا ابھی نہیں نکلا پھر ذکر میں مشغول ہو گئے ۔ پھر جب آفتاب طلوع ہو گیا تو آپ نے کہا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا ایک دوسرے راوی ابن مہدی نے اتنا اضافہ کیا کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ اور ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہم کو ہلاک نہیں کیا؟[1] رمضان کے مبارک مہینہ میں آپ کی عبادت اور بڑھ جاتی تھی خصوصاً آخری عشرہ اور قدر کی راتیں نماز تلاوت اور ذکر میں بسر ہوتیں ۔

ابوعقرب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے خوش ہو ہو کر کہہ رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا میں نے عرض کیا وہ کیا ؟ کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ قدر رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرنا اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ یہاں آج آنکھوں سے میں نے دیکھ لی۔[2]

۲۳۔ گھریلو زندگی

آپ نے دین و دنیا دونوں معاملوں میں، پُورے گھر بھر کو اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا ۔ جس کی وجہ سے گھر کا ماحول دینی بن چکا تھا ۔ نماز روزہ صدقہ زکوٰۃ اور ذکر کے علاوہ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے گفتگو وغیرہ غرض کہ ہر ہر چیز

---

[1] مسلم شریف جلد ۱ ص ۳۰ مطبع دار الاحیاء الکتب العربیۃ
[2] مسند احمد حنبل ۵ ص ۱۳۰

میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کرتے اور گھر والوں پر بھی اس کی نگرانی رکھتے بیوی بچوں کے حقوق میں کبھی کوئی کوتاہی نہ فرماتے۔ بیوی بچوں کے ساتھ بات چیت شگفتگی سے فرماتے گھر میں داخل ہوتے تو پہلے کھنکار لیتے تھے تاکہ گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اندر تشریف لا رہے ہیں۔ جو کچھ کہنا ہوتا آپ بلند آواز سے کہتے۔

ابی عبیدہ کہتے ہیں۔

کان عبد اللہ اذا دخل الدار	عبداللہ جب گھر میں آتے اجازت
استأنس ورفع کلامہ	چاہتے آواز بلند کرتے تاکہ گھر والوں کو
کی یستانسوا۔[1]	معلوم ہو جائے کہ آپ اجازت طلب
	کر رہے ہیں۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینبؓ نے آپ سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور پوچھو بیوی اپنے شوہر کو صدقہ دے دے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں اس کے بارے میں خیال ہے کہ تم کو ہی دے دوں۔ مگر آپ نے شاید غیرت کی وجہ سے انکار کیا اور کہا کہ تم خود ہی جاؤ اور پوچھو چنانچہ وہ گئیں وہاں دوسری بی بی بھی اسی سوال کے لئے آئی تھیں۔ ان کا نام بھی زینب تھا اور وہ ابو مسعودؓ انصاری کی بیوی تھیں چنانچہ دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ دریافت کیا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور اُن کے بچوں پر جو اُن کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا

---

[1] طبقات ج ۳ ق ۱ ص۱۰۸

چاہتی ہیں کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ بلکہ ان کو دوہرا ثواب ہوگا ایک صدقہ کا اور دوسرے اہل قرابت پر خرچ کرنے کا[1]۔

۲۴۔ مہمان نوازی

آپ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ مہمان آجاتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور اس کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ آپ کے حسن اخلاق اور مہمان نوازی کی وجہ سے آپ کے پاس کثرت سے مہمان آتے رہتے۔ خاص طور پر مہمانوں کے لئے آپ نے کوفہ کے محلہ موضع السادہ کا مکان خالی کر رکھا تھا[2]۔

۲۵۔ تواضع وانکسار

علم وعمل کے کوہ گراں ہونے کے باوجود آپ بے حد متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ آپ کے شاگردوں اور قدردانوں کی جماعت آپ کے پیچھے پیچھے چلتی فرماتے کہ۔

لو تعلمون ذنوبی ما وطی عقبی — اگر تمہیں میرے گناہوں کا علم ہو جائے تو دو

اثنان ولحثیتم التراب علی — آدمی بھی میرے پیچھے نہ چلیں اور میرے سر

راسی ولوددت ان اللہ غفرلی — مٹی ڈالنے لگو مجھے اس کی بڑی تمنا ہے اللہ

ذنبا من ذنوبی[3]۔ — میرے گناہ بخش دے۔

حارث بن سعید کہتے ہیں کہ ایک روز بہت سے آدمی عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس تھے انہوں نے کہا۔

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النفقۃ علی الاقربین باب ترتیل القراءۃ کتاب الصلوٰۃ۔

[2] طبری ص۳۳۲۶۔ [3] سیر اعلام النبلاء ص۲۵۳۔

واللّٰہ الذی لاالٰہ غیرہ لو	اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود
تعلمون علمی لحثیتم التراب	معبود نہیں اگر تم لوگ میری علمی حیثیت
علیٰ راسی ؎	جان جاؤ تو میرے سر پر خاک ڈالو

۲۶۔ استغناء

دنیا سے بے نیازی، قناعت اور توکل میں بھی آپ بے مثل تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے آخری وقت میں جب انکار کیا ہوا وظیفہ ادا کرنا چاہا تو آپ نے نہایت بے نیازی سے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔

دنیا کے مال سے بے نیازی اور توکل کے جذبہ نے ان سے انکار کرایا اور حضرت عثمانؓ سے کہلا بھیجا کہ آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کی فکر ہے تو سنئے میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ ہر شب سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہو گا۔

۲۷۔ دنیا اور آخرت کا موازنہ

ایک سچے مومن کی نگاہ میں دنیا زاد آخرت ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضرت سلمان فارسیؓ کے انتقال کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا رنج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک معاہدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کیا تھا جس کی ہم نگہداشت نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

؎ حوالہ بالا۔

لیکن بلاغ احدکم من الدنیا کزاد الراکب۔ وامانت یا سعد فاتق اللہ فی حکمک اذا حکمت وفی قسمک اذا قسمت۔	تمہارے پاس دنیا کا اتنا سامان ہونا چاہیئے جتنا ایک مسافر سفر میں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اے سعد تم اللہ سے ڈرتے رہنا اپنے فیصلہ کرنے میں تم جو فیصلہ کرو اور بانٹنے میں جب تم تقسیم کرو۔

حضرت ابن مسعودؓ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

من اراد الآخرۃ اضر بالدنیا ومن اراد الدنیا اضر بالآخرۃ یا قوم فاضروا الفانی للباقی۔	جو آخرت کو مقصود بناتا ہے وہ دنیا کے نقصان کی پروا نہیں کرتا اور جو دنیا کو مقصود بناتا ہے وہ آخرت کا نقصان کرتا ہے۔ اے میری قوم تم باقی (آخرت) کے لئے فانی (دنیا) کو پیچھے ڈالو۔

تمیم بن حذلم کا بیان ہے کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے مگر میں نے دنیا سے بے نیازی وطلب آخرت کے معاملہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔[۱]

۲۸۔ خوف خدا

خدا کا خوف اور قیامت کا تصور انھیں ہمیشہ بے قرار کئے رہتا تھا۔ اور بعض مرتبہ یہ خوف اس قدر بڑھ جاتا کہ آپ بے حد سہم جاتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح گھبراہٹ میں آپ نے فرمایا۔

---

[۱] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ۔ صفوۃ الصفوۃ۔

وددت انی اذا امت لما ابعث[1] — میری بس یہی تمنا ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاؤں۔

۲۹۔ رقت قلب

حضرت ابن مسعودؓ بہت زیادہ رقیق القلب واقع ہوئے تھے جہاں کہیں آخرت اور حساب وکتاب جزا و سزا کا ذکر آتا آپ بے اختیار ہو جاتے اس قدر روتے کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ ان کی کثرت بکا کے متعلق زید بن وہبؓ فرماتے ہیں۔

رأیت بعینی عبد اللہ اثرین اسودین من البکاء۔ — میں نے اپنی آنکھوں سے عبد اللہ کی آنکھوں پر رونے کی کثرت سے دو سیاہ نشان دیکھے۔

۳۰۔ عہد نبوی

آپ کے تحصیل علم اور علمی کارنامہ کا مستقل باب آگے آرہا ہے یہاں زندگی کے عام حالات بیان کئے جا رہے ہیں۔

اسلام کے فرائض و اعمال میں جہاد سب سے سخت ہے لیکن جب کبھی حق کی حمایت اور باطل کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی نوبت آئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ باوجود ضعیف الاعضاء اور نحیف الجثہ ہونے کے اس کار عظیم میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ جنگ بدر کے واقعہ کی تفصیل حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں تھا کہ اچانک مجھے اپنے داہنے اور بائیں جانب دو نوعمر لڑکے نظر آئے ان میں سے ایک نے رازدارانہ طور پر مجھ سے پوچھا کہ چچا جان ابو جہل کون ہے مجھ کو بتا دیجئے۔ میں کہا

---

[1] طبقات ج ۳ ق اول ص ۱۱۱

میرے بھتیجے! تم ابوجہل کے ساتھ کیا کرو گے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ جب میں ابوجہل کو دیکھوں گا تو اس کو قتل کر دوں گا خواہ اس کوشش میں میری جان جاتی رہے اور میں اللہ کی راہ میں کام آجاؤں اسی طرح دوسرے نے بھی چپکے سے مجھ سے یہی پوچھا میں نے اشارے سے دونوں کو بتا دیا۔ دیکھو وہ ابوجہل ہے دونوں اس پر عقاب کے باز کی طرح جھپٹے اور حملہ کر کے اسے زمین پر گرا دیا۔ یہ دونوں لڑکے معاذ اور معوذ عفراء کے بیٹے تھے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص دیکھ کر آئے کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا۔ حضرت ابن مسعودؓ تعمیل ارشاد کے لیے روانہ ہوئے اور جا کر دیکھا تو ابوجہل دم توڑ رہا ہے اُنھوں نے اس کی داڑھی پکڑ کر پوچھا "انت اباجہل" تو ہی ابوجہل ہے[1]! میں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا اس لئے کہ اس نے مکہ میں ایک بار بڑی سختی سے میری گردن پر گھونسے مارے تھے[2]۔ اس پر اُس نے کہا اے بکری چرانے والے! تو ایسی جگہ چڑھ گیا جہاں تجھ کو نہیں چڑھنا چاہیے تھا۔ میں نے کہا اے دشمن خدا کیا تجھے اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں کیا؟ اُس نے کہا کیا تم نے مجھ سے بڑا مرتبہ رکھنے والے کسی انسان کو بھی قتل کیا ہے؟ پھر اس نے پوچھا بتاؤ آج زمانے کا چکر کس کے موافق ہے! میں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے۔ اس کے بعد میں نے اس کا سر کاٹ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ دشمن خدا ابوجہل کا سر ہے۔ آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کی توحید کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا اللّٰہ الذی لاالٰہ غیرہٗ (اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں) نہ

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۵۹۵ [2] سیرت ابن ہشام واقعہ بدر ص ۲۵

اپنے نوز کا نعرہ نہ اپنی امت کے فخر کا نعرہ۔ اس طریقے سے کافروں کے سردار ابوجہل کا سرتن سے جدا کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر رہا۔ ابومجلز کا بیان ہے کہ ابوجہل نے یہ بھی کہا تھا کہ کاش مجھے کھیتی کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا قتل کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوات بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر نیز فتح مکہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی غلط خبر پھیلنے سے مایوسی کے نتیجہ میں جو افراتفری پھیل گئی تھی اس وقت بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ثابت قدم رہے اور آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ احد کے بعد ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسلمان ہتھیار نہ اتاریں اور آپ کے ساتھ ساتھ چلیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں حضرت عبداللہ بھی حمراء الاسد تک گئے تھے۔ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں میں بھگدڑ پڑی تو دس بزار کی جماعت میں صرف اسی اور جان نثار ثابت قدم رہ کر شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار اپنی جانثاری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے اچانک سخت حملہ کیا تو ہم لوگ (۸۰) قدم پیچھے ہٹ گئے پھر جم کر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ ایک مرتبہ زمین کی طرف جھکے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ سر بلند رہیئے خدا نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دے دو میں نے زمین سے خاک آپ کے دست مبارک میں

ے زوائد ابن حبان ابن مجر عسقلانی

دے دی آپ نے وہ خاک مشرکین کی طرف پھینکی جوان کی آنکھوں میں پڑی پھر
ارشاد ہوا مہاجرین اور انصار کہاں ہیں! میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہُوا
کہ انہیں پکارو میں نے بلند آواز سے پکارا یکایک سب کے سب ایمانی جوش
و خروش سے آپؐ پر جاں نثاری کے ولولہ کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے
اس وقت ان کی تلواریں اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح بادل میں بجلی
چمکتی ہے۔ اس مرحلہ پر مشرکین میدان سے زک اُٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے
اور ان کی فتح شکست سے بدل گئی اور مسلمانوں کو فتح اور کامرانی نصیب ہوئی[1]

جب اسلام کا چرچا زیادہ پھیلا اور مکہ سے باہر قریش کے علاوہ دوسرے
لوگ بھی اکا دکا اسلام میں داخل ہونے لگے تو مکہ کے سرداروں کو بڑی فکر ہوئی۔
عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ وغیرہ نے آپس کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ حج کے زمانہ
میں لوگ باہر سے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و دعوت کا
موقع مل جاتا ہے۔ ان نئے آنے والوں کو اس سے روکا جائے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں۔ اس کی تدبیر انہوں نے یہ کی کہ اپنے مختلف کارندے
اس کام پر مقرر کئے کہ باہر سے آنے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن
کیا جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آپؐ سے ملاقات کا شوق و رغبت
پیدا نہ ہو اور ان کو یہ سکھلایا گیا کہ ہر آنے والے سے کہیں کہ اس نئے دعویٰ
کرنے والے سے نہ ملو اور اس کی بات نہ مانو۔ یہ کاہن ہے یہ شاعر ہے یہ مجنوں
ہے مختلف لوگ مختلف باتیں کہیں اور اس کے لئے مکہ میں پہنچنے کے جو مختلف
راستے تھے ان پر مختلف آدمی مقرر کر دیئے گئے۔ اس جھوٹ کو ظاہر کرنے کیلئے

---

[1] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۱۷ باب نزول آیۃ السکینۃ ، مسند احمد حنبل جلد ۱ ص ۴۵۳

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں کو مقرر کیا کہ ان کے جھوٹ کا جواب دیں اور کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر تم خود ان کی باتیں سن لو اس کے بعد فیصلہ کرو چنانچہ قرآن میں اس کا تذکرہ ہے

كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ	کہ ہم راستوں پر بٹ جانے والوں پر
الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ	اپنا عذاب اتاریں جنہوں نے قرآن ٹکڑے
فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ.	ٹکڑے کر دیا ہے تمہارے رب کی قسم ہم
(سورہ حجر ع ۶ (آیہ ۹۰-۹۱)	ان سے ضرور باز پرس کریں گے۔

ان راستوں سے ایک راستہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی مقرر کئے گئے کہ ان جھوٹی باتوں کا جواب دیں[1]۔

شق القمر کے واقعہ کی روایت بہت سے صحابہؓ نے کی ہے جس میں کم عمر صحابہ بھی ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ اور بڑی عمر والے صحابہؓ بھی۔ ان بڑی عمر والے صحابہؓ میں کچھ اصحاب وہ ہیں جو اس وقت سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے اس لئے آپ کی روایت صحیح اور مستند ترین سمجھی جاتی ہے۔ یہ روایت بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

انشق القمر ونحن مع النبي صلى الله عليه وسلم فصار فرقتين فقال لنا اشهدوا

حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا

---

[1] سیر اعلام النبلاء۔ الجز ۔۔ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

[2] بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام ص ۵۴۳ و کتاب التفسیر سورہ قمر، مسلم و ترمذی کتاب التفسیر،

اخلائی من اصحاب رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر و ابو عبیدۃؓ	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تین میرے بڑے گاڑھے دوست ہیں ابوبکرؓ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ۔

۲۱. عہدِ صدیقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ تیزی سے پھیلا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بعض قبیلوں کے وفد اس لئے آئے کہ زکوٰۃ کی معافی تسلیم کرالیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوری قوت سے ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے میں جہاد کروں گا اس قبیلہ والوں نے مدینہ آکر دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد حضرت اسامہؓ کے ساتھ جہاد میں جا چکی ہے اور مدینہ میں بہت تھوڑے صحابہؓ رہ گئے ہیں انھوں نے سوچا کہ اس کمزوری کو غنیمت سمجھنا چاہئیے اور مدینہ پر جلد از جلد حملہ کر دینا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا اندازہ پہلے ہی کر لیا تھا۔ آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ زبیر بن العوامؓ طلحہ بن عبداللہؓ کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظت کے لئے دستے متعین کر دیئے تھے ان میں ایک دستہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی متعین کیا تھا حضرت ابوبکرؓ کی استقامت کی برکت سے جب دورِ رمان کے مسلمان سردار زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچے تو جس راستے حضرت عدیؓ آئے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ متعین تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ان کی حاضری کی بشارت لے کر پہنچے۔

۱؎ : الحاکم: مناقب۔ ۲؎ سیر اعلام النبلاء، ص ۱۵۱

۲؎ صدیق اکبرؓ ۱۲۱

۲۲۔ عہدِ فاروقی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد فرمایا۔ ان کے دورِ خلافت میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی فاتحانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے کمربستہ ہوگئے چنانچہ ۱۵ھ میں یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں شریک ہوئے اور خوب خوب اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے[1]۔ حمص جب فتح ہوا تو اس کا خمس آپ ہی کے ہاتھ حضرت عمرؓ کو مدینہ روانہ کیا گیا۔

ابو عبیدہؒ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پانی کی قلت کی تکلیف پیش آئی۔ لوگوں نے اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا۔

لهو ان يفجر الله له عينا	البتہ آپ کے متعلق یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ
ليسقيه منها و اصحابه	آپ کے لیے چشمہ جاری کر دے بجائے اس کے
اظن عندی من ان یقتله	کہ آپ اور آپ کے ساتھی پیاسے ختم ہو جائیں
عطشاً۔	

قضاۃ کے تقرر میں سب سے اہم کام قابل اور متدین حکام کا انتخاب ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس اہم عہدہ کے لیے جن کا انتخاب کیا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے ۲۰ھ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قاضی بنا کر ان کے ساتھ کر دیا اس کے علاوہ بیت المال کی نگرانی و ذمہ داری بھی ان ہی کے سپرد فرمائی۔ مسلمانوں کی تعلیم اور مذہبی امور کی

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۸

نگرانی اور امیر کوفہ کی عدالت کے فرائض بھی ان ہی کو سونپے گئے۔ اہلِ کوفہ کے نام حضرت عمرؓ نے (امیر عمارؓ اور حضرت عبداللہؓ (قاضی)) کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات ظاہر فرمائے۔

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر	میں نے تمہارے لیے عمار بن یاسرؓ کو
امیرا وابن مسعود معلما و	امیر بنا کر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو استاد و
وزیرا وقد جعلت ابن مسعود	وزیر بنا کر بھیجا ہے اور بیت المال کی
علی بیت مالکم وانهما لمن	نگرانی بھی عبداللہ بن مسعودؓ کے سپرد کی ہے
النجباء من اصحاب محمد	یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
من اهل بدر فاسمعوا لهما	صحابہ میں بڑے شریف لوگوں میں سے ہیں۔
واطیعوا همالہ۔	یہ غزوہ بدر کے ہیں ان کی باتیں سنو اور ان کا

کہا مانو۔

حضرت عبداللہ پورے دس برس تک اپنے علمی اور انتظامی کاموں میں مصروف رہے۔ اور ان سہ گونہ فرائضِ منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیا اور انہوں نے علم کی اشاعت اس انہماک اور سرگرمی سے کی کہ کوفہ مکہ و مدینہ کے برابر کا تیسرا دار العلم بن گیا۔ اپنے ورع و تقویٰ اور علمی خدمت کی وجہ سے اہل کوفہ کی نظر میں بھی اس قدر ہر دلعزیز ہو چکے تھے کہ دربارِ خلافت میں کسی نے نائب کی شکایت کی ۔۔۔ نہ برطرف کرنے کا مطالبہ کیا حالانکہ خود گورنر کے بدلنے کا مطالبہ کرتے تھے لیکن آپ کی ذات کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ جب دفن ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنازہ کی نماز پڑھا کے

لہ اعلام الموقعین فصل ۲۰۔ اسدالغابہ ج ۳ ص ۲۵۸

تھے۔ دفن کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہوتے جاتے تھے اور فرماتے تھے جا دنگ تی جاتی تھی، آپ فرماتے تھے اگر مجھے آپ پر نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو آپ کی تعریف تو کر سکتا ہوں۔ آپ حق کے مقابلے میں بڑے سخی تھے اور ناحق کے معاملہ میں بڑے بخیل، خوشی کے موقع پر آپ خوش ہوتے تھے اور ناراضی کے موقع پر ناراض، آپ بے جگہ عیب جینی نہیں کرتے تھے اور نہ بے موقع تعریف۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے بڑی جزا دے۔[۱]

۲۳۔ عہد عثمانی

حضرت عمرؓ ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ منتخب ہوئے یوں تو حضرت عمرؓ کے زمانہ ہی میں حکام والامراء ادلتے بدلتے رہے۔ بعض کی شکایتوں ہی کی بناء پر تبدیلی ہوئی مگر امیر المومنین کی قوت میں کوئی تنزلزل نہ آیا تھا۔ مگر حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں انقلاب سیاست کی پہلی ہوا چلی جس سے لوگوں کے قلب پر اطاعت امیر کا جذبہ کمزور پڑ گیا اور بار بار کے احتجاج پر یکے بعد دیگرے کوفہ کے والی بدلے گئے اور یہ تبدیلی امیر المومنین کی قوت نہ ہوتی تھی بلکہ گرفت کی کمزوری کی وجہ سے امیر المومنین امیر و حاکم کے بدلنے پر مجبور ہوتے تھے۔ یہ تھے وہ گوناگوں انقلابات جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے عہد کی طویل مدت میں دیکھے۔

۲۴۔ حضرت سعدؓ کی معزولی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عہدۂ قضا کے دوران کوفہ کے کئی گورنر اہل کوفہ کی شکایت پر معزول کئے گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی حضرت عثمانؓ

---

[۱] عقد الفرید ج ۲ ص باب التعازی الوقف علی القبور

نے کوفہ کا گورنر بنایا۔ اپنی گورنری کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک مرتبہ کسی ضرورت سے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ بیت المال کی نگرانی بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذمہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوفہ کے کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ بیت المال آپ کی نگرانی میں ہے اور سعد بن ابی وقاصؓ بڑی حیثیت کے آدمی ہیں جو بیت المال کی رقم ادا کرنے میں بلا وجہ تساہل سے کام لے رہے ہیں آپ ان سے مطالبہ کیجئے۔ ادھر سعد بن ابی وقاصؓ سے ان کے حاشیہ نشینوں نے کہنا شروع کیا کہ آپ سابقون اوّلون میں سے ہیں اور آپ نے اپنی ضرورت کے لئے رقم لی ہے اور اس زمانہ میں مسلمان مرفہ الحال ہیں۔ ایسی کوئی ضرورت نہیں کہ جلد رقم بیت المال کو واپس کی جائے ان بزرگوں کو ان دو طرفہ ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا جب بہت روز ہو گئے تو اُنھوں نے حضرت سعدؓ سے رقم واپس کرنے کا مطالبہ کیا[1]۔ ایک روز اسی سلسلہ میں حضرت سعدؓ اور حضرت عبداللہؓ کے درمیان تلخ کلامی کی نوبت آگئی اور حضرت سعدؓ نے غصہ میں اپنا عصا زمین پر پھینک دیا اور عبداللہ بن مسعودؓ پر بد دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ مگر ابھی ان کی زبان سے اسی قدر الفاظ نکلے تھے کہ "اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے" حضرت عبداللہؓ نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بد دعا نہ دیجئے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ مجھے اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو یقین جانو میں تمہارے لیے سخت بد دُعا کرتا اس کے بعد حضرت عبداللہؓ بغیر کچھ کہے وہاں سے چلے آئے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت عثمانؓ کو ہوئی تو آپ

---

[1] فتح الباری جلد ۷ مناقب عثمانؓ ص۵۳

[2] اس واقعہ کا مختصر تذکرہ بھی فتح الباری ص۵۳ میں ہے۔

دونوں سے بہت ناخوش ہوئے اور حضرت سعدؓ کو کوفہ سے مدینہ بلا لیا۔[1]
یہ ۲۶ھ کا واقعہ ہے۔

۲۵۔ حضرت عثمانؓ (خلیفۂ وقت) اطاعت

حضرت عثمانؓ نے آپ کا قرآن آپ سے طلب کیا آپ نے اختلاف کیا اور دلی رنج کا بھی اظہار کیا۔ مگر امیر کے حکم کی تعمیل میں اختلاف المسلمین کے فتنہ کو روکنے کے لئے آپ خاموش ہو گئے قرآن پر عمل عادت اس قدر مستحکم ہو گئی تھی کہ آپ نے امیر المومنین کے حوالگی مصحف کے حکم کی تعمیل کی گو کہ اپنے مصحف کا برباد کرنا طبع لطیف پر بیحد شاق تھا اور آپ نے حضرت عثمانؓ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر جب حکم باقی رکھا گیا تو اس کی تعمیل کی اس سلسلہ میں حضرت عبداللہؓ کو سخت کشمکش سے دوچار ہونا پڑا مگر نہایت کامیابی سے اس دشوار منزل سے گذر گئے۔

۲۹ھ کا واقعہ ہے کہ حج کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ نے منیٰ میں بجائے دو کے چار رکعتیں پڑھیں۔ چونکہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کی سنت کے خلاف تھا۔ اس لئے صحابہ میں بڑی بے چینی پھیل رہی تھی۔ عبداللہ بن مسعودؓ ابوذرؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ ایک طرف آپس میں اظہار تعجب اور افسوس کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان پر بار بار یہ فقرہ آ رہا تھا۔

حظی من اربع رکعات ۔۔۔ ان چار رکعتوں میں سے اللہ تعالیٰ میری
رکعتان متقبلتان۔ ۔۔۔ دو ہی رکعتیں قبول کرے۔

لیکن خلیفۂ وقت کی اطاعت کر ان کی دقیق ایمانی بصیرت ان تمام باتوں

---

[1] فتح الباری ص۲۲۹ طبری ص۲۸۱۱

پر ترجیح دے چکی تھی اگرچہ عثمان غنیؓ کے اس عمل پر ان کو تعجب ہوا اور زبان سے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا لیکن عمل میں انھوں نے خلیفہ کا اتباع ہی کیا یعنی خود بھی منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں ادا کیں اور جب لوگوں نے خصوصاً حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس پر حیرت ظاہر کی کہ آپ نے وہی کیا جو حضرت عثمانؓ نے کیا حالانکہ آپ اس پر اظہار ناپسندیدگی کر چکے ہیں تو حضرت عبداللہؓ کا جواب یہ تھا۔

الخلاف شر قد بلغنی انہ	اختلاف بری چیز ہے مجھ کو خبر ملی کہ حضرت
صلی اربعا فصلیت مع	عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی ہے تو
اصحابی اربعاً[1]	میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار رکعت نماز پڑھی۔

لوگوں نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کے سلسلہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی تنخواہ دو سال تک روک دی۔

۳۶۔ ولید بن عقبہ کی گورنری

حضرت عثمان غنیؓ کے آخری زمانہ میں کوفہ میں آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس طرح خلیفۂ وقت کی مخالفت کا بازار گرم ہو گیا تو حضرت عبداللہؓ کو بھی بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جن دنوں ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر تھے حضرت عبداللہؓ کی عدالت میں ایک ساحر اس الزام میں پیش ہوا کہ یہ امیر کو اپنی بازی گری دکھا رہا تھا۔ مقدمہ پیش کرنے والوں کا مقصد بازی گر کو سزا دلانے سے زیادہ والیٔ کوفہ کو بدنام کرنا تھا۔ والیٔ کوفہ سے ان لوگوں کے کد کی وجہ یہ تھی کہ ۲۹ھ

---

[1] طبری ص۵۲ جلد ۳

کے اواخر یا ۳۱ھ کے اوائل میں چند لوگوں نے ایک مکان میں نقب لگائی عین نقب کے وقت مالک مکان کی آنکھ کھل گئی اور معاملہ بھانپ کر اُس نے مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔ افشاء راز کے ڈر سے نقب زنوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اسی درمیان میں آواز سن کر کچھ لوگ آ چکے تھے، اُنھوں نے نقب زنوں کو پکڑ لیا۔ مقدمہ ولید بن عقبہ کے سامنے پیش ہوا۔ ولید نے ان کو حراست میں رکھنے کا حکم دیا اور واقعات حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجے۔ مالک مکان کے قتل کے جرم میں ان کو سزائے موت کا حکم آیا ولید بن عقبہ نے ان سب کو قتل کرا دیا۔ نقب زنوں کی اولاد اور دیگر عزیز و اقارب ولید سے انتقام لینے کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ اُنھوں نے ان کے خلاف مہم شروع کر دی اور اس مہم میں بہت سے ایسے مفسدین بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو گئے جو حضرت عثمانؓ یا ولید سے ذاتی عناد رکھتے تھے۔ وہ ساحر جو حضرت عبداللہؓ کی عدالت میں پیش ہوا تھا۔ پہلے ولید کے دربار میں لایا گیا تھا جسے یہ شہرت دی گئی کہ ولید نے اسے تماشہ دکھانے کی غرض سے بلایا تھا۔ ولید نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے ساحر ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کو مرعوب کرنے کے لیے وہ گدھے کی دُم میں گھسا اور منہ سے نکل آیا۔ ولید نے فیصلہ حضرت عبداللہؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ نے تفتیش کے بعد اس کے قتل کا فیصلہ دے دیا۔ درپے انتقام گروہ کی تشفی نہ ہوئی اور یہ مشہور کر دیا کہ ولید جادو کا تماشہ دیکھتا ہے اور یہ بات اپنی طرف سے گھڑ لی کہ ولید کو جادوگر سے کافی دلچسپی ہے اور وہ اس فتویٰ پر عمل نہ ہونے دیں گے۔ اسی گروہ کے ایک شخص جندب نے کوشش کی کہ ساحر کو مار ڈالے لیکن ناکام رہا اور گرفتار ہوا۔ جادوگر ہلاک طور پر زخمی ہو گیا۔ ولید نے پھر دربار خلافت میں اس واقعہ کی اطلاع دی اور پوچھا کہ جندب

کو کیا سزا دی جائے وہاں سے جواب آیا کہ جندب سے حلف لو کہ اس کو اس کا علم نہ تھا کہ جادوگر کے قتل کی سزا صادر ہو چکی ہے نیز وہ بیان کرے کہ اس کو اس کا یقین تھا کہ جادوگر کو سزا نہیں دی جائے گی۔ اس کے بعد اس کو مناسب سزا دی جائے اور لوگوں کو متنبہ کر دیا جائے کہ خیال و گمان کی بنیاد پر کچھ کر نہ گزریں اور نہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ مجرم اور قاتل کی تحقیق اور تحقیق کے بعد سزا دینا ہمارا کام ہے[1]

۲۷۔ ولید بن عقبہ کی ناراضی

ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خلافت کے اس جواب کی اطلاع کی حضرت عبداللہؓ نے اسی کے مطابق سزا نافذ کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے کہا۔ «لوگو آپ لوگوں کا عمل درست نہیں ہے کہ آپ محض شک و شبہ کی بنیاد پر ایسا کام کر گزریں جس سے حکام کے کاموں میں رکاوٹ ہو۔ مجرموں اور قاتلوں کو سزا دینا حکام کا کام ہے اس لیے آپ لوگ ایسے معاملات میں دخل نہ دیا کریں۔ یہ معاملہ تو اس طرح رفع دفع ہو گیا۔ لیکن مخالفین اور تنقید کرنے والوں کی تشفی نہ ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ کے پاس یہ شکایت پہنچائی گئی کہ ولید چھپ کر شراب پیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پوشیدہ عیوب کے تجسس کی اجازت نہیں۔ ولید نے سنا کہ میری شکایت کرنے والوں کو عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ جواب دیا ہے تو ناراض ہو کر انھیں بلوا بھیجا اور پوچھا کہ مجھ پر تہمت لگائی گئی ہے اس سے برات کی شکل کیا ہو سکتی ہے[2]۔ چونکہ میرا جرم تجسس کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور تجسس سے روکا گیا ہے اس لئے

---

[1] تاریخ الامم ۵/۶۱، [2] تاریخ طبری ص۲۸۵ [3] تاریخ طبری ص۲۸۴۵

سزا نافذ نہیں کیا جاسکتی لیکن میرے دامن کا داغ اس سے نہ دھلے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی مزید برآں ایک واقعہ اور ہوا۔ چونکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں حکام اور عاملین کو نہایت سادہ زندگی بسر کرنے

۱؎ اس کی شراب خوری کا ثبوت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت سے مل گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حد جاری کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگوائے (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الحدود)

ولید بن عقبہ ابی معیط حضرت عثمان کا اخیافی بھائی تھا۔ اس کی بہن حضرت اُمِ کلثوم کا اسلام کے لئے یہ جرأت مندانہ اقدام کہ وہ مسلمان ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تنہا آگئیں۔ ان کے دونوں بھائی واپس لینے آئے مگر وہ نہ گئیں تاریخ اسلام میں یہ ایک امتیازی واقعہ ہے۔

ولید کے حالات کے ضمن میں علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

ولقد کان من رجال قریش ظرفا وحلما وشجاعة وادبا وکان من الشعراء المطبوعین۔	بیشک وہ قریش کے مردوں میں اپنی خوش بیانی، بردباری، بہادری اور سلیقہ کے لحاظ سے (ممتاز) اور خوش گو شاعر تھا۔
کان الاصمعی وابو عبیدة وابن الکلبی یقولون کان شاعراً کریماً	مشہور ادیب اور لغوی اصمعی ابو عبیدہ اور ابن الکلبی کہتے ہیں کہ وہ بہت معزز شاعر تھا۔

اس کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

کان ولید بن عقبة فاسقا شریب خمر لغیلاء فی شرب الخمر و منادمة ابا زبید الطائی مشهور مذکوره	ولید بن عقبہ بدکار تھا، شراب کا رسیا تھا۔ شراب کے پینے کے سلسلے میں اس کے واقعات اور ابو زبید طائی (مشہور ادیب) کے ساتھ اس کی صحبت شراب

(باقی صفحہ ۷۵ پر)

کی تاکید تھی۔ کوفہ کے حاکم اعلیٰ ہونے کے باوجود ولید نے اپنے دروازہ پر کسی قسم کا پہرہ وغیرہ نہیں بٹھایا تھا۔ اس صورتِ حال سے مخالفین نے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور ایک روز جب کہ ولید بن عقبہ سویا ہوا تھا اُن کی انگلی سے سرکاری مہر والی انگوٹھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰)

بسمج بنا ذکر ما صھنا ولہ اخبار فیہا نکارۃ وشناعۃ تدل بقطع علیٰ سوء حالہ وقبح افعالہ غفر اللہ لنا ولہ ۔

زشی بہت مشہور ہے۔ اُس کا یہاں ذکر کرنا طبیعت کو گوارا نہیں اس کے اور بھی حالات ہیں جس میں اس کی شریعت سے دوری اور استخفاف ہے۔ یہ سب علامت یقیناً بتو تے ہیں کہ دین کے لحاظ سے اس کا حال اچھا نہ تھا اور اس کے افعال بہت بُرے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور اس کی مغفرت کرے۔

پھر یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

صلی باھل الکوفۃ صلاۃ الصبح اربع رکعات ثم التفت الیہم فقال ازیدکم فقال عبد اللہ بن مسعودؓ مازلنا معک زیادۃ منذ الیوم

کوفہ میں اس نے صبح کی نماز میں چار رکعتیں پڑھا دیں نماز کے بعد وہ نمازیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے نماز میں اضافہ کر دیا ہے عبداللہ بن مسعودؓ نے (طنزاً) فرمایا کہ جب ہم تیرے ساتھ ہیں ہم کو آج تک ترقی ہوتی رہی ہے۔

اس واقعہ پر ابن عبد البر اپنی یہ رائے لکھتے ہیں:۔

ھذا مشھور من روایۃ الثقات من

یہ واقعہ ثقہ روایتوں کے ذریعہ سے نقل ہوتا گیا ہے

(باقی صفحہ ۷۲ پر)

اتارے گئے اور سب کو دکھا کر یہ مشہور کیا کہ ولید شراب کے نشہ میں مدہوش تھا اسی حالت میں ان کی انگلی سے یہ انگوٹھی نکال لی گئی اور اس کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ یہ ایک ایسی گرفت تھی جس کے بعد حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ جیسے

(بقیہ صفحہ ۷۵)

نقلۃ اہل الحدیث واہل الاخبار۔

ان میں محدثین بھی ہیں اور مورخین بھی

امام مسلمؒ ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ قیمتول نے کتاب الحدود میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں بھی لکھتے ہیں۔

ان الولید کان یشرب الخمر وحُدّ علی شرب الخمر

ولید شراب پیتا تھا اور شراب پینے کے سلسلہ میں اس پر حد جاری کی گئی۔

علامہ ابن عبد البر قمطراز ہیں۔

ولاخلاف بین اہل العلم بتاویل القرآن فی ما علمت ان قولہ عزّ وجل ان جاءکم فاسقٌ بنبأ فتبیّنوا نزلت فی الولید بن عقبۃ وذٰلک انہ بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٰی بنی المصطلق مصدقا فاخبر عنھم انھم ارتدوا وابوا عن اداء الصدقۃ وذٰلک انھم خرجوا الیہ فھابھم ولم یعرف ما عندھم

تمام علماء اس آیت کی تفسیر میں بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ان جاءکم فاسق بنبأ میں فاسق سے مراد یہ ولید بن عقبہ ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا اس نے وہاں سے واپس آکر جھوٹی خبر دی کہ نعوذ باللہ وہ مرتد ہوگئے ہیں اور انھوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ بنی مصطلق کو خبر ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

زیرک و صاحب فراست انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ مخالفین کی بات کو صحیح سمجھیں یا ولید نے جو زمینہ کا عذر بیان کیا ہے اس کو سچ باور کریں پھر بھی آپ نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲

فانصرف عنهم واخبر بما ذكر فبعث اليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم خالد بن وليد وامره ان يتثبت فيهم فاخبروه انهم متمسكون بالاسلام ونزلت يايها الذين آمنوا ان جاءكم فاسق بنبإ فتبينوا الاية.

بھیجا ہوا عامل آرہا ہے۔ وہ سب کے سب اس کے استقبال کے لئے نکلے (اس زمانہ میں قاعدہ یہی تھا کہ جس کی عزت کرتے اپنے علاقے سے باہر اکر مکمل ہتھیاروں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے) ولید نے جب فوج کی فوج کو آتے دیکھا تو ڈر گیا۔ ان کے ارادوں کا اس نے پتہ نہیں چلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مخبوری پھر حضور صلی اللہ علیہ نے خالد بن ولید کو روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ تحقیق کا پہلو میں تو انھوں نے آکر بتایا کہ وہ اسلام پر خصوصی سے قائم ہیں اس کے بعد آیتِ بالا نازل ہو۔

یہ بات مفسر واحدی نے اسباب النزول میں اور اپنی تفسیر الوسیط میں بھی نقل کی ہے معین المعانی تفسیر قرطبی تفسیر عبد الصمدی، لغتی تفسیر ابن الجوزی تفسیر مفاتیح الغیب فخر الدین رازی میں بھی نقل ہے۔ اس شانِ نزول کے سوا کوئی دوسری شانِ نزول کسی کی نہیں ہے[۲]

---

[۱] استیعاب ص۶۰۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف

[۲] الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم علامہ ابی عبد اللہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی ص۱۵۸ و مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ۔

نی زکاوت سے مخالفین کو ٹالا آپ ولید کی ہم نوائی سے مجبور تھے۔ ولید آپ سے ناراض ہو گیا آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اس کے بعد بیت المال سے ایک وکھ۔ دہم چوری ہو گئے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳،

قال الوليد لامير المومنين علي رضي الله عنه انا احد منك سنانا وابسط منك لسانا واشجع منك جنانا فقال له اسكت فانما انت فاسق فنزلت افمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا والذهبي وقال اسناده قوي.

ولید نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نیزہ آپ سے زیادہ تیز ہے اور میری زبان آپ سے زیادہ چلتی ہے اور دل کے لحاظ سے آپ سے زیادہ بہادر ہوں حضرت نے فرمایا چپ رہو تم بڑے فاسق ہو تو یہ آیت نازل ہوئی تھی افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا۔ ذہبی نے اس کی سند کو قوی بتلایا ہے۔

ڈاکٹر احمد امین فجر الاسلام میں لکھتے ہیں۔

بل كثير من شبان بني اميه و بعض شباب بني هاشم كانوا يعيشون عيشة هي الى الجاهلية اقرب منها الى الاسلام شراب وصيد وغناء كيزيد بن معاوية وصحبه ان شئت فاقرأ سيرة الوليد بن عقبة الاموي كان من فتيان قريش وشعرائهم

بنی امیہ کے بہت سے نوجوان اور بنی ہاشم کے بعض نوجوانوں کی بود و باش اسلام کی بجائے کفر سے قریب تر تھی۔ ان کے مشاغل شراب خوری، شکار بازی اور گانا بجانا تھے، یزید بن معاویہ اور اس جیسے لوگوں کو ہی دیکھ لو۔ اگر تم چاہتے ہو تو ولید بن عقبہ کی سیرت پڑھ لو تو جان لو گے، وہ قریش کا بہیر لور ان کا بڑا شاعر تھا اور بڑا بہادر و رحم تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ کا گورنر رہی ہو، تم اس کو کھلم کھلا پیدا کیے گئے

۲۸۔ حضرت عبداللہ کی کوفہ سے مدینہ کو واپسی

آپ کی مدینہ کو واپسی کے سلسلے میں مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے اختلاف پر حضرت عثمانؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ ناراض ہو گئے تھے

(بقیہ صفحہ)

وشجعانهم واجوادهم ولي	کہ اسلام نے اس میں انقلاب نہیں کیا تھا اور
للكوفة لعثمان ترثيبا لما لم يكن	بہت کثرت سے شراب چلتا تھا۔ اس میں
فيها الاسلام كثير ايتهاث في	قدیم مشرکین جیسی سخاوت بھی تھی اور خاندانی
الشراب ۔۔۔۔ الى غير ذلك	حمیت بھی۔
من كرم جاهلي وعصبة جاهلية	

اگر تفصیل چاہیں تو الاغانی جلد ۴ ص ۱۷۵ سے ص ۱۹۰ تک پڑھ جائیں اور جلد ۱۲ ص ۴۹۱ میں بھی اس کا حال ہے۔

ولید ابن عقبہ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے کوفہ کی گورنری کا چارج لیا تھا۔

جب وہ کوفہ پہنچے تو حضرت سعدؓ نے فرمایا۔

والله ما ادري اكست بعدنا	خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ ہمارے مدینے کے چلے جانے
ام حمقنا بعدك ۔	کے بعد تو فرزانہ ہو گیا [illegible] بعد ہم احمق ہو

اس نے جواب میں کہا۔

لا تجزعن يا ابا اسحق فانما هو	اے ابو اسحق (کنیت حضرت سعدؓ) آپ گھبرائیے
الملك يتغداه قوم ويتعشاه	نہیں یہ تو حکومت ہے دن میں ایک
آخرون ۔	قوم ناشتہ کرتی ہے تو شب میں دوسری قوم کھانا کھاتی ہے۔

اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا۔

اراكم والله ستجعلون	مجھ کو اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اس خلافت کو
ملكا ۔	ملوکیت بنا کر چھوڑو گے۔

مگر یہ علمی نقطۂ نظر کے اختلاف کی بناء پر تھی۔ حضرت عثمانؓ کی نگاہ میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی چنانچہ متعدد گورنروں کے بدلنے کے باوجود آپ اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ لیکن جب اندرونی سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا سلسلہ بڑھا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں آپ کو بہ تقاضۂ سے معزول کر دیا۔ یہ خبر جس وقت کوفہ پہنچی تو امیرالمومنینؓ کے خلاف وہاں کے لوگوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ احباب وشاگردوں نے اس پر احتجاج کیا اور بعض نے محسوس کیا کہ وہ اہل کوفہ بلاوجہ اپنے علمی محسن اور دین کے مربی سے محروم کئے جا رہے ہیں۔

آپ کے عقیدت مندوں، احباب اور شاگردوں نے چاہا کہ امیرالمومنینؓ کے اس فرمان عزل کی آپ تعمیل نہ کریں اور اپنے فرائض انجام دیتے رہیں اگر خلیفہ کا عتاب ہوگا تو وہ سب کے سب آپ کے سپر بن جائیں گے۔ مگر حضرت عبداللہؓ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ نہ ذاتی اغراض نے ان کا دامن تھاما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵)

اس کے گورنر ہونے پر خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اسی طرح تعجب ہوا جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ہوا تھا چنانچہ آپ نے اس کے گورنر ہو کر آنے پر پوچھا۔

ماجاء بك ـــ تم کیسے آئے!

اس نے کہا۔

جئت اميرا ـــ میں گورنر بن کر آیا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی وہی بات فرمائی جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کہی تھی۔ صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

ما ادری: اصلحت بعدنا ام فسد الناس۔ ـــ پتہ نہیں کہ ہمارے مدینہ چھوڑنے کے بعد تم نے اپنی اصلاح کرلی ہے یا دنیا ہی فساد کے رخ پر پڑ گئی ہے۔

"

اور نہ اقتدار کی ہوس نے ان پر کمند پھینکی۔ اپنے حامیوں کی کثرت کے باوجود ان کو ناگوار بلکہ ناراض کرنا گوارا کر لیا۔ مگر امیر کے حکم سے سرتابی نہ کی۔ حضرت عبداللہؓ نے اس درخواست کو قبول نہیں کیا اور مخالفت امیر کا وبال اپنے سر لینا کسی طرح منظور نہیں کیا۔ کیونکہ وہ امیر کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سمجھتے تھے۔ اور چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اس نافرمانی سے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ وہ نہ عہدہ کے متمنی تھے اور نہ عہدہ کی وجہ سے وقار کے طالب۔

اپنی خدمت پر قائم رہنا آپ نے کسی طرح منظور نہیں کیا اور کہا کہ امیر المومنینؓ کی اطاعت مجھ پر فرض ہے نہیں چاہتا کہ فتنہ و فساد سے جو دنیا بھر جانے والی ہے اس میں میری شرکت کا شائبہ بھی ہو۔ غالباً یہ امر بھی ان کے پیش نظر ہوگا کہ ایک عالم کے خدمت گزار کے لئے اس سے زیادہ شکر کا موقع کیا ہوگا کہ اس کو حکومت کے کاموں سے فرصت میسر آجائے اور یکسوئی کے ساتھ وہ علم و دین کی خدمت میں لگ جائے۔ چنانچہ آپ عمرہ کی نیت کر کے اپنے شاگردوں اور معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ حجاز روانہ ہو گئے یہ تو اس عالم اسباب کے واقعات ہیں اور در حقیقت قرب نبیؐ کی کشش آپ کو مدینہ کھینچ کر لا رہی تھی۔

اس زمانے میں امیر کی اطاعت کی یہ بڑی عمدہ مثال ہے اس کی نظیر ان ہی جیسے عالی مرتبہ صحابہؓ کی زندگی میں آپ کو ملے گی۔ ابھی آپ نے پڑھا کہ فاتح عراق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عثمانؓ کا فرمان ملتے ہی گورنری چھوڑ دی۔ بغیر کسی مزاحمت کے مدینہ چلے آئے۔ صحابہ میں اس قسم کے مطیع الامر حضرت ابوذرؓ بھی تھے۔ حضرت ابوذرؓ کو آپ سے خاص مناسبت تھی۔ اسلام لاتے ہی انھوں نے توحید کا اعلان مشرکین مکہ کے سامنے اسی طرح کیا جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے

بیت اللہ کے پاس جرأت اور ہمت سے کام لے کر مشرکین کو قرآن سنایا تھا[1]۔ مشرکین نے حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جو سنگدلانہ برتاؤ کیا تھا اسی نقاد کا برتاؤ حضرت ابوذرؓ کے ساتھ کیا[2]۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوذرؓ کا اپنے عہدوں کو چھوڑنا کسی کمزوری اور بے بسی کی وجہ نہ تھا بلکہ آخرت ان کے پیش نظر تھی۔ وہ امیر کی نافرمانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سمجھتے تھے۔ ان حضرات کی نظر میں دنیا زندگی گذارنے کا ایک راستہ تھی، منزل نہ تھی۔ اس لئے یہ لوگ اپنے عہدوں کو اپنی زندگی کا مقصد نہ سمجھتے تھے کہ ان کے چھوڑنے سے ان کے دل کو کچھ قلق ہو۔ یہ تو آپ کی مدینہ کو واپسی کے اسباب میں عام مؤرخین کا بیان ہے لیکن اعمش عبداللہ بن سنان سے روایت کرتے ہیں کہ ولید کی گورنری کے زمانہ میں ایک دن کوفہ کی مسجد میں حضرت عبداللہؓ نے اعلان کیا اے اہل کوفہ! آج میں تمہارے بیت المال سے ایک لاکھ درہم کم پاتا ہوں جس کے متعلق میرے پاس امیر المومنین کا کوئی حکم نہیں ہے اور نہ جس کی ذمہ داری سے امیر المومنینؓ نے مجھ کو بری اور سبکدوش کیا ہے۔ ولید نے اس کی اطلاع مدینہ کر دی اس پر حضرت عثمانؓ نے بیت المال کی نگرانی سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور مدینہ بلا لیا۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؓ نے یہ سمجھ لیا کہ اہل کوفہ نے شرارتاً آپ کو بدنام کرنا چاہا ہے۔ لہٰذا آپ کو مدینہ بلوا لیا[3]۔ اور شاید اس صدمہ سے آپ بہت بیمار ہو گئے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

---

[1] اصابہ [2] کتاب المناقب بخاری اسلام ابی ذرؓ

[3] فتح الباری ج ۳ ص ۲۱۸۔

۲۹. حضرت ابوذرؓ کی آخری خدمت

حضرت ابوذرؓ کو صحابہ میں یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ بہت صاف گو تھے اور برملا نصیحت کرتے تھے۔ دُنیادی مصلحت بینی سے بہت دُور تھے۔ آپ کی افتادِ طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا تھا۔

حدثنی ابوذرؓ قال رسول اللہ	جب مدینہ شریف کی آبادی سلع تک پہنچ
صلی اللہ علیہ وسلم اذا بلغ البناء	جائے تو تم شام چلے جانا چنانچہ جب مدینہ کی آبادی
بالمدینہ سلعاً قدمت الشام	سلع تک بڑھ گئی تو آپ شام تشریف
فکنت بھا فذکر الحدیث نحوہ[۱]	لے گئے۔

شام میں آپ کے کھرے کھرے پند و نصائح سے شام کے عوام اور حضرت معاویہؓ میں سخت اختلاف ہو گیا۔[۲] جس پر ان کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ منورہ بلوا لیا۔ یہاں بھی ان کی حق گوئی اور پند و نصیحت کو لوگ برداشت نہ کر سکے اور ایسی صورت حال ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں مدینہ چھوڑ کر کہیں اور سکونت اختیار کرنے کے لیے کہا آپ نے اپنے لیے ربذہ پسند فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی اور آپ کے وہاں جانے اور رہنے سہنے کا سامان مہیا کر دیا۔[۳] آپ آخرِ عمر حیات تک اپنی بیوی اور لڑکی کے ساتھ وہیں رہے۔ تا این کہ ۳۲ھ میں آپ بیمار پڑے اور بیماری نے طول کھینچا اور آپ کافی کمزور ہو گئے۔ ربذہ

---

۱ عقد الفرید ج ۵ ص ۵۴ العسجدۃ الثانیہ

۲ عقد الفرید ج ۵ ص ۵۴ العسجدۃ الثانیہ

۳ فتح الباری کتاب الزکوٰۃ باب ما ادی زکاۃ فلیس بکنز ۱۲۰

ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ حج کے موسم کی وجہ سے جو تھوڑے بہت لوگ یہاں
رہتے تھے وہ بھی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوذرؓ کی بیوی یہ دیکھ کر کہ آپؓ
کی زندگی کا وقت بہت کم رہ گیا ہے اور گاؤں کے لوگ حج کو چلے گئے ہیں
ان کے واپس ہونے میں دیر ہے میں اور میری بیٹی اس جاں گداز واقعہ کو کس
طرح برداشت کریں گی اور کفن دفن کے فرض سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گی
اس رنج و فکر سے آپ رونے لگیں۔ آپ نے نہایت ہی اطمینان و سکون سے
ان سے کہا کہ تم مطلق فکر نہ کرو۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک جماعت سے جس میں میں بھی تھا یہ فرمایا کہ تم میں ایک شخص سنسان
وادی میں مرے گا لیکن اس کے جنازہ میں مسلمانوں کا ایک معزز گروہ شریک
ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبوں میں جتنے لوگ تھے
وہ سب کے سب انتقال کر چکے۔ صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ اس سنسان
وادی میں ضرور ایک معزز گروہ آئے گا تم سڑک پر جاؤ اور دیکھو کہ کون لوگ آ رہے
ہیں انھوں نے جواب دیا کہ آج آٹھ ذی الحجہ ہے حج کا موقع آگیا ہے جس کو
مکہ پہنچنا تھا وہ مکہ پہنچ چکا راستہ بالکل سنسان پڑا ہے۔ ابوذرؓ نے کہا حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو فرمایا تھا وہ ہو کر رہے گا تم سڑک پر جا کر دیکھو
ضرور بالضرور کچھ لوگ میرے جنازے میں شرکت کے لئے آ رہے ہیں بیوی
کہتی ہیں کہ میں راستے پر چلی گئی دیکھتی کیا ہوں کہ ایک قافلہ چلا آ رہا ہے۔ قافلہ
والوں نے دیکھا کہ میں سرِ راہ بڑی پریشانی میں کھڑی ہوں ان لوگوں نے اپنے
اونٹ روک دیئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ آپ پر کیا مصیبت پڑی آپ
یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ایک مسلمان کا آخری وقت ہے
خدا کے واسطے اس کے کفن دفن کا سامان کیجیے اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن

بھی نہیں۔ خدا کے یہاں آپ لوگ اجر پائیں گے۔ قافلہ والوں نے پوچھا وہ کون آدمی ہے۔ جواب ملا کہ ابوذرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سن کر قافلہ والوں میں ایک شور برپا ہو گیا اور وہ سب بیک آواز بولے: ان پر ہمارے باپ ماں قربان! سب نے سواریوں کو کھڑا کر دیا۔ اور روتے ہوئے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے۔

جب حضرت ابوذرؓ نے اپنی بیوی کو قافلہ والوں کی تلاش میں بھیجا تو اپنی صاحبزادی کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت چولہے پر چڑھا دو کیونکہ گھر میں مہمان آ رہے ہیں۔ آپ نے اپنی بیٹی کو تاکید کی جب وہ مجھے دفن کر چکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ کو قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کھانا نہ کھا لیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں[1]۔ صاحبزادی نے حسب الحکم ایک بکری ذبح کی اور اس کا گوشت چولہے پر چڑھا دیا۔

اہل قافلہ یمن کے قبیلہ نخع کے افراد تھے۔ جب وہ خیمہ میں آئے تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کاش میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے جو میرے کفن کے کام آتے۔ اب جو شخص مجھے کفن دے خدا کی قسم وہ کبھی کا والی نہ ہو اور نہ ہی سرکاری ڈاکیہ ہو۔ اس جماعت میں ایک انصاری نوجوان بھی تھا وہ بے اختیار بول اٹھا مجھ میں آپ کی پیش کردہ ساری شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ میرے پاس دو چادریں ہیں جس کا سوت میری ماں نے کاتا ہے ایک چادر میرے بدن پر ہے یہ ملکر تین کپڑے کفن کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تم نے میرے دل کی گرہ کھول دی، اس کے بعد ابوذرؓ نے کہا میرا رخ قبلہ کی طرف

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۰

کردو۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور اس کے جلد ہی بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ان لوگوں نے آپ کو غسل دیا اور اس انصاری نوجوان نے کپڑے نکال کر دئے۔

یہاں تک تو کفن وغسل کا سامان تھا جو اللہ تعالیٰ نے مومن کی آرزو کے مطابق بہم پہنچا دیا اب دیکھئے اس شخص کی نماز جنازہ کا کیا نظم فرماتا ہے جس کے غسل وکفن کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

انھوں نے جنازہ اٹھا کر سڑک کے کنارے رکھ دیا اتنے میں کیا دیکھتے ہیں معلم الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مع اپنے شاگردوں کے احرام باندھے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ چونکہ آپ کو اپنے قدیم دوست اور رفیق حضرت ابوذرؓ کا آخری حق ادا کرنا تھا اس لئے حضرت ابن مسعودؓ عین اس وقت ربذہ پہنچے جب حضرت ابوذرؓ کا جنازہ لب سڑک رکھ دیا گیا تھا۔ یوں سرِ راہ جنازہ دیکھ کر آپ اور آپ کے ساتھی ٹھٹک گئے اور انھوں نے اپنے اونٹوں کو روک کر پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ اس پر اہلِ یمن کی جماعت نے بتایا کہ یہ حضرت ابوذر غفاریؓ صحابیٔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے۔

ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ آپ نے یہ سنتے ہی ایک چیخ ماری اور دیوانہ وار اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ آپ روتے جاتے تھے اور وارفتگی کے عالم میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

میرے دوست میرے بھائی! مبارک ہو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذرؓ اکیلا چلتا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا۔[۱]

---

[۱] مستدرک حاکم میں وفات ابوذرؓ کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ نے جو مفصل واقعہ نقل کیا ہے اس میں یہ ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں پیچھے حاضر ہوئے لوگوں نے حضور کو خبر دی کہ

(باقی صفحہ ۸۳ پر)

لوگوں نے ابن مسعودؓ سے جنازہ کی نماز پڑھانے کی درخواست کی جنازہ
پڑھی گئی۔ اس کو حضرت ابوذرؓ کی خوش قسمتی کہا جائے کہ جنازہ کی نماز کے امام
وہ شخص ہیں جس کی مرضی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی فرمایا جس کے
علم پر اعتماد کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور صف میں وہ جماعت تھی جس کے
مسلمان ہونے کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی یا اس کو
عبداللہ بن مسعودؓ کی خوش قسمتی کہا جائے کہ وہ ایسے جلیل القدر صحابی اور قدیم
رفیق کا آخری فرض ادا کر کے سبکدوش ہوئے۔ تاریخ نے آپ کے جنازہ
میں شرکت کرنے والوں کے نام محفوظ رکھے ہیں ان میں سے ایک اہلیین
کا قافلہ تھا جس میں نخعی قبیلے کے لوگ تھے۔ دوسرا قافلہ حضرت عبداللہ بن
مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا تھا۔

نماز جنازہ کے بعد حضرت ابوذرؓ کو دفن کیا گیا۔ دفن کے بعد عبداللہ بن
مسعودؓ اپنے رفیقوں کے ساتھ تعزیت کے لئے خیمہ میں آئے۔ بیوی صاحبہ
اور صاحبزادی صاحبہ کو تسلی کے کلمات کہے۔ خود سنبھلے اور ان کو بھی سنبھالا۔
جب تھوڑا سا سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادہ سے اٹھے حضرت ابوذرؓ
کی صاحبزادی نے پوچھا کہاں تشریف لے چلے۔ والد صاحب نے وصیت
کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں سوار نہ ہوں

(بقیہ حاشیہ ص۸۲) ایک شخص اکیلا چلا آرہا ہے اس وقت آپ نے فرمایا تھا کن اباذر جب
ابوذر قریب پہنچے تو لوگوں نے آپ کی تصدیق میں فرمایا۔ ہو ابوذر اس وقت آپ نے یہ دعا دی۔
رحم اللہ اباذر یمشی وحدہٗ و یموت وحدہٗ و یبعث وحدہٗ نیز تاریخ طبری واقعات
۳۲ھ ص ۲۹۹، ص ۳۰۰، طبع یورپ۔ سیرۃ ابن ہشام ۱۲۔

لے مستدرک۔ ج ۳، ص ۵

اُنھوں نے اپنی زندگی ہی میں بکری کو ذبح کرکے پکانے کا حکم دیا تھا۔ جو پک کر تیار رکھی ہوئی ہے یہ کہہ کر گوشت ان لوگوں کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ حضرت عبداللہؓ یہ سُن کر حیران و ششدر رہ گئے کہ مرنے والے نے مرتے مرتے بھی متوقع مہمانوں کی ضیافت کا سامان تیار کر دادیا تھا بہرحال ایسی حالت میں کھایا تو کیا جاتا البتہ اپنے دوست اور بھائی کی آخری وصیت و خواہش اور یتیم بچی اور بیوہ خاتون کی دلداری کی خاطر چند ٹکڑے کسی طرح حلق سے نیچے اُتارے اور مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی حضرت عثمانؓ کو یہ سُن کر سخت صدمہ ہوا اور بجائے اصلی راستہ کے آپ سیدھے ہوتے ہوئے مدینہ لوٹے۔ ربذہ میں آپ نے پسماندوں کی تعزیت کی۔ قبر پہ مغفرت کی دُعا کی اور سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔ طبری ہی کی دوسری روایت ہے کہ خود حضرت عبداللہؓ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لیتے گئے اور وہاں جاکر حضرت عثمانؓ کی کفالت میں دے دیا۔

۴۰۔ علالت

عمرہ سے فارغ ہو کر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ ۳۲ھ میں جب آپ کی عمر لگ بھگ ساٹھ برس کی ہوئی ایک روایت میں ستر کی عمر تھی تو ایک روز ایک شخص نے آکر کہا کہ خدا مجھے آپ کی زیارت سے محروم نہ کرے میں نے کل رات ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ حضورؐ کے سامنے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرما رہے ہیں کہ ابن مسعودؓ! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی آؤ میرے پاس چلے آؤ۔ یہ سُن کر فرمایا کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے اس شخص نے کہا واللہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ تب آپ نے فرمایا: شاید تم

میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے۔ یہ خواب سچا ثابت ہوا چند ہی روز بعد آپ علیل ہوئے اور بیماری بڑھی اور لوگ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ عیادت کے لئے تشریف لائے اور بیمار پرسی کی۔ جب علاج کے لئے اصرار کیا تو آپ نہ مانے دو برس سے وظیفہ بند کر رکھا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے وظیفہ جاری کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں خود نہ رہوں گا تو وظیفہ کس کام آئے گا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ میری بچیاں دست نگر ہو جائیں گی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ تلاوت کرے گا تو اسے فاقہ نہ ہوگا میں نے اپنی بچیاں کو تاکید کر دی ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔[1]

حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی عیادت سے مقصد لوگوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ حضرت عبداللہؓ سے ان کی صلح صفائی ہے اور اب کوئی ناچاقی نہیں رہی چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے کہ دونوں بزرگوں کے دل ایک دوسرے سے صاف ہو چکے تھے۔

---

[1] علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد تنخواہ لینی خود چھوڑ دی تھی (سیر اعلام النبلاء ص ۳۵۵) یہ بات آپ کی اس تمنا سے بالکل مطابقت رکھتی ہے جس کا اظہار آپ کی اس دعا سے ہوتا ہے اللھم وسع علی فی الدنیا وزھدنی فیھا ولا تزوھا دتر غبنی فیھا اے اللہ دنیا میں مجھے وسعت عطا فرما اور مجھے بے رغبت بنا دے یعنی اس کی حرص باقی نہ رہے اور رغبت کے باقی رہتے ہوئے دنیا کو مجھ سے نہ چھین ڈال واعظ الزہد العقد الفرید ج ۳ ص ۱۶۹، [2] طبقات ق ۱۔ ج ۳ ص ۱۴

وقال قائل صلى عليه عثمان بن عفان واستغفر كل واحد منهما لصاحبه قبل موت عبد الله قال وهو اثبت عندنا ان عثمان بن عفان صلى عليه۔

بیان کرنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور ہر ایک نے دوسرے کے قصور کو معاف کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ کے انتقال سے پہلے کا قصہ ہے اور یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

۴۱۔ وصیت

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یقین ہو گیا کہ اب جلد ہی وہ اپنے رب سے جا ملیں گے تو انھوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنی اولاد، مال اور تجہیز و تدفین کے متعلق چند وصیتیں کیں۔ مال کے بارے میں عروہ فرماتے ہیں۔

ان عبد الله بن مسعود اوصى الى الزبير وقد كان عثمان حرمه عطاءه سنتين فاتاه الزبير فقال ان عياله احوج اليه من بيت المال فاعطاه عطاءه عشرين الفا او خمسة و عشرين الفا۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت زبیرؓ کو اپنا وصی بنایا۔ حضرت عثمانؓ نے دو سال سے ان کا وظیفہ نہیں دیا تھا ان کے انتقال کے بعد حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ان کے بال بچوں کو ان کا رکا ہوا وظیفہ پہنچ جائے۔ یہ زیادہ مناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ بیت المال میں وہ رکھا رہے۔ تو حضرت عثمانؓ نے بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم ان کا رکا ہوا وظیفہ دے دیا۔

۱؎ طبقات ق ا ج ۳۔

اولاً تو ان دونوں حضرات کے درمیان ایسی کوئی تلخی تھی ہی نہیں اور بالفرض اگر تھی بھی تو وہ حضرت عبداللہؓ کی وفات سے پہلے ختم ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت عثمانؓ نے بلا تامل سارا وظیفہ آپ کے ورثا کو دے دیا۔ کفن کے متعلق آپ نے یہ وصیت کی تھی۔

ان ابن مسعود اوصی ان یکفن فی حلۃ بمأتی درھم[1] حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی وصیت کی تھی کہ دو سو درہم کے کپڑوں کا کفن دیا جائے۔

۴۲۔ انتقال و تدفین

ابو عبیدہؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ نے اپنے دفن کے متعلق یہ وصیت کی تھی۔

ادفنونی عند قبر عثمان بن مظعون مجھ کو عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کرنا

اسی وصیت کے مطابق آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس سپرد خاک کیا گیا جنازہ کی نماز جمعرات کے دن ۳ رجمادی الاول ۳۲ھ کو ہوئی رضی اللہ عنہ۔ نماز جنازہ کے متعلق آپ کی وصیت یہ نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت عمارؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہا تھا لیکن مستند اور صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اگرچہ بعض اصحاب سیر نے دونوں بزرگوں کی آپس کی رنجش کے قیاس پر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی وفات کی خبر حضرت عثمانؓ کو دینے سے منع کر دیا تھا، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر نہیں دی گئی اور جنازہ کی نماز عمار بن یاسرؓ نے پڑھائی۔ یہ روایت بے بنیاد ہے۔

---

[1] طبقات ق ۱ ج ۳ ص

اور صحیح یہی ہے کہ عثمانؓ نے ہی جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ابن سعد[1] نے اس روایت کی صحت پر زور دیا ہے۔ آپ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ستر برس سے کچھ زیادہ ہی عمر پائی۔

۴۳۔ بیویاں

حضرت زینب بنت عبداللہ بن معاویہ ثقفیہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ کی بیویوں کے سلسلہ میں علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں رابطہ یا رائطہ ایک نام اور لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ ابن سعد آپ کی دو بیویاں بتلاتے ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ مؤخرالذکر آپ کی جاریہ ہوں جن کے ام ولد ہونے کی وجہ سے ان کا شمار بیویوں میں کیا گیا ہے یہ بھی روایت ہے کہ وہ دستکاری جانتی تھیں اور دستکاری کے ذریعہ کچھ آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔

۴۴۔ اولاد

تین لڑکے۔ عبدالرحمٰن۔ عتبہ، ابو عبیدہ المعروف بہ ابن الفقیہ۔ ایک لڑکی سارہ[2] تھیں۔ عبدالرحمٰن کے دو لڑکے تھے القاسم اور معن۔ عتبہ بن عبداللہ کی اولاد میں ابو عمیس مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہؓ ۲۰ھ میں کوفہ آئے اور اسی سال عبدالرحمٰن بن عبداللہ پیدا ہوئے۔ جب ۲۰ھ آپ کا سال ولادت ہے تو ۳۲ھ میں آپ کی عمر ۱۲ سال ہوتی ہے بعض علماء نے سنہ وفات ۳۳ھ بتایا ہے

---

[1] طبقات ابن سعد حالات ابن مسعودؓ۔

[2] سیر اعلام النبلاء، ص ۳۴۲ سیر اعلام النبلاء میں یہ بیان ملتا ہے۔

اس حساب سے آپ سولہ سال کے ہوتے ہیں۔ جو محدثین یہ لکھتے ہیں۔ قال یحیٰی بن سعید مات عبداللہ و عبدالرحمٰن ابن ست سنین او نحوہا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے! شاید ان کا ذہن، آپ کے چھوٹے بھائی ابو عبیدہ جو آپ کی وفات کے وقت صرف چھ سال کے تھے کی طرف منتقل ہو گیا چنانچہ صاحب تہذیب التہذیب امام بخاریؒ سے تاریخ صغیر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

لما حضر عبداللہ الوفاۃ قال	جب حضرت عبداللہؓ کی وفات کا وقت قریب
لہ ابنہ عبدالرحمٰن یا ابت	ہوا تو ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے عرض
اوصنی قال ابْكِ علی خطیئتك	کیا کہ مجھ کو وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا اپنے گناہوں
مات سنہ ۳۵ھ۔	کو رو۔ ۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آگے آ رہا ہے کہ ان کے صاحبزادے ابو عبیدہ نے بھی یہی درخواست اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کی تھی۔

محدث عجلی کہتے ہیں۔

یقال انہ لم یسمع من ابیہ	صرف ایک بات اپنے والد سے سنی کہ حلال
الا حرفا واحدا محرم الحلال	کو حرام کرنے والا ویسے ہی گناہگار ہے
کمستحل الحرام۔	جیسے حرام کو حلال کرنے والا۔

معاویہ بن صالح، ابن معین سے نقل کرتے ہیں۔ سمع من ابیہ اسی طریقہ پر امام ترمذیؒ کا یہ کہنا لم یسمع من ابیہ شیئا تعجب میں ڈالنے والا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے پوچھا "ھل سمع ابو عبیدۃ من ابیہ

۱۔ سبابہ اما مسالمبذوه ... یہ بیان ملقزکا ہے۔

شیئاً یہ تو انھوں نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے ۔ قال یقال انہ لم یسمع"
اس سے ان کا سماع ثابت نہیں۔

اس پر ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے یہ روایت بیان کی۔

عربی	اردو
فان حدثنا عبدالواحد بن زیاد یروی	عبدالواحد بن زیاد ابومالک اشجعی سے روایت
عن ابی مالک الاشجعی عن عبد اللہ	کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن ابی ہند ابوعبیدہ سے
بن ابی ھند عن ابی عبیدۃ قال	روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ
خرجت مع ابی لصلاۃ الصبح	صبح کی نماز کو گیا۔

تو ابو حاتم نے جواب دیا۔

فقال ابی ما ادری ما ھذا؛ وما ادری عبد اللہ بن ابی ھند من ھو؟

یہ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں نقل فرماتے ہیں۔ اب ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل چھپ گئی ہے اس میں صاف لکھا ہے "ابوعبیدۃ سمع ابیہ[1]"

اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر یہ نقل کرتے ہیں۔

وقال الدارقطنی ابوعبیدۃ اعلم بحدیث ابیہ من خصیف بن مالک ونظرائہ

محدث ابن الملقن کتاب الام کے حاشیہ[1] میں فرماتے ہیں کہ ابوعبیدہ اپنے والد کے انتقال کے وقت سات سال کے تھے پھر محدثین کے اصول پر ان کی حدیثوں کو منقطع کیسے کہا جا سکتا ہے بعض محدثین نے ابوعبیدہ کا نام عامر بتایا ہے۔ امام سفیان ثوری اور شریک دونوں کا بیان ہے کہ ان کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے اسرائیل نے ضب کی حدیث میں "سمعت" نقل کیا ہے۔ امام اعمش تمیم ابن سلمہ سے نقل کرتے ہیں۔ کان ابوعبیدۃ اشبہ صلوۃ بعبد اللہ قرأیتہ وما یحول شیئا وما یطرف[2]۔ امام بخاری نے التاریخ الکبیر کی کتاب الکنی میں تماہ سے

---

[1] حاشیہ کتاب الام ج ۱ ص ۱۰۵ [2] صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص [illegible]

سے نقل کیا ہے انہ سأل اباہ عن بعض الحمام فقال صوم یوم[1]

مجمع الزوائد میں ہے[2]:

عن اسمٰعیل بن ابی خالد قال	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے صاحبزادے
اوصی ابن مسعود ابا عبیدۃ	ابوعبیدہ کو تین باتوں کی وصیت کی کہ تم کو اللہ
بثلاث کلمات ای بنیّ	تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ گھر کو
اوصیک بتقوی اللہ ولیسعک	بس ہو، کسی فارغ اوقات تم اپنے گھر میں
بیتک وابک علی خطیئتک	صرف کیا کرو۔ بلا ضرورت لوگوں کے پاس آنا جانا
	نامناسب بات ہے اور اپنے گناہوں پر روؤ

۴۵۔ متفرق واقعات

ایک مرتبہ آپ اپنے دوست حضرت ابوعمیر کی ملاقات کو ان کے مکان پر تشریف لے گئے اتفاقاً حضرت ابوعمیر اس وقت موجود نہ تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ان کی اہلیہ کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ گھر میں پانی نہ تھا۔ جاریہ کو پڑوس سے پانی لانے بھیجا۔ جاریہ نے پانی لانے میں دیر کی

---

[1] التاریخ الکبیر ص ۵۳ مطبوعہ حیدرآباد۔ [2] علامہ نورالدین ہیثمیؒ محدث فرماتے ہیں کہ رواہ الطبرانی باسنادین ورجال احدہما رجال الصحیح باب ما جاء فی العصمۃ وحفظ اللسان ج ۱۰ ص ۲۹۹

[3] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد و معتقد بہت لوگ تھے ان کے صاحبزادے والد کے شاگردوں کے پاس پہنچتے تو وہ تعظیم و تکریم کرتے اور تواضع سے پیش آتے یہ باتیں کم عمر نوجوانوں کو خراب کر دیتی ہیں۔ فکرِ معاش اور فکرِ معاد دونوں سے غافل کر دیتی ہیں اس لئے آپ نے خاص طور پر اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کی کہ اپنے فارغ اوقات اپنے گھر میں صرف کریں تاکہ گھر والوں کی وابستگی رہے ان کی دینی نگرانی و تربیت کر سکیں۔

حضرت ابو عمیر کی اہلیہ بہت خفا ہوئیں اور غصہ میں لونڈی پر لعنت بھیجی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سن لیا۔ وہاں سے بیاسے ہی لوٹ گئے۔ دوسرے روز ابو عمیر ملے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اس طرح واپس چلے جانے کا سبب پوچھا حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ خادمہ کو جب پانی لانے میں دیر ہوئی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی۔ میں نے سنا تو یہ سوچ کر چلا آیا کہ اگر خادمہ لعنت کی مستحق نہ ہوئی تو اس لعنت کا تمہاری بیوی پر واپس آنے کا سبب میں ہونگا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے۔[۱]

ایک مرتبہ آپ نے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت ادا کرنے سے پہلے ہی بیچنے والا لاپتہ ہوگیا۔ حضرت عبداللہؓ نے قیمت ادا کرنے کے لئے اس شخص کو سال بھر تک تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ تب مجبور ہوکر آپ وہ قیمت ایک ایک دو دو درہم کرکے بیچنے والے کی طرف سے صدقہ کرتے رہے اور فرمایا کہ اب بھی اگر وہ شخص واپس آگیا تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری جانب سے ہوگا۔[۲]

عطاء بن یسارؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کر رہے تھے اور اثنائے سفر آپ کو استنجے کی ضرورت ہوئی وہاں کوئی پردہ کی جگہ نہ تھی اتنے میں آپ نے دو درخت دیکھے جو ایک دوسرے سے دُور دُور تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ جاؤ درختوں سے کہو کہ

---

[۱] مسند امام احمد حنبل [۲] بخاری

اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے مجھے تمہارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم دونوں ایک جگہ ہو جاؤ اور جب تک میں تمہاری آڑ میں فارغ نہ ہو جاؤں اس وقت تک وہیں رہو۔ حضرت عبداللہؓ گئے اور ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام دیا۔ اسی وقت ان میں سے ایک دوسرے کے پاس آ گیا۔ آپؐ نے ان کی آڑ میں ضرورت سے فراغت کی اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پہ چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی فضیلت

اور آپؓ کی علمی خدمات

آپ کے حالات ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ وہ خود کو چھٹا مسلمان جانتے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا اس وقت آپ کی عمر سولہ اور بیس برس کے درمیان تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پہلی بار آپ نے ملاقات کی تو اسی وقت اسلام کی صداقت نے آپ کے دل میں گھر کر لیا۔ آپؓ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر علمنی من ھذا القول (تحصیل علم) کی درخواست کی اس پر حضورؐ نے انك عليهم معلم کی بشارت دی کہ بیشک تم اس وقت نوعمر لڑکے ہو آگے چل کر امّت کے اُستاد ہوگے، چنانچہ آپ نے اپنی پوری زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذار کر تطہیر اور تزکیہ نفس کی تعلیم قرآن کے فہم و تدبر ہی سے حاصل کی۔ آپ ان صحابہ میں ہیں جن کو خدمت بابرکت میں بیش از بیش حضوری کے شرف کے ساتھ ساتھ اور بھی فضیلتوں سے وافر حصّہ

ملا ہے۔

کبار صحابہؓ نے جن جن مصیبتوں کو جھیلا ہے ان میں آپ سب کے شریک و سہیم رہے۔ علم حاصل کرنے اور اس میں کمال پیدا کرنے اور اس کی نشر و اشاعت میں آپ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں ان کے علاوہ آپ کو یہ خصوصی فضیلت بھی حاصل ہے کہ ان دونوں حضرات کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے علم کی اشاعت کا مستند ذریعہ بھی آپ کے شاگرد ہیں

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ابوہشام المغیرۃ ابن مقسم الضبی بیان کرتے ہیں۔

لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ

حضرت علیؓ کی حدیثوں میں صحیح وہی حدیثیں ہیں جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگردوں[1] کے ذریعہ سے ہم لوگوں کو پہنچی ہیں

ایک جگہ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

واما علی بن ابی طالب علیہ السلام فانتشرت احکامہ وفتاواہ ولکن قاتل اللہ الشیعۃ فانھم افسدوا کثیرا من علمہ بالکذب علیہ ولھذا تجد اصحاب الحدیث من اھل الصحیح لا یعتمدون من حدیثہ وفتواہ الا ما کان من طریق اھل بیتہ واصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ کعبیدۃ السلمانی

حضرت علیؓ کے احکام اور فتاویٰ شائع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ کا برا کرے کہ اس کثرت سے انھوں نے غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر دیں کہ صحیح حدیثوں کے جمع کرنے والے آپ کے ان احکام و فتاویٰ پر اعتماد ہی نہیں کرتے جو حضرت اہل بیت اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں مثلاً عبیدۃ السلمانی قاضی شریح اور ابو وائل جیسے حضرات کے سوا کسی اور نے روایت کیے ہوں۔

---

[1] مقدمہ مسلم، ص ۱۰

وشریح وابی وائل ونحوھم۔

وکان علی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ	حضرت علیؓ شکایت فرماتے تھے کہ علم
وجھہ یشکو عدم حَمَلَۃِ العِلْمِ	امانت کے لینے والے نہیں ہیں۔ میرے
الذی اودعہ کما قال إن	سینے میں علم ہے کاش مجھے شاگرد مل
ھٰھنا علما لو اصبت لہٗ	جاتے۔
حَمَلَۃً	

دوسری جگہ زیادہ تعداد میں حضرت علیؓ کے شاگردوں کے نام گنائے ہیں کوفہ کے مفتی یہ حضرات ہیں۔ وکان من المفتین بالکوفۃ علقمۃ بن قیس النخعی والاسود بن یزید النخعی وعمرو بن شرحبیل الھمدانی ومسروق بن الاجدع الھمدانی وعبیدۃ السلمانی وشریح بن الحارث القاضی وسلیمان بن ربیعۃ الباھلی وزید ابن صوحان وسوید بن غفلۃ والحارث بن قیس الجعفی وعبد الرحمٰن بن یزید النخعی وعبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود القاضی وخیثمۃ بن عبد الرحمٰن وسلمۃ بن صھیب ومالک بن عامر وعبد اللہ بن سنخرۃ وزر بن جیش وخلاس بن عمرو وعمرو بن میمون الاودی وھمام بن الحارث والحارث بن سوید ویزید بن معاویۃ النخعی والربیع بن خیثم وعتبۃ بن فرقد وصلۃ بن زفر وشریک بن حنبل وابو وائل ابن سلمۃ وعبیدۃ بن نضلۃ وھولاء اصحٰب علی۔

له اعلام الموقعین، [illegible]

یہ سب حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں اور حضرت عبداللہؓ کے بھی۔[1]

مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے شاگرد بھی ایک سے زیادہ شریک ہیں آپؓ کی فضیلت کی یہ بہت بڑی بات ہے جو صاحب مشکوٰۃ المصابیح محدث الشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ شافعی خطیب تبریزیؒ اپنی کتاب اکمال میں لکھتے ہیں کہ چاروں خلفائے راشدین نے آپ سے روایت کی۔ صحابہؓ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عمران بن حصینؓ ابوامامہؓ باہلی، احنف بن قیسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے آپ سے روایتیں کیں صحاح ستہ میں جن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے روایت کی وہ وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ انس بن مالکؓ ۲۔ الاحنف بن قیسؓ ۳۔ طارق بن شہابؓ ۴۔ ابو الطفیل عامرؓ بن واثلہ ۵۔ ابوموسیٰ اشعریؓ ۶۔ عمرو بن الحارثؓ، عمرو بن حریثؓ مخزومیؓ ۹۔ کلثوم بن المصطلق ۱۰۔ النزال بن سبرۃ ۱۱۔ وابصۃ بن معبدؓ ۱۲۔ ابو رافعؓ مولی النبیؐ ۱۳۔ زینب امراۃ عبداللہ بن مسعودؓ۔

ان ہی خصوصیات اور اپنی خدمات کی بنا پر کبار صحابہ کی جماعت میں آپ ممتاز قرار پائے ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ عرصہ تک اپنے گھر بار اور عزیز و اقارب سے دور رہے۔ لیکن آپ کو بڑا صدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و خدمت سے محرومی کا تھا جس سے آپ کی علمی ترقی رک گئی تھی۔ مدینہ آجانے پر گو مدت تک عائلی زندگی سے محرومی رہی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جب نصیب ہوگئی تو علم کا سرچشمہ پاجانے سے

---

[1] اعلام الموقعین، فضل الفقہا الکوفہ، ص ۲۵

آپ کو سب کچھ مل گیا آپ مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خدمتیں انجام دیتے تھے مدینہ میں پھر وہی خصوصی خدمتیں انجام دینے لگے۔ جلوت ہو یا خلوت، دن ہو یا رات سفر ہو یا حضر بشری ضرورتوں کو چھوڑ کر باقی سارا وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں صرف کرتے جو وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی اُسے سنتے اور سیکھتے۔ سب کام دل کی لگن سے کرتے۔ چنانچہ یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ تمام خصائل نبوت کو آپ نے اپنے میں سمو لیا تھا اور اس قدر اس رنگ میں رنگ گئے تھے کہ سیرت واخلاق و کردار میں آنحضرتؐ سے مماثل عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کوئی اور صحابی نہیں۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے حذیفہؓ سے کہا مجھے ایسے آدمی کی نشان دہی کیجئے جو اپنے چال ڈھال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قریب ہو جس کی صحبت میں اختیار کروں تو حذیفہؓ نے کہا جہاں تک ہماری نظروں میں ہے چال ڈھال طور و طریق میں کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے قریب نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو کر ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

یہ روایت تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ بخاری میں بھی ہے۔

آپ کی یہ خواہش تھی کہ میری زندگی زیادہ سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مشابہ ہو جائے آپ کی اس نیت و ارادہ اس پہ استقامت کے ساتھ عمل کا نتیجہ تھا جس کو آپ کے معاصر صحابہؓ اور شاگرد دونوں نقل کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ کا اعتراف اوپر نقل ہو چکا ہے۔

یزید بن عمیر نقل کرتے ہیں۔

لما حضر معاذ بن جبل الموت　　　جب حضرت معاذ بن جبلؓ کا وقت آخر

قیل یا ابا عبد الرحمن	قریب ہوا تو ان سے کہا گیا کہ وصیت
اوصنا، قال: اجلسونی ان	فرمایئے
العلم والایمان مکانهما من	آپ نے فرمایا۔ مجھے بٹھاؤ اور اس کے بعد
ابتغاهما وجدهما یقول	فرمایا علم وایمان کے چند مرکز ہیں جو ان
ذالک ثلاث مرات التمس	مرکزوں کو تلاش کرے گا وہ ایمان حاصل
العلم عند اربعة رهط	کرے گا۔
عندؓ ابی الدرداء وعندؓ	یہ چار اشخاص مرکز علم ہیں اور اس کے
سلمان الفارسیؓ وعندؓ	اہل ہیں کہ ان سے علم حاصل کیا جائے۔
عبد الله بن مسعودؓ وعندؓ	۱۔ ابو درداءؓ ۲۔ سلمان فارسیؓ ۳۔ عبد اللہ بن
عبد الله بن سلامؓ۔	مسعودؓ ۴۔ عبد اللہ بن سلامؓ۔

مالک بن یخامرؒ کہتے ہیں۔

لما حضرت معاذ الوفاة بکیت۔	کہ جب حضرت معاذؓ کی وفات کا وقت آیا تو میں
فقال ما یبکیک! قلت	رونے لگا۔ حضرت معاذؓ نے مجھ سے پوچھا کس
والله ما ابکی علی دنیا کنت	بات نے تم کو رلایا ہیں کہا خدا کی قسم میں
اصیبها منک ولکن ابکی	اس دنیا کے مال کے لیے نہیں رو رہا جو
علی العلم والایمان الذین	آپ کے ذریعہ مجھے حاصل ہوتا تھا۔ اگر میں
کنت اتعلمهما منک	ایمان و علم کے چشمے کے خشک ہونے کی وجہ
فقال: ان العلم والایمان مکانهما	سے رو رہا ہوں جو علم و ایمان میں آپ کے
من ابتغاهما وجدهما اسلب	ذریعہ حاصل کرتا تھا حضرت معاذؓ نے فرمایا

---

[۱] سیر اعلام النبلاءؒ ص ۴۹۵ نیز ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبلؒ ج ۵ ص ۲۴۲

العلم عند اربعة: نفر هؤلاء الاربعة۔

کہ علم اور ایمان کے چشمے میں جو انہیں تلاش کرے گا وہ ان کو پائیگا۔ پھر ان چار اصحاب کا آپ نے تذکرہ کیا۔

آپ کے متعلق یہ بیان مالک بن یخامر کا ہے جن کی فضیلت اسی سے ظاہر ہوتی ہے۔

ثم قال: فان عجز عنه هؤلاء فسائر اهل الارض عنه أعجز فعليك بمعلم ابراهيم فقال فما نزلت بى مسألة عجزت عنها الا قلت يا معلم ابراهيم.

مالک ابن یخامر کا کہنا ہے کہ کسی مسئلہ میں مجھے دشواری پیش نہ آئی مگر میں نے اللہ سے دعا کی اے ابراہیم کو علم دینے والے مجھ کو (کوئی علم و ایمان کا ماحول نہ تھا) مجھ کو بھی علم دے۔

اعلام الموقعین کی روایت ہے۔

واوصاه معاذ عند موته ان يلحق بابن مسعود فيصحبه ويطلب العلم عنده ففعل ذالك[1]

اپنے آخر وقت حضرت معاذ بن جبلؓ نے ان کو وصیت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس پہنچ جائیں اور ان کی ہم نشینی اختیار کریں اور ان سے علم حاصل کریں چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔

آپ کے ایک دوسرے شاگرد حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں۔

کان عبد الله يشبه بالنبى

حضرت عبداللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اعلام الموقعین، فصل الفقہا الکوفہ، ص ۲۵

صلی اللہ علیہ وسلم فی هدیه　　سے بہت مشابہ تھے۔
ودله وسمته۔

آپ کے شاگردوں میں ابووائل شقیق بن سلمہؒ بڑی عمر کے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے وہ فرماتے تھے۔

ما اعدل بابن مسعود احدًا　　میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔

طبقات القراء اور تذکرۃ الحفاظ میں ذہبیؒ نے ان کے تمام شاگردوں سے یہ بات نقل کی ہے۔

کان تلامذته لا یفضلون علیه　　آپ کے شاگرد صحابہ میں سے کسی کو آپ پر
احدا من الصحابة فی العلم　　علم میں بڑھا ہوا نہیں سمجھتے تھے۔

آپ کے ایک اور دوسرے شاگرد حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں۔

شاممت اصحاب محمد　　میں نے صحابہ کا اندازہ لگایا تو ان کے علم کو
صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت　　ان چھ صحابہ میں جمع شدہ پایا۔ حضرت علیؓ،
علمهم ینتهی الی ستة،　　حضرت عبداللہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زیدؓ
الی علی وعبد اللہ وعمر وزید　　بن حارثہؓ۔ ابوالدرداءؓ اور ابی بن کعبؓ۔
بن حارثة وابی الدرداء وابی　　پھر ان چھ اصحاب کا اندازہ کیا تو حضرت علیؓ
بن کعب ثم شاممت الستة　　اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ان
فوجدت علمهم انتهی　　سب کے علوم تھے۔
الی علی وعبد اللہ

یہی مسروقؒ فرماتے ہیں۔

جالست اصحاب محمد صلی اللہ　　میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی

علیه وسلم فکانوا کالاخاذ، الاخاذ	صحبت اٹھائی وہ حوض تالابوں کے تھے
خانۃ تروی الراکب، والاخاذۃ	کسی تالاب سے ایک سوار سیراب ہو جاتا ہے
تروی الراکبین والاخاذۃ	کوئی اتنا بڑا ہوتا ہے جو دو سواروں کو سیراب
تروی العشرۃ والاخاذۃ لو	کر دیتا ہے اور کوئی اتنا بڑا کہ دس کو سیراب
نزل بها اهل الارض لاصدرتهم	کر دیتا ہے اور بعض اتنا بڑا ہوتا ہے کہ سارے
وان عبد اللّٰه من تلك	روئے زمین کے لوگ اگر اس پر آئیں تو سب کو
الاخاذۃ۔	سیراب کر دے عبداللہ بن مسعودؓ ایسے ہی حوض ہیں۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں۔

ما دخل الکوفۃ احد من الصحابۃ	صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ
انفع علمًا ولا افقه صاحبًا من	عالم و فقیہ کوئی شخص کوفہ میں نہیں آیا۔
عبد اللّٰه۔	

آپ کی علمیت کا اعتراف صرف صحابہؓ اور تابعینؒ تک محدود نہ رہا بلکہ بعد کے علماء نے بھی آپ کا تراجم و تذکرہ کی کتابوں میں جو ذکر کیا ہے اس میں بھی آپ کے علمی کمالات کے ذکر کے ساتھ علمی حیثیت کو بہت نمایاں جگہ دی ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں آپ کے تذکرہ کا عنوان یہ بنایا ہے۔

"الامام الحبر فقیه الامة ابوعبد الرحمٰن الهذلی المکی المهاجری البدری حلیف بنی زهرة کان من السابقین الاولین من النجباء العاملین شهد بدرا وهاجر الهجرتین وکان یوم الیرموك علی النفل ومناقبه غزیرة روی علما کثیرا۔"

انھوں نے اس میں آپ کے اکثر مناقب جمع کر دیئے ہیں۔ آپ کے خاندان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جو قدیم تعلقات تھے اس کا بھی

ذکر کیا ہے۔ آغاز کلام میں تین لفظوں سے آپ کی علمی فضیلتوں پر روشنی ڈالی ہے خاتمہ میں پھر اس کا ذکر کیا ہے کہ آپ نے اپنے علم سے بہتوں کو فائدہ پہنچایا۔ طبقات القراء میں بھی علامہ ذہبی نے کہا ہے وتفقه به خلق کثیر۔

تذکرۃ الحفاظ میں بطور عنوان تقریباً یہی الفاظ ہیں۔ گو بیان میں اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ مگر علمی حیثیت کے اظہار میں اختصار کو روا نہیں رکھا گیا۔ علامہ ابو نعیم اصفہانی نے آپ کے فقر و زہد اور عبادت و نیکیوں کے شوق کا شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ کے قرآن خوانی اور قرآن دانی، قرآن فہمی اور تبلیغ و توضیح مسائل میں امتیاز اور فقہی فضیلت کا ذکر کیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ حلیۃ الاولیاء میں ہے۔

من طبقة السابقين المهاجرين المعروفين بالنسك من المعمرين القارئ الملقن الفقيه المفهم والسابت والبر ارا قربهم وسيلة وارجحهم فضيلة كان من الرفقاء والنجباء والوزراء والرقباء عبد الله بن مسعود الكلف بالمعبود والقاصد للمشهود والحافظ للعهود والسائل الذي ليس بمردود۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے آپ کے علمی فضائل کے بیان میں بڑی احتیاط برتی ہے پھر بھی فتح الباری میں آپ کے مناقب کے سلسلہ میں یہ درج کرنے پر مجبور ہوئے۔

وكان من علماء الصحابة ومن انتشر علمه بكثرة اصحابه والآخذين عنه[1]۔

---

[1] فتح الباری، جلد ۷، ص ۱۰

یہاں حافظ ابن حجرؒ آپ کے شاگردوں کی کثرت کے تذکرہ پر مجبور تھے اس کی تمہید میں اتنا تحریر فرما دیا۔ وکان من علماء الصحابة۔ اس قدر محنت اور ذوق شوق سے آپ نے قرآن حاصل کیا کہ آگے چل کر آپ قرآن کے سب سے بڑے عالم کہلائے۔

حضرت ابو مسعود بدریؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس کا علم رکھنے والا میں کسی اور کو نہیں جانتا۔ اسی طرح ابن القیمؒ نے عقبہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال عقبة بن عمرو ما ارى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل
احدا اعلم بما انزل على	ہوا میں اس کا جاننے والا حضرت
محمد صلى الله عليه وسلم	عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو
من عبد الله[1]	نہیں سمجھتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ آپ خود فرماتے ہیں۔

والله لقد اخذت من فی	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ
رسول الله صلى الله عليه وسلم	اوپر ستر سورتیں یاد کی ہیں۔
بضعا وسبعين سورة[2]	

طبقات القراء ذہبی میں ہے۔

احد من حفظه كله منهم و	اور صحابہ میں سے جن لوگوں نے قرآن کو
عرض على النبي فی جماعة من	کامل حفظ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اعلام الموقعین، جلد اول، ص ۱۷

نجباء واصحاب محمد انتدبوا لاقرائه وانتصبوا للاداء فكان من جملتهم سبعة ائمة اعلام دارت عليهم اسانيد القرآن وذكروا في صدور الكتب والاجازات عثمانؓ، عليؓ، ابیؓ، ابن مسعودؓ، زیدؓ، ابوموسیٰؓ، ابوالدرداءؓ۔

کے روبرو پیش کیا تھا وہ حضرت صحابہ کی ایک جماعت ہے جو قرآن کی تعلیم کے لئے تیار کی گئی تھی اور اس خدمت کو ادا کرنے کیلئے آپ نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ یہ لوگ حفاظ قرآن (یا معلمین قرآن) سے ہیں یہ سات بڑے بڑے علام ہیں۔ قرآن کی سب سندیں ان ہی تک پہنچتی ہیں۔ کتابوں کے شروع میں اور اجازت ناموں (سندوں) میں ان ہی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عثمانؓ، علیؓ، ابیؓ، ابن مسعودؓ، زیدؓ، ابوموسیٰؓ، اور ابوالدرداءؓ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فخریہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب اور کہاں اور کس بارہ میں اُتری ہے۔

قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے اس پر عمل پیرا بھی ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

عن ابن مسعودؓ كنا اذا تعلمنا من النبي صلى الله عليه وسلم عشر آيات من القرآن لم نتعلم العشر التي بعدها حتى نعمل فيه۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اتباع کتاب و سنت اور ذوقِ عمل کی والہانہ تڑپ نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنا دیا تھا۔

---

[1] اعلام الموقعین، ج اول، ص ۱۷

اجازت درس

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخلاق و عادات و تحصیل علم کی تکمیل ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے ہی قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کی خصوصی سند دی اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ ابن مسعودؓ سے استفادہ کرو۔ مفتی عبداللطیف صاحب تذکرہ اعظم میں لکھتے ہیں۔

جب استاد اپنے شاگرد کو اجازت دیتے ہیں تو سند اور اجازت نامہ میں دو طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ عام شاگردوں کی نسبت تو یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں تمہیں فلاں علم پڑھانے کی اجازت دیتا ہوں لیکن جو طلباء جیس الاستعداد اور اپنی قابلیت میں ممتاز ہوتے ہیں ان کی نسبت سند میں یوں لکھتے ہیں کہ میں اجازت دیتا ہوں کہ طلباء ان سے فیض یاب ہوں اور ان سے پڑھیں۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو جو اجازت عطا فرمائی ہے اس میں اسی دوسری قسم کے الفاظ ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی تعلیم کی جداجدا سند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دی۔ آپ کی قرآن کی سند و اجازت بخاری شریف میں ہے جس کو بعینہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم استقرأوا القرآن من اربعۃ من عبداللہ بن مسعودؓ وسالم مولی ابی حذیفۃ وابی بن کعب ومعاذؓ بن جبل	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ان چار آدمیوں سے سیکھو عبداللہ بن مسعودؓ، سالم مولی ابی حذیفہؓ، ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وان البداءۃ بالرجل فی الذکر علی غیرہ فی امر یشترک فیہ مع غیرہ یدل علی تقدمہ فیہ۔	جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلہ میں جس کا نام پہلے لیا جائے تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ ان اصحاب میں پہلا نام چونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کا آپ نے لیا اس لئے میں ان سے محبت کرنے لگا ہوں اور وہ میرے خاص محبوبوں میں ہیں اور قرآن کی سند کی بابت ترمذی کے الفاظ یہ ہیں۔

عن حذیفۃ قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ما اقرأکم عبد اللہ فاقرأوا۔	حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ جو تمہیں پڑھائیں وہ پڑھو۔

ایک بزرگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو حضرت عمرؓ کی جان پہچان کے تھے آپ سے کہا یا امیر المومنین میں کوفہ سے آرہا ہوں وہاں ایک ہستی ہے جو قرآن املا کراتے ہیں حضرت عمرؓ بہت زیادہ غصہ ہوئے دریافت کیا تیرا برا ہو وہ کون ہے۔ انھوں نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ۔ ان کا نام سنتے ہی حضرت عمرؓ کا غصہ اترنا شروع ہوا۔ اور طبیعت آہستہ آہستہ اعتدال پر آگئی۔ ان سے کہا خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اس بات کا اہل کسی کو نہیں پاتا (کہ زبانی قرآن لکھائیں) اس کے بعد وہ واقعہ سنایا جو قراءت قرآن میں آرہا ہے جس میں آپ نے جنت الخلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہونے کی دعا کی ہے۔

علمی لطیفہ

امام شعبیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سفر فرما رہے تھے کہ ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ پوچھو کہ تم کون ہو۔ اس میں حضرت عبداللہؓ بھی تھے آپ نے جواب دینے کے لئے کہلوایا اقبلنا من الفج العمیق۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دلوایا الی البیت العتیق۔ پھر حضرت عمرؓ نے پچھوایا کہ قرآن پاک کی کونسی سب سے زیادہ پُرعظمت آیت ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے آدمی سے کہا کہ آیت الکرسی اللہ لا الٰہ سے پڑھ کر سنا دو حضرت عمرؓ نے اس کے بعد کہا کہ سوال کرو کہ وہ کونسی آیت ہے جس کے ہر جملے پر عمل ضروری ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (سورہ نحل) پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دریافت کرو کہ قرآن کی سب سے جامع آیت کونسی ہے حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سوال کرو کہ قرآن کی وہ کونسی آیت ہے جو کہ کپکپا دینے والی ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا۔ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ۔ پھر حضرت عمرؓ نے آواز دلوائی کہ دریافت کرو کہ قرآن کی سب سے زیادہ پُرامید آیت کونسی ہے حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا۔ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کرایا کہ قافلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہیں؟ تو قافلہ والوں نے جواب دیا کہ ہیں۔

آپ کی حدیث کی سند اور اجازت ترمذی میں یوں ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم ما حدثکم ابن مسعود فَصَدِّقُوا۔ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ کوئی حدیث بیان کریں تو اس کی تصدیق کرو۔

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ کو قرآن و حدیث کے علاوہ تخریج مسائل و استنباط اور قیاس کی بھی اجازت و سند عطا کی تھی ترمذی میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تمسکوا بعھد ابن ام عبد — حضور نے فرمایا کہ ابن مسعودؓ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

ان کا قول تمہارے لئے کافی دلیل ہے۔ خطیب کی اکمال اور کنز العمال میں بھی یہی مضمون بہ تغیر الفاظ اس طرح پر آیا ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد وسخطت لھا ما سخط لھا ابن ام عبد — ابن مسعودؓ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں۔

حضرت عبادہ بن صامت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کن صحابہ سے آپ کو محبت ہے تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں۔ ارشاد ہوا کہ میری زندگی میں اس راز کو ظاہر نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ اور عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاموش ہونے پر حضرت عبادہؓ نے پھر پوچھا تو آپ نے سترہ نام لیے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام بھی تھا سے ظاہر ہے کہ

سلہ سیر اعلام النبلاء ج ۲۔ حالات عبادہ ۲۵۲

آپ کی ان بزرگوں سے محبت فرمانے کی وجہ دین میں استیازی حاصل کرنا تھا۔

فہم وفراست کی نبوی توثیق

علم وفضل سیرت وکردار کی ان اعلیٰ سندوں کے یہ معنیٰ نہ تھے کہ دنیا کے کاموں کی کوئی قابلیت واہلیت آپ میں نہ تھی اس خیال کو دور کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فہم وفراست اور انتظامی قابلیت کو بیان فرمادیا۔

عن علی قال قال رسول اللہ	حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت	علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اگر کسی کو بغیر
مؤمرا احدن ادون شوری	مشورے کے امیر بنا دیتا تو عبداللہ بن
المسلمین لامرت ابن ام عبد	مسعودؓ کو بناتا۔

گو تقسیم کار کے اصول پر آپ نے ان کو ان کی مشغولیت سے ہٹا کر انتظامی کاموں میں ان کے اوقات کو مصروف نہیں کیا۔ اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ انتظامی کاموں کی اہلیت وصلاحیت آپ میں نہ تھی۔ تو آپ نے یہ فرما کر اس شبہ کے احتمال کو بھی دور کر دیا۔ حضرات شیخینؓ نے بھی ان کا خیال فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سے قریب رکھنے کی ایک صورت نکالی جس کا تذکرہ عہد صدیقی میں گذر چکا حضرت عمرؓ نے آپ کو کوفہ کا قاضی بنایا جہاں تعناً کے کام کے ساتھ امت کو قرآن وحدیث کی آپ نے تعلیم دی اور سال کی تربیت فرمائی۔

معاصرین کی طرف سے آپ کے ہمہ گیر فضل وکمال کا اعتراف

ابوالاحوصؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے یہاں کسی مجلس میں شریک تھے جب

مجلس برخاست ہوئی اور عبداللہ چلنے کی نیت سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعودؓ (عقبہ بن عمرو) نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی اور شخص اس وقت موجود ہے۔ یہ سن کر ابوموسیٰ اشعریؓ نے تائید کی اور کہا کیوں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بارگاہِ نبوی میں اس وقت حاضر رہتے تھے جب ہم غائب رہتے تھے اور انھیں خلوت میں بھی باریاب ہونے کی اجازت حاصل تھی اور ہم اس شرف سے محروم تھے۔ شقیقؒ کہتے ہیں کہ ایک جلسہ میں میری موجودگی میں عبداللہ بن مسعودؓ نے دعویٰ کیا کہ تمام صحابہؓ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں[1] گو میں آپ سب سے بہتر نہیں۔ حضرت عبداللہؓ کے اس دعویٰ کے بعد میں نے گردن اٹھا کر تمام حاضرین کی طرف دیکھا مگر کسی نے بھی حضرت عبداللہؓ کے اس دعویٰ کو رد نہ کیا۔

ان فراخدلانہ اعترافات کا سلسلہ صرف حضرت عبداللہؓ کی زندگی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کے فضل و کمال کے معترف رہے چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعود کو جب عبداللہ کی وفات کی خبر ملی تو حاضرین نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا نہیں کیونکہ وہ جلوت اور خلوت ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ بات ممکن نہ تھی۔[2] ایک روایت کے مطابق جب

---

[1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس بیان کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب قرآن کی اشاعت کا سرکاری طور پر انتظام کیا گیا۔ اس کام پر حضرت زید بن ثابتؓ جو آپ سے بہت زیادہ کم سن تھے مامور ہوئے اور آپ کو یہ خدمت نہیں ملی۔ [2] مسلم باب فضائل صحابہ ذکر ابن مسعودؓ۔

انھوں نے دمشق میں حضرت عبداللہؓ کے انتقال کی خبر سنی تو فرمایا۔ ما انا ملہ تخلف بعدہ مثلہ۔

اعتراف فضل کی دوسری مثال

ایک مرتبہ اہل کوفہ نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی کہ اہل شام کے وظائف بڑھا دیئے گئے ہیں لیکن ہم لوگ اضافہ سے محروم رہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ اہل شام کے وظائف میں بے شک اضافہ ہوا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج کر تمہارے علوم کی ترقی کا جو سامان کیا گیا ہے وہ اس ترقی سے بہت بلند ہے جو وظیفہ کی شکل میں اہل شام کو حاصل ہوئی ہے۔ ابن مسعودؓ کا فضل و کمال اور حدیث و سنت کے زیادہ عالم ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگ آپ کے پاس نہ ہوتے تھے اور ابن مسعودؓ خلوت میں بھی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے اور ہم اس سے محروم رہتے تھے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے موقعوں پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے علمی تبحر اور دیگر اوصاف حمیدہ کا صاف صاف اعتراف کیا ہے زید بن وہبؓ کہتے ہیں۔

کنت جالسا فی القوم عند عمرؓ	میں حضرت عمرؓ کے پاس لوگوں میں بیٹھا ہوا تھا
اذجاء رجل نحیف قلیل اللحم	کہ ایک صاحب بہت دبلے جن کے بدن پر
فجعل عمر ینظر الیہ ویتھلل	بہت کم گوشت تھا، تشریف لائے۔ حضرت عمر

لہ تذکرہ اعظم ص ۲۷۔

وجهه ثم قال كنيف	ان کو دیکھنے لگے اور خوشی کے مارے حضرت
مُلئ علماً كنيف	عمرؓ کا چہرہ دمک رہا تھا اور فرماتے تھے چھوٹی
مُلئ علماً اناذاهو	مشک ہے علم سے بھری ہوئی اور وہ عبداللہ
ابن مسعود.	بن مسعودؓ تھے۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ نے ایک شخص کا تہبند ٹخنوں سے نیچے دیکھا تو اسے اوپر کر کے باندھنے کا حکم دیا۔ اُس نے پلٹ کر کہا کہ آپ خود بھی تہبند نیچا باندھے ہوئے ہیں اوپر باندھیے۔ آپ نے فرمایا میں معذور ہوں تمہیں کوئی مجبوری نہیں۔ حضرت عبداللہ کی مجبوری یہ تھی کہ ٹانگیں پتلی ہونے کی وجہ سے تہبند اوپر کر کے باندھنے کے باوجود پھسل کر نیچے چلا آتا تھا جس میں ارادے کو دخل نہ تھا اور جس شخص کو آپ نے اس فعل سے باز رہنے کی تلقین کی اسے کوئی مجبوری نہ تھی اور جو بلا عذر کے کوئی ایسا لباس پہنے جو ٹخنوں کے نیچے تک آئے اس کے متعلق چونکہ بہت سخت وعید ہے، اس لئے آپ نے اسے روکا تھا تو یہ شخص گناہ سے بچنے اور نادم ہونے کے بجائے الٹا الزام آپ پر عائد کر بیٹھا۔ اس کی خبر حضرت عمرؓ کو کسی طرح ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو کوڑے لگائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منہ زوری کی۔[۱]

قراءت قرآن

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جس طرح قرآن کے بہت بڑے عالم تھے اسی طرح بہترین پڑھنے والے بھی تھے۔ روزانہ ایک منزل پڑھا کرتے تھے ہفتہ کو ختم

---

[۱] اصابہ جلد ۲ ص ۱۳۰، سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۱ - ۲۔

کرتے تو جمعہ کو ختم کرتے تھے۔ رمضان شریف میں تیسرے دن ختم کرتے تھے[۱]۔

ایک مرتبہ آپ تہجد کی نماز میں سورہ نساء تلاوت کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔ آپ ان کی قرأت سے بہت خوش ہوئے اور نماز کے بعد فرمایا۔ اسئل تعطہ، اسئل تعطہ عبداللہ بن مسعودؓ نے دعا کی اللّٰھُمَّ انی اسئلک ایمانا لا یرتد ونعیما لا ینفد۔ ومرافقۃ نبینا محمدؐ فی اعلیٰ درجۃ الخلد۔ اور فرمایا من اراد ان یقرأ القرآن غضا فلیقرأ علی قرأت ابن ام عبد[۲]

نماز کے علاوہ بھی حضرت عبداللہؓ عموماً تنہائی میں تلاوت کا شغل بڑے ذوق سے فرماتے کبھی کبھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن پڑھوا کر سنتے۔ خود حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے اور میں آپ کو سناؤں! ارشاد ہوا کہ ہاں میں دوسروں کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اور جب اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا[۳]۔ تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے۔

اکثر علماء نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں۔

---

[۱] مسعود رضی [۲] سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۸۱ ج ۲ مسند احمد بن حنبل مسند عمر (ج ۱، ص ۲۶۵) مسند عبداللہ (ج ۱، ص ۲۰۹۔۴۴۲)؛ [۳] مسند جلد اول ص ۳۲ نیز بخاری شریف جلد دوم ص ۶۵۹

وکان عبد اللہ رأسًا فی تجوید القرآن مع حسن الصوت۔ | اور عبداللہ بن مسعودؓ قرآن کی تجوید میں سربرآوردہ تھے خوش آوازی اس پر مزید تھی۔

ابو عثمان نہدیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اس ترتیل اور خوش آوازی سے پڑھی کہ ہماری آرزو تھی کہ پوری سورۂ بقرہ اسی ترتیل اور اسی خوش الحانی سے پڑھیں۔

مضامین احادیث کی قرآن سے تطبیق اور توثیق۔

آپ کو قرآن کے مضامین پر بڑا عبور تھا۔ ایک سے زیادہ بار ایسا ہوا کہ آپ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان ہوئی۔ آپ نے بے تکلف اسی مضمون کی قرآنی آیت پڑھ دی۔ ایک مرتبہ کسی مجلس میں یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال دبا لے گا تو قیامت کے دن عذاب خداوندی سے نہ بچے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حدیث کی توثیق و تائید میں فوراً یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ | وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلہ میں تھوڑا نفع حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک مرتبہ دوران درس میں اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ شرک، اس کے بعد اولاد کا قتل، اس کے بعد ہمسایہ کی بیوی سے زنا۔ یہ فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی موافقت میں یہ آیت پیش فرمائی۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ | جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں پکارتے

إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا[1]	خون ریزی نہیں کرتے ہیں سوائے جواز معتد کے مرتعہ کے۔ نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو برا کام کرتا ہے وہ بڑا گناہ کرتا ہے۔

زبان دانی میں آپ کا پایہ۔

قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دار ومدار زیادہ تر عربیت پر ہے اس کے محاورات اور اسلوب بیان پر قدرت اور مہارت ضروری ہے جو لفظ محذوف کر دیئے جاتے ہیں ان کے فہم کا صحیح ذوق ہو۔ ضمائر اور اشاروں کی تعین کا سلیقہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی پابندی میں ان ہی باتوں میں آپ نے درک پیدا کیا تھا۔ اس مثال کی وضاحت قرآن کی اس آیت کی تفسیر سے بخوبی ہوتی ہے۔

اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

عام مفسرین نے امرنا کے معنے "ہم نے حکم دیا" کر دیئے ہیں جس کے معنی ہوئے کہ خدا ہی نے ان کو نعوذ باللہ برائیوں کا حکم دیا حالانکہ یہ بات خدا کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو برے کام کا حکم دے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ۔ یا اس پر مجبور کرے لطف یہ ہے کہ مفسرین نے خود ہی قابل اعتراض معنے بھی بیان کئے اور جب خود ان کے دل کو یہ بات کھٹکی کہ یہ تو خدا پر الزام ہے کہ وہ خود ہی برائیوں کا حکم دیتا ہے اور تعمیل حکم کے بعد بجائے انعام کے تباہی اور بربادی کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے تو ان مفسرین نے مختلف تاویلوں سے اس اعتراض کے جواب دیئے۔

---

[1] سورۃ الفرقان، آیت ۶۸

حالانکہ امرنا مترفیہا کے بعد بالاطاعۃ والانقیاد جو محذوف ہے اس کو
سمجھ لیا جاتا تو آگے جو ارشاد ففسقوا فیہا ہے اس سے تائید آسانی سے
سمجھ میں آجاتی کہ جو حکم دیا گیا تھا اس کی نافرمانی کی گئی۔ خصائص میں ابن جنی
نے امر کے معنی کثرت کے بتائے ہیں اور اس پر متعدد شواہد پیش کئے ہیں کہ کلام عرب
میں امر کے معنی کثرت کے بھی آتے ہیں تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جب ہم کسی شہر کو
تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے لوگوں کی دولت بڑھا دیتے ہیں اب یہ لوگ دولت کا
صحیح مصرف اختیار کرنے کے بدلے غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے
بے پرواہ ہو کر فسق و فجور کی زندگی اختیار کرلیتے ہیں اور یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے" اور
اس تفسیر پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنھوں نے
خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن سیکھا تھا۔ ان سے
بڑھ کر قرآن کے معانی و مطالب سمجھنے والا، اور کون ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں
نے اس آیت کی ٹھیک یہی تفسیر کی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ
سے روایت ہے۔

كنا نقول للحي اذا كثروا	زمانہ جاہلیت میں جب کسی قبیلے کے افراد کی
في الجاهلية امر	تعداد بڑھ جاتی تو ہم کہتے کہ فلاں قبیلے کے
بنو فلان۔	لوگ بڑھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جو اقوال ان صفحات میں [illegible] یادداشت سے نقل کئے
گئے ہیں وہ ان کی زبان دانی، مطالب آفرینی، فہم معانی اور ادب و انشاء میں ید طولیٰ رکھنے
کا بین ثبوت ہیں، اہل لغت نے آپ کے فرمائے ہوئے کلمہ کو استشہاد کے طور پر
پیش کیا ہے۔ چنانچہ مختار الصحاح میں خلل کے مادہ میں اختل کے معنی احتاج کے
بیان کئے ہیں اور سند میں آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ علیکم بالعلم

فانّ احدهم لا یدری متی یختل الیه ای متی یحتاج الناس الی ما عنده۔

غلط تفسیر پر آپ کی تنبیہ

بعض حضرات محض اٹکل سے کسی قرآنی آیت کی تفسیر کرتے ہیں جب کبھی آپ کو اس کا علم ہوتا کہ کسی نے بغیر کسی اسناد کے اپنی رائے اور قیاس سے تفسیر بیان کی ہے تو آپ خفگی کا اظہار فرماتے اور صحیح تفسیر فرما کر ناواقف کو واقف فرماتے اور آئندہ اس شخص کو اس طرح تفسیر بیان کرنے سے باز رہنے کی تاکید کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو منافقین کو اندھا اور بہرا کر دے گا لیکن مسلمانوں کو اس سے صرف اس قدر تکلیف ہوگی جتنی زکام سے ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کو اس کی خبر ہوئی آپ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سن کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ جو علم رکھتے ہوں وہ بولیں اور جو نہ جانتے ہوں وہ کہیں کہ خدا سب سے زیادہ جانتا ہے یہ بھی ایک علم ہے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے کہ کہہ دو میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا اور جو بات نہیں جانتا اس کو زبردستی بتانے کی زحمت نہیں اٹھاتا۔ اس کے بعد آپ نے بدواقعہ بیان فرمایا کہ قریش نے جب اسلام قبول کرنے میں دیر کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قحط کی بد دعا کی چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ لوگ مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے بھوک میں جب وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور نقاہت کی وجہ سے انہیں فضا دھویں سے بھری ہوئی نظر آتی تھی خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی زیادہ ایک ہولناک اور سخت دن آنے والا ہے اور وہ جنگ بدر کا دن ہے[1]۔

---

[1] کتاب التفسیر بخاری ج دوم ص ۷۱۰ نیز مسند احمد اول ص ۳۸۱

عہدہ قضا

قاضیوں کے تقرر میں سب سے اہم کام قابل اور متدین اشخاص کا انتخاب ہے کیونکہ علم میں پختگی کے بغیر صرف قابلیت و ذہانت سے صحیح فیصلہ ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس اہم عہدہ کے لئے جن لوگوں کا انتخاب کیا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے آپ کو فیصلہ کی قابلیت و دیانتداری کے ساتھ علم میں بھی امتیازی درجہ حاصل تھا جس کی بناء پر آپ کو قاضی بنایا گیا۔ ۲۰ھ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قاضی بنا کر ان کے ساتھ کر دیا۔ اس کے علاوہ بیت المال کا انتظام و ذمہ داری بھی ان ہی کے سپرد رہی۔ مسلمانوں کی تعلیم مذہبی امور کی نگرانی اور امیر کوفہ کی وزارت کے فرائض انہیں سونپے گئے۔ اہل کوفہ کے نام حضرت عمرؓ نے جو تقرر کا فرمان خلافت روانہ فرمایا اس میں حضرت عمارؓ (امیر) اور حضرت عبداللہؓ (قاضی) کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات ظاہر فرمائے۔

انی بعثت الیکم عمار بن یاسرؓ امیراً و ابن مسعودؓ معلماً و وزیراً وقد جعلت ابن مسعودؓ علی بیت مالکم وانہما لمن النجباء من اصحاب محمد من اہل بدر فاسمعوا لہما واطیعوہما۔[1]

بے شک میں نے تمہارے لیے عمار بن یاسرؓ کو امیر کوفہ بنا کر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو استاد و وزیر بنا کر روانہ کیا ہے اور بیت المال کی نگرانی بھی ان ہی کے سپرد کی ہے یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں خاص شرف وعظمت کے حامل اور اہل بدر میں سے ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

---

[1] اعلام الموقعین، فصل ۸۶ ص ۲۱۰ - ۲۱۹

یہاں تک تو عمار بن یاسرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق حضرت عمرؓ فاروق نے ایک جیسے الفاظ استعمال فرمائے مگر اسی فرمان کے آخری حصہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے حضرت عمرؓ کی نگاہِ جوہر شناس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا وقعت تھی وہ الفاظ اس طرح ہیں۔

ولقد آثرتکم بابن ام عبد على نفسى۔	حقیقت یہ ہے کہ ابن ام عبد کو تم لوگوں کے پاس بھیج کے بارے میں میں نے ایثار سے کام لیا ہے

یعنی ابن مسعودؓ کے علم و فضل فہم و تدبر دینداری و فراست سے فائدہ اٹھانے کے محتاج جس قدر تم لوگ ہو میں بھی ان سے بے نیاز نہیں، مگر ایثار سے کام لے کر بغرض افادہ تمہارے پاس بھیجا جارہا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تعلقات

حضرت عبداللہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ خلافت نہیں پایا لیکن حضرت عبداللہؓ کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے آپ کے علمی جلالت کے سبب بے انتہا تعلق تھا۔ جناب امیرؓ کے علاوہ حضرت ابوالدرداءؓ سلمان فارسیؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبل جیسے دیگر اہلِ علم صحابہؓ سے بھی آپ کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ جناب امیرؓ کو بھی عبداللہ بن مسعودؓ سے خاص تعلق تھا جس کا اظہار آپ نے مختلف موقعوں پر فرمایا۔

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحابہؓ کے درمیان علمی درجات و مراتب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے دریافت کیا کہ تم کس کے بارہ میں پوچھتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیے اس پر آپ نے فرمایا۔

علم القرآن وعلم السنة	انہوں نے قرآن سیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ثم انتهى وكفى به علماً۔	کی سنت کا علم حاصل کیا اور پھر اسی پر جم گئے اوران ہر دو کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ علم کامل اسی کا نام ہے۔

حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگلے زمانہ میں ہر نبی کے سات رفیق ہوا کرتے تھے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے چودہ رفیق[1] دیئے ہیں۔ حمزہؓ، جعفرؓ، علیؓ، الحسنؓ، الحسینؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، حذیفہؓ، عمارؓ، سلمانؓ اور بلالؓ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ منتقل ہوئے اور وہاں علماء و قراء و فقہاء کی کثرت تعداد دیکھی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف فرمائی۔[1]

حبہ بن جوینؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی کوفہ تشریف فرمائی پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے شاگرد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے سوالات کئے ان کے جوابات پر مطمئن ہوئے۔ شاگرد اپنے استاد کی تعریف کرنے لگے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔

وانا اقول فيه مثل الذي قالوا وافضل۔	جو انھوں نے کہا وہ میں کہتا ہوں بلکہ اس سے زیادہ۔
قرأ القرآن احل حلاله وحرم حرامه فقيه في الدين عالم بالسنة۔[2]	انھوں نے قرآن پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا۔ وہ تفقہ فی الدین رکھتے تھے اور سنت کے عالم تھے

---

[1] شرح کشف الاسرار بزدوی

[2] سیر اعلام النبلاء ۳۵۲

معاصرین کے علم وفضل کا اعتراف

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اپنے معاصرین کے علم وفضل کے اعتراف میں بڑے وسیع القلب واقع ہوئے تھے حضرت عمرؓ سے تو ان کو بڑی عقیدت تھی۔

حضرت ابن مسعودؓ کی حضرت عمرؓ کے متعلق رائے

آپ فرماتے تھے اگر تمام عرب کا علم ایک پلڑے میں رکھدیا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں تو عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے بالکل اسی طرح سے کہ جس طرح ابوموسیٰ اشعریؓ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت فرماتے تھے۔

لمجلس كنت اجالسه ابن مسعودٍ اوثق فى نفسى من عمل سنة.	ایک گھڑی جو میں عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں بیٹھا ہوں اس پر مجھے ایک سال کی عبادت سے زیادہ وثوق ہے کہ وہ میری نجات کا باعث بنے گی۔

حضرت عمرؓ سے استفادہ

آپ نہ صرف حضرت عمرؓ کے فضل وکمال کے معترف تھے بلکہ کسی معاملہ میں ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ جو مسئلہ معلوم نہیں ہوتا تھا اُسے حضرت عمرؓ سے پوچھنے میں اپنی کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی بیوی سے ایک باندی خریدی اور باہم یہ شرط طے پائی کہ اب اگر وہ باندی بیچی جائے گی تو اس کی قیمت بجائے حضرت عبداللہؓ کے ان کی بیوی کو ملے گی۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سودا تو کرلیا مگر قلب میں کھٹک تھی اور اس بے اطمینانی کا ذکر حضرت عمرؓ سے کیا حضرت

عمرؓ نے اس بیع مشروط کو ناجائز بتلایا اور حضرت عبداللہؓ کو ہاذی سے متمتع ہونے سے منع فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے علاوہ دیگر معاصرین صحابہؓ سے بھی آپ استفادہ میں پس و پیش نہ فرماتے تھے۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ عمرؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ باہم ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل ایک دوسرے سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں اگر سنن کبریٰ بیہقی کو دیکھا جائے اس کا مکمل ثبوت ملے گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں چھ شخص درجہ اجتہاد پر فائز تسلیم کئے جاتے تھے اور باہم فقہی مسائل پر بحث و مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؓ، ابی بن کعبؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک جانب اور حضرت عمرؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ دوسری جانب۔

ثلاثة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعون قولھم بقول ثلاثة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ابن مسعودؓ یدع قولہ بقول عمرؓ وکان ابو موسی الاشعریؓ یدع قولہ بقول علیؓ وزید بن ثابتؓ یدع قولہ بقول ابی بن کعبؓ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تین صحابی ایسے ہیں کہ اپنے مسلک مذہب کو تین صحابی کے قول و مذہب کی وجہ سے دستبردار ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے مذہب کی وجہ سے اپنے مذہب سے دستبردار ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے مذہب کی وجہ سے اپنے فتوے سے دست بردار ہو جایا کرتے تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے مذہب کی وجہ سے اپنے قول سے دست بردار ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ فرمانے تھے کہ ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگوں کا کسی بات نے تو کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا یعنی جو عمر ہماری ہے اگر وہ عمر حضرت ابن عباسؓ کی ہوتی اور وہ جتنا صحبت کا زمانہ ہم کو ملا تھا اتنا زمانہ ان کو ملتا تو کوئی ان کے علم میں ہمسری نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تو معاصرین کے متعلق حضرت عبداللہؓ کے قلب میں جو وسعت تھی وہ آپ نے معلوم کی اب ذرا اپنے شاگرد کے متعلق ان کی رائے ملاحظہ فرمالیجے۔

علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ کے مشہور شاگرد تھے ان کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ علقمہ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے۔

وعظ و تقریر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وعظ اور ان کی تقریر مختصر مگر جامع اور پُر اثر ہوتی تھی۔ حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔ پھر آپ کے حکم سے حضرت شیخینؓ نے بھی تقریریں کیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر تقریر کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تقریر حضرت ابوبکرؓ سے بھی مختصر کی۔ اُن کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کو بھی حکم ہوا کہ تقریر کریں تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہوئے اور حمد و سلام کے بعد کہا۔

ایھا الناس ان اللّٰہ ربنا وان	اے لوگو! اللہ ہمارا رب ہے اور اسلام
الاسلام دیننا وان ھذا	ہمارا دین ہے اور یہ ہمارے نبی ہیں
نبینا واوما بیدہ الی النبی	جس نے اللہ اور اس کے رسول
صلی اللّٰہ علیہ وسلم رضینا	خوش ہوں اس سے ہم بھی خوش ہیں

مارضی للہ لنا ورسولہ السلام علیکم[1] اور تم پر سلامتی ہو۔

اس کے بعد بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر لو رجامع تقریر کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا ابن ام عبد نے سچ کہا۔[2]

آپ اپنے مواعظ میں دینی عقائد خصوصاً اللہ تعالیٰ ہی کو الٰہ واحد یقین کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ توحید نماز باجماعت اور دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرنے کے لئے مؤثر مثالوں سے کام لیتے۔ ایک بار جذبِ خوفِ خدا دل میں بٹھانے کی اہمیت پر آپ تقریر فرمارہے تھے لوگوں کو جتلانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد یقین کرنا اور اس سے ڈرتے رہنا ہی تمام اچھے اعمال کی روح ہے اگر دل خوفِ الٰہی سے خالی ہے تو زندگی اطاعتِ الٰہی سے خالی ہے اس کی مثال میں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص کے اعمال نامہ میں توحید کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ تھی۔ اس خوف سے اس نے مرنے سے پہلے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر راکھ کر دینا اور اس راکھ کو منتشر کر کے سمندر میں ڈال دینا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے وارثوں نے اس کی لاش کو راکھ بنا کر منتشر کر کے سمندر کی نذر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح سے سوال کیا کہ تم نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔؟ تو اس نے کہا کہ اے خدا! محض تیرے خوف اور ڈر سے یہ سن کر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا۔[3] آپ کی اس خصوصیت کی وجہ سے لوگ متمنی رہتے تھے کہ آپ اپنی تقریر کا سلسلہ دیر تک جاری رکھیں مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس نکتہ سے بخوبی واقف تھے کہ تقریر کی طوالت سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳ سیر اعلام النبلاء ص ۳۴۶

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۔ [3] مسند احمد۔ ج ۱ ص ۳۹۸۔

لوگ اکتاجاتے ہیں اور دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تقریر اتل و دل ہوتی تھی یعنی الفاظ تھوڑے مگر جامع ہوتے تھے ابو معدل چنانچہ عبداللہ بن مرۃ کہتے ہیں۔

کان عبد اللہ بن مسعودؓ یخطبنا کل خمیس فیتکلم بکلمات فیسکت حین یسکت ونحن نشتھی ان یزید نا۔	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر پنج شنبہ کو وعظ کہتے تھے بہت مختصر باتیں فرماتے تھے ہمارا شوق باقی رہتا تھا کہ آپ وعظ ختم کر دیتے۔

اسی طرح آپ شائقین کے اصرار کے باوجود گفتگو طویل کرنے اور وعظ گوئی سے احتراز کرتے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کثرت وعظ لوگوں کے دلوں سے نصیحت کی اہمیت کو کم کر دیتی ہے۔ ایک مرتبہ لوگ بہت دیر تک اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ حضرت ابن مسعودؓ تشریف لائیں تو ہم لوگ ان کی نصیحتوں سے مستفید ہوں۔ لیکن جب آپ کو گھر سے نکلنے میں دیر ہوئی تو یزید بن معاویہ نخعی نے اندر خبر بھجوائی کہ معتقدین بہت دیر سے منتظر ہیں۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا: "مجھا کو مجھ کو معلوم تھا کہ آپ لوگ دیر سے تقریر سننے کے شوق میں بیٹھے ہیں لیکن میں نے جان بوجھ کر دیر کی کیونکہ بار بار کے بیان سے انسان اکتا جاتا ہے اس لئے میری تقریر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے اکثر ناغہ کر کے تقریر فرمایا کرتے تھے۔"[1]

جمع قرآن میں حضرت عثمانؓ سے اختلاف

حضرت عبداللہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے طور پر قرآن

---

[1] بخاری شریف و مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۷۷

ترتیب جمع کیا تھا۔ اپنے قرآن کے ساتھ آپ نے اپنی یادداشتیں بھی لکھ لی تھیں مثلاً بعض ایسی آیات جن کی تلاوت اب باقی نہیں رہی تھی۔ کچھ آیتوں کے معنے اور مطالب جیساکہ علامہ ذہبیؒ نے طبقات القراء میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

وکان ممن جمع القرآن علی	آپ ان صحابہؓ میں ہیں جنھوں نے آنحضرت
عهد رسول الله صلی الله علیه	صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی قرآن حفظ
وسلم وتلقن نامته منه واقرأ	کر لیا تھا قرآن کا بڑا حصہ براہ راست
وکان یفتخر بحق له قرأ علیه	آپ ہی سے پڑھا تھا اور آپ کی زندگی
علقمه والاسود ومسروق	میں پڑھا آپ کا اس پر فخر حق بہ جانب تھا
وزر ابن حبیش وزید بن	آپ سے علقمہ، اسود، مسروق اور زر بن حبیش
وهب وابو عمرو الشیبانی وابو	زید بن وہب، ابو عمرو شیبانی اور عبد الرحمن سلمی
عبد الرحمن السلمی وطایفة	کے علاوہ بے شمار لوگوں نے قرآن پڑھا۔[1]

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ حضرات شیخینؓ کے جمع کردہ قرآن کی اشاعت ہو اور اگر دوسرے مصاحف بھی باقی رہیں تو ان سے آئندہ اختلاف کا اندیشہ ہے لہذا انہیں تلف کر دیا جائے۔ حضرت ابن مسعودؓ اس خیال کے مؤید نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو قرآن انھوں نے جمع کیا تھا اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرستادوں سے کچھ گستاخی سرزد ہوئی جو حضرت عثمانؓ سے شکر رنجی کا موجب ہوئی مگر آخر میں یہ تکدر رفع ہو گیا۔[2] آپ کے انکار کی وجہ ظاہر تھی کہ جو مصحف آپ کے پاس تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

---

[1] کشف الغمام ج اول ص ۲۵۲۔

میں خود اُن کا جمع کردہ تھا مصحف صدیقی کی تدوین و ترتیب حضرت زید بن ثابتؓ کے ہاتھوں ہوئی۔ جس زمانہ میں آپ قرآن کی تعلیم حاصل فرما رہے تھے اس وقت زید بن ثابتؓ اتنے صغیر سن تھے کہ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآنی علوم میں جو تبحر حاصل تھا اس کا حال گذر چکا ہے، علمائے متاخرین بھی آپ کا تذکرہ بدیں الفاظ کرتے ہیں۔

من کبار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنھم وساداتہ فقہائھم[2]	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے اور ابتدائی صحابہ اور صحابہ میں جو فقیہ حضرات تھے ان کے سردار

قرآن کے بارہ میں تو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من اراد ان یسمع القرآن غضا کما انزل فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبدؓ۔[3]	جو شخص قرآن کو تر و تازہ اس طرح پڑھے جیسا کہ وہ نازل ہوا تو ابن مسعودؓ کی قرأت سے پڑھے۔

اس نبوی سند کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اپنا مصحف حوالہ کرنے میں غور و خوض کرنا بالکل درست تھا۔ امیر المومنینؓ کے حکم کی تعمیل بغیر پس و پیش کے کیوں نہیں کی آپ پر یہ الزام آپ کی وقعت کو کم کرنے والا نہیں ہے بلکہ علم و فہم کے جس درجہ پر آپ تھے آپ کے لیے غور و تامل اور اس حکم کی تعمیل کے دور رس نتائج کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے۔

آپ کا طریق روایت

حضرت ابن مسعودؓ حدیث کی روایت اس طور سے فرماتے کہ جس ذات اقدس

---

[1] نسائی کتاب الزینۃ [2] کتاب الانساب: مقالہ سمعانی، [3] سیر اعلام النبلاء ص: ۳۶۲

کی ہدایتیں امت کو پہنچا رہے ہیں اس کی اہمیت سننے والا محسوس کرے سننے والے کے پیش نظر وہ نقشہ ہو جاتا کہ وہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہی یہ حدیث سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے لوگوں کے سامنے ایک مفصل حدیث بیان کی جس میں مومنین کے لئے جنت میں باری تعالیٰ سے شرف کلام سے نوازے جانے کا ذکر تھا۔ حدیث ختم کر کے مخصوص انداز میں مسکرائے اور فرمایا کہ جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرایا؟ لوگوں نے کہا جی نہیں! آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اسی طرح مسکرائے تھے[1]۔

روایت حدیث میں احتیاط

پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتا تھا۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار	جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑے تو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

ثابت بن قطبہ کہتے ہیں۔

کان ابن مسعودؓ یحدث فی الشھر بالحدیثین والثلاثۃ[2]	آپ مہینہ میں دو تین حدیث بیان کرتے تھے۔

اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ روایت کرتے وقت اس کی نسبت براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے سے بچا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں۔

---

[1] مسند احمد ج اوّل ص ۴۴۸

[2] دارمی: کتاب العلم۔

اختلفت الى ابن مسعودؓ حولاً لا يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ فاذا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم استقلته الرعدة وقال هكذا او نحو ذا او قريب من ذا۔[1]

کہ میں سال بھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھا رہا اگر کبھی یہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرماتے تھے اور اگر کبھی ان کے منہ سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور آپ فرماتے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اس جیسا فرمایا یا اس کے لگ بھگ فرمایا۔

علقمہ بن قیسؒ کہتے ہیں۔

ان عبد الله بن مسعودؓ كان يقوم قائماً كل عشية خميس فما سمعته في عشية منها يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم غير مرة واحدة قال فنظرت اليه وهو معتمد على عصا فنظرت الى عصاه تتزعزع۔[2]

عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے مگر کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرماتے تھے مگر صرف ایک بار آپ کی زبان مبارک سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کانپ رہے ہیں جس عصا پر آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے وہ بھی ہل رہا تھا۔

طبقات میں ہی عمرو بن میمون کی ایک روایت اس سلسلہ میں یہ ہے۔

اختلفت الى عبد الله بن مسعودؓ سنة ما سمعته يحدث فيها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يقول

میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جاتا رہا میں نے نہیں سنا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوں

---

[1] ذہبی، ج اول، ص ۱۴۔ [2] طبقات ج سوم ق اول ص ۱۱۱

فیما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انہ حدث ذات یوم بحدیث فجری علی لسانہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرادہ الکرب حتی رأیت العرق یتحدر عن جبینہ ثم قال ان شاء اللہ اما فوق ذالک واما قریب من ذالک واما دون ذالک۔

سنتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے مگر ایک دن آپ حدیث بیان کر رہے تھے کہ آپ کی زبانِ مبارک پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گیا میں نے دیکھا کہ آپ اتنے ڈر گئے کہ پسینہ آپ کی پیشانی سے بہنے لگا آپ نے فرمایا انشاء اللہ کچھ اس سے کچھ اونچی بات یا کچھ اس سے قریب قریب یا کچھ اس سے کم بات۔

آپ کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ۔

علم بہت روایتیں کرنے کا نام نہیں ہے علم خوفِ خدا کا نام ہے۔

ابن حبان روضۃ الفضلاء میں لکھتے ہیں۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ انما العلم بالحسبۃ۔

علم بہت روایت کرنے کا نام نہیں بیشک علم اللہ سے ثواب طلب کرنے کی نیت کا نام ہے۔

تقریباً نبوت کی تمام مدت یعنی ۲۲ سال کے لگ بھگ آپ شرفِ صحبت نبوی سے سعادت اندوز رہے اور محدثین روایتوں کی تعداد صرف ۸۴۸ بیان کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ حدیث کی روایت میں آپ کس قدر احتیاط فرماتے تھے اس مقالہ کے سلسلہ میں صحاح ستہ سے آپ کی جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں نفس مضمون کے لحاظ سے ان کا شمار ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتا۔

روایت کی قلت و کثرت تعداد کی بنیاد پر صحابہؓ کے چار طبقے ہیں۔

۱۔ مکثرین:۔ وہ صحابہ جن کی روایت ہزار یا اس سے زیادہ ہو۔

۲۔ متوسطین:۔ وہ صحابہؓ جن کی روایت ہزار سے کم اور پانچ سو سے زیادہ ہو۔

۳۔ وہ صحابہؓ جن کی روایت پانچ سو سے کم اور کم سے کم چالیس ہو۔

۴۔ مقلین:۔ جن کی روایت چالیس سے بھی کم ہو۔

اس لحاظ سے آپ کا شمار متوسطین میں ہوتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں[1] لیکن عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا علی ابن ابی طالبؓ وغیرہ کو متوسطین کے طبقہ میں شمار کرنے میں مجھ کو کلام ہے کیونکہ ابن مسعودؓ سیدنا علی بن ابی طالبؓ وغیرہ سے فقہ احسان وحکمت کے بہت سے مسائل منقول ہیں گو ظاہر میں وہ ان کے اقوال ہیں مگر درحقیقت وہ حدیثیں ہیں اور ان کے حدیث ہونے کی متعدد دلیلیں ہیں اور اس میں شک ہو اور اس بات پر یقین نہ ہو تو اس کی سچائی پرکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے تمام فتووں کا دوسرے صحابہؓ کی ان حدیثوں سے موازنہ کرو جو محدثین کے معیار پر صحیح ثابت ہو چکی ہیں۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان مسائل میں سے کس قدر آپ کے اقوال ان احادیث صحیحہ کے موافق ہیں بلکہ ان کے بہت سے اقوال مفہوم ومعنے کے لحاظ سے بالکل ایک ہی ہیں تو پھر ان حضرات کے موافق ہیں بلکہ ان کے بہت سے اقوال ومسائل ان احادیث کے موافق ہیں خود وہ صحیح حدیث ہیں ان مسائل وفتووں کے صحیح حدیث ہونے میں کسی سمجھدار اور عقلمند آدمی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ پس اس بناء پر یہ دونوں حضرات حقیقۃً مکثرین میں ہیں، اگرچہ اصطلاحاً نہ سہی۔

حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اس دلیل کی بناء پر اگر دیکھا جائے تو حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ہزار سے بھی بہت اوپر پہنچ

---

[1] ازالہ الخفا مقصد دوم ص ۲۱۴

جاتی ہے کہ صحاح اور مسانید وغیرہ میں ان کی تعداد روایت ہم کو ۸۴۸ نظر آتی ہے ان میں سے ۶۴ بخاری و مسلم میں مشترک ہیں اور صرف بخاری میں ۲۱ اور مسلم میں ۳۵ علیحدہ مشترک ہیں بمضمون کے لحاظ سے ڈھائی سو کی تعداد صحاح ستہ کی حدیثوں کی نہیں ہوتی۔

گو اصطلاحاً آپ کی روایت کردہ حدیثوں کی بنا پر آپ کا شمار متوسطین میں کیا گیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہؒ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سیدنا علیؓ کے اقوال اور فتوؤں کو جمع کیجئے۔ پھر فقہ حنفی کے مسئلوں کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے کہ یہ اقوال اور فتاوی جو فقہ حنفی کے نام سے دنیا میں مشہور ہیں دوسرے صحابہ کی کتنی صحیح حدیثوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔

شاگردوں کو بھی احتیاط کی تاکید

علامہ ذہبیؒ حضرت ابن مسعودؓ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔ کان ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ من التہاون فی ضبط الالفاظ۔ خود بھی بڑی احتیاط فرماتے تھے اور آپ اپنے شاگردوں کو بھی سہل نگاری سے سختی سے منع فرماتے تھے۔

ان کے ایک مخصوص شاگرد حضرت مسروق کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ اکثر افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ بہت جلد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اہل علم باقی نہ رہیں گے اور مذہبی و دینی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی جو اپنی جہالت کی وجہ سے ہر معاملہ میں قیاس آرائی کریں گے۔[1]

---

[1] اعلام الموقعین ص ۶۴۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حدیث کی روایت میں حفظ و دیانت کے ساتھ فہم و فراست کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ روایت پہنچانے اور اس کے ادا کرنے میں الفاظ و مطالب کے لحاظ سے کسی قسم کی غلطی نہ ہو۔ راوی پر اس کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور رب کی جواب دہی اس پر مستزاد ہے۔ اس کی ذرا سی بے احتیاطی سننے والوں کی گمراہی کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں روایت کی کثرت سے روک دیا تھا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں۔

ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعودؓ	حضرت عمرؓ نے ان تین آدمیوں کو حدیث
وابا الدرداءؓ وابا مسعود الا	بیان کرنے سے روک دیا تھا۔ عبداللہ بن
نصاریؓ فقال لقد اکثرتم	مسعودؓ، ابو درداءؓ، عویمر اور ابو مسعودؓ
الاحادیث عن رسول اللہ	(عقبہ بن عمرو بدری) انصاری۔
صلی اللہ علیہ وسلم۔	

یہاں حبس[1] کے معنی قید کے نہیں ہیں بلکہ روک دینے کے ہیں جس کی وجہ بعض کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے ان بزرگوں کو کثرت روایت کی بنا پر قید کر دیا تھا یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے دل میں حضرت عبداللہؓ کا جو مقام تھا اس کے پیش نظر یہ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ کو روایتِ حدیث سے منع فرمایا اور یہ باز نہیں آئے تو مدول حکمی کی سزا میں انہیں قید کر دیا گیا عقل اس کو بھی تسلیم نہیں کرتی کیونکہ خود حضرت عبداللہ کے دل میں بھی حضرت عمرؓ کی

---

[1] حبس عن الکلام، بات سے روک دیا بحوالہ مصباح اللغات۔ یہاں حبس کے معنی زبان بندی کے ہیں۔

بڑی قدر و منزلت تھی[1]۔ محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اصحاب میں سے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس کے فتاویٰ اور فقہی اجتہادات مرتب کئے گئے ہوں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کسی بات کو ناپسند فرمائیں اور حضرت عبداللہ کو اس سے منع کریں اور حضرت عبداللہ اس کو نہ مانیں۔

پھر آپ جس قدر روایت کرنے میں محتاج تھے اس کے پیش نظر قید کرنے کا واقعہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

ذوق محادثہ

حضرت ابن مسعودؓ کو روایت حدیث کے ساتھ فطری لگاؤ اور شیفتگی تھی۔ اکثر مجالس میں خود حدیث بیان فرماتے اور دوسرے صحابہؓ سے سنتے اس کے معانی و مطالب پر غور کرتے دوسروں کو غور و فکر کی دعوت دیتے۔ کبھی کبھی وہ شوق میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ہاں خود مذاکرہ کے لئے پہنچ جاتے۔ اپنے علم سے انہیں بہرہ ور کرتے اور ان سے کوئی نئی حدیث یا حدیث کے سلسلہ میں کوئی نئی بات معلوم ہوتی تو اس سے بخوشی استفادہ فرماتے اس میں اپنی کسی طرح کسر شان محسوس نہ کرتے۔ وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں اپنے گھر تھا دوپہر کا وقت تھا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس وقت کوئی میرے دروازے پر آنے کی زحمت اٹھائے گا۔ اچانک باہر سے السلام علیکم کی آواز آئی میں نے آواز نہیں پہچانی مگر جواب دیدیا اور معاً یہ دیکھنے کو کہ اس وقت کون اللہ کا بندہ یہاں تک تکلیف کر کے آیا ہے۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن بھلا یہ کونسا

---

[1] الاحکام ص ۱۴۰۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صریحاً کذب ہے۔

وقت ملاقات کا ہے؟ آپ نے بڑی زحمت اٹھائی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ آج فرصت ملی تو ارادہ کیا کہ کسی صحبت یافتہ سے باتیں کر کے عہد نبوی کی یاد تازہ کروں۔ میں نے کہا بصد شوق تشریف رکھیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ بیٹھ گئے اور حدیثیں بیان فرمانے لگے۔ کافی دیر تک یہ پر لطف اور روح پرور صحبت جاری رہی۔[1]

غلطی سے رجوع میں عار نہ فرماتے

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کتاب و سنت کے علم اور اجتہاد کی غیر معمولی قوت کے باوجود اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ ان سے کسی فیصلہ میں کچھ غلطی ہوئی ہے تو وہ عالمانہ شان برقرار رکھنے کی کوشش غلط تاویل کے سہارے نہ کرتے بلکہ بلا پس و پیش غلطی کا اعتراف کر لیتے اور پھر سائل کو صحیح جواب دیتے۔ ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی نے نکاح کیا مگر ابھی تک اپنی بیوی کے ہاتھ نہ لگایا اور وہ اس کو طلاق دیدے تو کیا طلاق دینے کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواز کا فتویٰ دیا لیکن جب مدینہ آئے تو دوسرے صحابہؓ سے تذکرہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس صورت میں نکاح ناجائز ہے تو اہتمام کر کے حضرت ابن مسعودؓ کوفہ آئے تلاش کر کے مستفتی سے ملے اور نکاح کے فسخ کرنے اور اس بیوی سے علیحدہ ہونے کا حکم دیا۔[2]

نامعلوم مسائل پر رائے زنی سے احتراز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آجاتا جس کے فیصلہ میں کتاب و سنت کی کوئی ہدایت آپ کو نہ ملتی تو آپ فتویٰ دینے سے

---

[1] مسند احمد ج اول ص ۴۴۸ [2] موطا امام مالک ۱۹۳

انکار کر دیتے لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھ جاتا تو غور و فکر کے بعد اجتہاد سے کام لے کر اس کا فیصلہ کرتے اور جب بعد میں یہ معلوم ہو جاتا کہ ان کا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوا ہے تو وہ اس موافقت پر بہت خوش ہوتے اور دلی مسرت کا اظہار کرتے۔ ایک عورت کا شوہر خلوت صحیحہ کئے بغیر مر گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ عورت مہر و وراثت کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ اس واقعہ کی کوئی نظیر آپ کے سامنے نہ تھی اس لئے جواب دینے سے انکار کر دیا اور لوگوں کے بے حد اصرار کے باوجود ایک ماہ تک اس مسئلہ میں بالکل خاموش رہے لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا اور میراث میں حصہ پائے گی اور عدت بھی اس پر واجب ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ خدا اور اس کا رسولؐ اس سے بری ہیں۔ اس وقت دو صحابی حضرت جراحؓ اور حضرت ابوسنانؓ (معقل بن سنان الاشجعی بعض روایتوں کے مطابق سلمہ بن یزید) موجود تھے انہوں نے فوراً اٹھ کر اس فیصلہ کی تائید کی اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے متعلق اسی صورت میں یہی فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔[۱]

معاصرین سے استفادہ

جو مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو بے تکلف دوسرے اہل علم سے پوچھ لیتے اور اس میں اپنی کسر شان محسوس نہ کرتے اپنی ہوی کی کنڈی خریدلی مگر شرط کے ساتھ اس پر

---

[۱] سنن نسائی۔

بے اطمینانی کی وجہ سے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا اور ان کے فیصلہ پر عمل کا واقعہ عہدِ فاروقی کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

درس و تدریس اور تلامذہ

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی، امیر کوفہ کا مشیر اور بیت المال کا نگران بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن آپ نے اہلِ کوفہ کی دینی و مذہبی تعلیم و تربیت میں اپنے وقت کا بڑا حصہ صرف کیا۔ کوفہ میں قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم کے لئے باضابطہ درس گاہ کھول دی اور شاگردوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ بیک وقت اتنی بڑی تعداد کا صرف ایک شخص کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کی مثال اس عہد میں کوئی اور نہیں مل سکتی۔ علامہ ذہبیؒ طبقات القراء میں لکھتے ہیں وتفقہ بہ خلق کثیر وکانوا لایفضلون احدا فی العلم علامہ نووی تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں۔ سمع عنہ خلائق لا یحصرون من کبار التابعین۔

اسرار الانوار میں ہے ہکان ابن مسعودؓ بالکوفۃ ولہ اربعۃ آلاف تلمیذ یتعلمون بین یدیہ کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے چار ہزار شاگرد تھے کسی درس کی حسن و خوبی کا اندازہ دو باتوں سے لگایا جا سکتا ہے[1]

(۱) اول اس کے معلمین یا اساتذہ (۲) دوسرے وہاں کے تعلیم پائے ہوئے طلباء ہوے۔ اگر کسی دار العلوم کے اساتذہ اپنے فضل و کمال اور علمی تبحر میں لاثانی ہوں تو اس دار العلوم کی عظمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ اگر موس استعداد اور اچھی علمی صلاحیت کے حامل ہوں تو یہ بھی اس درس گاہ

---

[1] احکام القرآن ج اول ص ۔

کی عظمت و بلندی کی دلیل ہے اس اعتبار سے حضرت ابن مسعودؓ کا قائم کردہ دار العلوم کوفہ میں اپنے حسنِ تعلیم اور کثرت سے علماء پیدا کرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے معلم اول تو خود حضرت ابنِ مسعودؓ تھے اس درس گاہ سے شاگرد بھی ایسے نکلے کہ تا قیامت تک اہلِ علم ان کے چشمہ علوم و فنون سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ تاریخ کے امام طبری لکھتے ہیں کہ اسلام میں ابنِ مسعودؓ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس کے درس سے ایسے نامور علماء نکلے ہوں اس کے بعد آپ کہتے ہیں

لم یکن احد لہ اصحاب معروفون حرروا فتیاہ
ومذاھبہ فی الفقہ غیر ابن مسعودؓ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اہلِ کوفہ کو دینی رنگ دینے کا کام اس وقت سے شروع کیا جب کوفہ کی بنیاد ۱۷ھ میں پڑی اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اپنے قیام کوفہ تک آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ مفسرین، محدثین، فقہاء اور قراءت سے بھر گیا۔ کوفہ کی علمی مرکزیت کا یہ حال ہوا کہ وقتاً فوقتاً بڑے بڑے صحابہ بھی اپنے مبارک قدموں سے اس سرزمین کو سعادت بخشتے رہے۔ حضرت علیؓ نے کوفہ تشریف لانے پر حضرت ابنِ مسعودؓ کے علمی کارنامہ پر جس حیرت و مسرت کا اظہار کیا اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ کوفہ اپنی علمی فضل کی وجہ سے اس قدر مشہور ہوا کہ سارے عالمِ اسلام میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم اور کوفہ لازم و ملزوم سمجھے جانے لگے۔ وہاں جتنے مفسرین، محدثین اور فقہاء تھے اتنے کسی اور اسلامی شہر میں نہ تھے۔ یہ فخر صرف کوفہ کو حاصل تھا۔ یاقوت الحموی کا بیان ہے کہ فاروقِ اعظمؓ نے کعب الاحبارؓ

۱۔ معارف ابن قتیبہ

سے تمام اقالیم کو دریافت فرمایا۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد جو شے جس کو مناسب ہوئی اس کو وہی عطا کر دی۔ عقل نے اہلِ عراق (کوفہ) کو پسند کیا تو علم نے کہا میں تیرے ساتھ ہوں[۱]۔ عبدالجبار بن عباسؒ کہتے ہیں کہ میرے باپ عباس کے عطاء بن رباحؒ محدث مکہ سے مسائل دریافت کئے تو پوچھا تمہارا مکان کہاں ہے؟ میرے والد نے جواب دیا کہ کوفہ میں عطاء نے فرمایا تعجب ہے کہ تم مجھ سے مسائل دریافت کرتے ہو حالانکہ مکہ میں علم کوفہ ہی سے آیا ہے[۲]۔ تمام بڑے بڑے شہروں کے اہلِ علم نے اپنے شہر میں آئے ہوئے صحابہؓ کا شمار کیا ہے اور کتابوں میں ان کی تعداد درج کی ہے۔ علامہ سیوطی نے مصر کو رونق بخشنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد لکھی ہے جو بمشکل تمام تین سو تک پہنچ سکی ہے اور العجلی نے صرف ان صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار گنائی ہے جنہوں نے کوفہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا انہ توطن الکوفۃ وحدھا من الصحابۃ الف وخمس مائۃ صحابی سوی من اقام بھا ونشر العلم بین ربوعھا ثم لم یتحول الی بلاد کثیر نضاد من بلاد العراق[۳]۔ ان میں ستر تو بدری ہی تھے اور پندرہ سو کی اس تعداد کے علاوہ اور بہت بڑی تعداد ان کی ہے جو کوفہ میں تشریف لائے اور کچھ مدت رہ کر علم کی اشاعت کی پھر وہاں سے دوسرے شہروں کو منتقل ہو گئے۔ یہ حال تو عراق کے صرف ایک شہر کوفہ کا تھا اس کے علاوہ عراق کے اور شہروں میں جو صحابہ کرامؓ آکر مقیم ہوئے ان کی تعداد الگ ہے۔ علامہ رازی کہتے ہیں کہ جو قراء عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے ساتھ حجاج بن

---

[۱] معجم البلدان، ج اول، ص ۵۰ [۲] طبقات ابن سعد
[۳] مقالات کوثری، ص ۱۳۱

یوسف کے مقابلہ کے لئے ۸۲ھ میں نکلے تھے ان میں صرف قراء کی تعداد چار ہزار تھی۔ اسی ایک واقعہ سے کوفہ کی علمی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی آپ کے سوانح کے آخر میں ایک سو چالیس شاگردوں کی فہرست درج کی ہے جس میں حضرت علقمہ بن قیسؒ، حضرت اسودؒ، حضرت مسروقؒ، حضرت عبیدہؒ، حضرت حارثؒ، حضرت قاضی شریحؒ اور حضرت ابو وائلؒ وغیرہ جیسے یکتائے روزگار بھی شامل ہیں ان میں سے ہر ایک نے عالم اسلام میں بڑی شہرت حاصل کی حضرت ابن مسعودؓ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں جو خصوصیت حاصل تھی وہی خصوصیت حضرت علقمہ کو حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک تھی جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اخلاق اعمال اور سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھے۔ اسی طرح علقمہؒ اپنے استاد حضرت ابن مسعودؓ کا آئینہ کہلائے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبیدہ کا یہ حال ہے عن الاعمش عن تميم بن سلمة كان ابو عبيدة اشبه صلاة بعبد الله فرأيته يصلي لما يحرك شيئاً وما يطرف۔

(التاریخ الکبیر بخاری)

یوں تو حضرت علقمہؒ سفر میں بھی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہتے تھے لیکن اگر کسی مجبوری کی بناء پر کبھی ساتھ نہ رہ سکتے تو اپنے کسی خاص آدمی کو ساتھ کر دیتے کہ وہ حاضرِ خدمت رہے اور جو کچھ دیکھے اس سے مطلع کرے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت علقمہ کسی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ جا سکے تو انھوں نے مجھ کو ان کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ ان کی خدمت میں رہو اور جو کچھ دیکھو اور سنو اس سے مجھے مطلع کرنا۔

حضرت خبابؓ نے ایک مرتبہ پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ کے یہ شاگرد بھی آپ کی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا اگر آپ کہیں

تو کسی سے پڑھا کر سنواؤں۔ حضرت خبابؓ نے کہا کہ ضرور سنوائیے۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے اسی بھرے مجمع میں حضرت علقمہؓ سے کہا کہ پڑھو۔ انھوں نے تعمیل حکم کی۔ پچاس آیتیں اس طرح پڑھیں کہ سماں بندھ گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ کہئے کیا رائے ہے۔ حضرت خبابؓ نے بہت سراہا۔[1]

معتقدین کا ہجوم

تلامذہ کے غیر معمولی ہجوم کے علاوہ معتقدین بھی بڑی کثرت سے آپ کو گھیرے رہتے تھے اور طرف کے مطابق علم و فن کے بحرِ ذخار سے کسب فیض کرتے رہتے تھے۔ شقیق بن سلمہ ابو وائلؒ الکوفی کہتے تھے کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر حضرت ابن مسعودؓ کے مکان پر ان کے باہر آنے کا انتظار کرتے رہتے تھے تاکہ ان کے وعظ و پند سے استفادہ کر سکیں۔

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بیٹھتے اور ان سے علم حاصل کرتے۔ ایک روز حسبِ معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص یا ابا عبدالرحمٰن کہتا ہوا داخل ہوا۔ آپ نے بجائے جواب سلام کے فرمایا صدق اللہ و رسولہ یعنی خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا یہ کہا اور گھر میں چلے گئے ہم کو سلام کے اس جواب پر سخت حیرت ہوئی مگر آپ اندر جا چکے تھے کچھ پوچھ نہ سکے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے پوچھا اس شخص کے سلام کا جو جواب آپ نے دیا وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہچان پہچان کر سلام کرنا، تجارت میں ترقی اور تجارت میں عورتوں کی شرکت اور اعزہ کے ساتھ بدسلوکی جھوٹی شہادت اور کتمان حق قرب قیامت کی

---

[1] بخاری ج دوم ص ۶۳۰ [2] مسند احمد ج اول ص ۴۰۷۔

فضائیاں ہیں۔[1]

یوں تو آپ کے ہاں ہجوم رہتا تھا لیکن طلوع آفتاب کے بعد کا وقت قسم قسم کے مسائل کے جواب دینے کے لئے تھا۔ ابو وائلؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ صبح کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں گئے اور انہیں تسبیح و تہلیل میں مشغول پایا جب آفتاب نکل آیا تو ایک شخص نے کہا کہ میں نے رات نماز میں پوری آخری منزل پڑھی عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہاں شعر کی طرح جلد جلد پڑھی ہوگی۔ پھر فرمایا کہ ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور ہمیں وہ دو دو ملتی جلتی سورتیں یاد ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ آپ دس سورتیں مفصل کی اور دو سورتیں حٰم کی پڑھتے تھے۔[2]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا استفتاء آیا کہ ایک شخص اپنی ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑ کر مرا اب اس کا ترکہ ان تینوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی حق دار ہیں اور پوتی کو کچھ حصہ نہیں ملے گا اور وہ محروم الارث ہوگی۔ اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مستفتی کو تاکید کی کہ اس کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جا کر کر لو مستفتی نے یہ مسئلہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے جواب کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں پیش کیا اور ان کی رائے پوچھی۔ انھوں نے استفتاء اور اس کا جواب دیکھا تو فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ابوموسیٰ کے فیصلہ کو ترجیح دوں یعنی ان کے اس جواب کی تصدیق کر دوں، تو میں غلطی کروں گا۔ اس کے بعد انھوں نے استفتاء کا جواب اس طرح دیا کہ بے شک بیٹی نصف حصہ کی حقدار ہوگی لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لئے چھٹا پوتی کو بھی ملے گا۔[3]

---

[1] الادب المفرد امام بخاری باب ۴۸۰ حدیث ۱۰۴۹ باب من کرہ تسلیم الخاصہ

[2] ترمذی بخاری باب السلام بالمعرفۃ۔ [3] بخاری جلد ۲ ص ۹۹

چنانچہ یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا آج معمول ہے۔

فرائض کے ابواب میں کثرت سے آپ کے فتوے نقل کئے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کسی نے پوچھا کہ اگر غلطی سے کسی کے حلق میں بیوی کا دودھ چلا جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی یا نہیں؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا ہاں حرام ہو جائے گی۔ حضرت ابن مسعودؓ پاس ہی بیٹھے تھے اُنھوں نے یہ جواب سنا تو تعجب سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح یہ فتویٰ دیا مدتِ رضاعت تو صرف دو سال ہے اور جب رضاعت ثابت نہیں ہوئی تو بیوی کس طرح حرام ہو جائے گی۔ حضرت ابو موسیٰؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور بر وقت اصلاح کے لئے حضرت ابنِ مسعودؓ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھنے والے سے کہا کہ دیکھو جب تک تم میں یہ بڑا عالم موجود ہے ہم سے مسئلے مت پوچھا کرو۔

شرک و بدعت کے فہم میں آپؓ کی دقیقہ رسی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی خصوصیتوں میں سے یہ بہت وقیع امر ہے کہ بدعت کی حقیقت کو آپ نے خوب سمجھا اور بڑی سختی سے بدعت کی راہ اختیار کرنے سے امت کو روکا۔ بدعت سے بچنے کی تاکید آپ نے جس قدر کی ہے کسی دوسرے صحابی سے ممانعت کی اتنی روایتیں نہیں ہیں آپ کی وہ حدیث جس میں آنحضرت

---

* جس بات کے متعلق ہمارا یقین ہو کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا! اللہ تعالیٰ کے پاس یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہم مقبول نہ ٹھہریں گے یا ہماری مقبولیت بڑھ جائے گی یا اس میں سے ہمارے جان و مال کے متعلق میں وسعت و برکت ہوگی یا اس عمل کی برکت سے ہماری مصیبتیں دور ہوں گی اس قسم کی تمام باتیں دینی کہلاتی ہیں. مگر ان کا یا ثبوت شریعت سے نہ ہو یا کبار صحابہؓ نے نہ کیا ہو تو وہ بدعت کہلائے گی۔ اس طرح کسی جائز کام کی شریعت کی طرف سے انجام دینے کی ایک سے زیادہ طریقوں کی اجازت ہے مگر ہم کسی ایک خاص طریقے اور ہیئت کو بغیر کسی شرعی دلیل کے متعین کر دیں اور یہ سمجھیں کہ اس میں ثواب زیادہ ہوگا تو پھر اس کا شمار بھی بدعت میں ہوگا ہاں اگر اس کام کے کسی خاص طریقہ کو صرف اپنی سہولت کے لئے اختیار کرتے ہیں یا کسی کام کو صرف دنیا کے نفع کے لئے اختیار کریں تو اس کو بدعت نہ کہیں گے یعنی وہ دینی بات نہیں ہے۔ ایسی باتوں کے متعلق ہم سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا شرعی ثبوت کیا ہے اور نہ ایسے کام کو بدعت کہیں گے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے اور بدعت سے بچنے کا حکم دیا ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال
خطّ لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خطاً ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خطّ
خطوطاً عن یمینہ وعن شمالہ
وقال ھذہ سبل علی کل سبیل منہ
شیطان یدعو الیہ وقرأ وَاَنَّ
ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (رواہ الدارمی واحمد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط
کھینچا پھر اس خط کے دائیں بائیں کئی ترچھے خط
کھینچے اور فرمایا کہ یہ سیدھا خط اسلام ہے اور یہ جو
آڑے ترچھے خط ہیں ان کے سروں پر شیطان بیٹھا ہے
جب جو بھی اس سیدھے خط کو چھوڑ کر ان میں سے کسی خط پر
چلے گا شیطان اس کو نہیں چھوڑے گا اس کے
بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ان ھذا
صراطی .... الخ

اسلام اسی کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے معبود و حاجت روا ہونے کا انکار کرے اور (بغیر کسی شرکت کے) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے معبود ہونے کا یقین یعنی توحید کا اقرار کرے۔ یہ کلمہ کا پہلا جزء ہے۔ اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول ماننے یعنی زندگی گذارنے کے جس طریقے سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اس کے بتلانے والے اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زندگی گذارنے کے دوسرے طریقہ کو خدا کی مرضی کے مطابق جاننے اور ماننے سے انکار کرے یہ کلمہ کا دوسرا جزو ہے اگلے انبیاء کرام نے بھی اپنی امتوں کو یہی تعلیم دی تھی لیکن ہمارے سامنے ان کے واقعات ہیں کہ وہ گمراہ ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ان دو قسم (شرک و بدعت) کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جانے سے بہت ڈرایا ہے کہ مبادا انسان ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو کر جہنم کا مستحق نہ بن جائے۔

آپ نے اپنی عقل و فہم سے کام لے کر ایمان کی دولت حاصل کی ہے۔ اسلام کے

بعد بھی عقل و فہم سے کام لے کر اپنے علم و عمل میں چوکنا رہنا ہے کہ ایمان میں شرک کی آمیزش اور عمل میں بدعت کا دخل نہ ہونے پائے۔

شرک و بدعت کا ربط و تعلق حقیقت و نتیجہ دونوں کے لحاظ سے

کلمہ طیبہ کے پہلے جزء لا الٰہ الا اللہ کو پوری طرح سمجھنے میں سہل انگاری برتیں یا اس کے تقاضوں پر نظر نہ رکھنے میں شرک میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور دوسرے جزء محمد رسول اللہ کو پوری طرح نہ سمجھیں تو بدعت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے جب کہ شرک و بدعت دونوں حقیقت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں کلمہ کے پہلے جزء کا انکار شرک دوسرے جزء کے تقاضوں سے بے پروائی بدعت، پھر دونوں کے نتیجوں کا ایک ہونا بالکل مطابق عقل و فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی حاجت روائی میں شریک سمجھنا شرک ہے[1]۔ اور جو بات دین کی نہ ہو اس کو دین سمجھنا بدعت ہے۔ مومن یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ (معبود، ورب و حاجت روا) نہیں ہے۔ مشرک دوسروں کو بھی حاجت روائی میں کسی درجہ میں شریک سمجھتا ہے۔ دونوں میں اصلی فرق علم ہی کا ہے۔

متبع سنت صرف انھیں باتوں کو دین جانتا و مانتا ہے جن کا پختہ ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے[2]۔ مبتدع (بدعتی) دین میں اضافہ کی تجویز پیش کرتا ہے اس میں بھی اصلی فرق علم ہی کا ہے۔ یہ دونوں غلطیاں علمی ہوئیں۔

آپ سوچئے تو سہی کہ اسباب سے بھری دنیا میں یہ یقین کہ جو کچھ نفع نقصان پہونچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اس کے سوا نہ کوئی ہماری حاجت روائی کر سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے کام میں روڑے اٹکا سکتا ہے، عقل و فہم سے

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی مرضی اور اس کا حکم اس کے سوا سب کے حکم سب کی مرضی پر غالب ہے۔

[2] جن باتوں کا ثبوت خلفائے راشدینؓ یا کبار صحابہؓ میں سے کسی سے ہو اس کو بھی بدعت نہ کہا جائے گا۔

کام ہے بغیر کیسے ممکن ہے؟ آنکھوں پر جو اسباب کا پردہ ہے اس کو دور کر کے اس حقیقت کو پالینا کہ ہر نفع و نقصان اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور حاجت روا صرف اسی کی ذات ہے، اس کے حکم کے بغیر ہمارا بال بیکا نہیں ہو سکتا انسان کی بڑی دانائی و فرزانگی ہے۔

شرک دور کرنے اور بدعت سے بچے رہنے میں انسان کو بڑی محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ انسان کی حاجتیں اس دنیا میں اسباب ہی کے ذریعہ پوری ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے حاجت روا سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ اسباب ہی کو حاجت روا سمجھ بیٹھتا ہے۔ درحقیقت حاجت روائی میں اسباب کو کوئی دخل نہیں۔ یہ صرف ذریعہ اور واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سبب اور واسطہ بنا لیتا ہے۔ حاجت روا بغیر کسی شرکت کے اللہ ہے۔ مگر انسان اپنے مقصد پورا ہونے کے لئے غیر اللہ کی طرف نظر دوڑاتا رہتا ہے۔ غیر اللہ سے حاجت روائی کی تمنا دل میں رکھتا ہے۔

انسان لازوال دائمی راحت (جنت) کا فطرتاً طالب ہے اس کی طلب میں نیکیوں میں اضافہ چاہتا ہے دین کے احکام کی پابندی شاق ہوتی ہے مگر لازوال دائمی راحت (جنت) کا شوق انسان کی فطرت ہے کبھی انسان شیطان کے بہکانے میں آجاتا ہے۔ اس حرص و جلد بازی میں چند کاموں کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ نیک کام ہیں اس فیصلہ کے وقت شریعت کے معیار اس کے پیش نظر نہیں رہتے۔ اپنے خیال سے ایسے چند کاموں کو نیکی قرار دے لیتا ہے جسے دور رس دینی بصیرت صحیح نہیں سمجھتی۔

شرک و بدعت یہ دونوں گمراہیاں وہ ہیں جن میں انسان کے مبتلا ہو جانے کا اندیشہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔[1]

للشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔	چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ آہستہ چال سے شرک تم میں سرایت کر جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔

هل الشرک الا من جعل مع الله الٰهاً آخر۔	شرک یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی معبود قرار دیا جائے۔

تو اس کے جواب میں ارشاد ہوا:۔

والذی نفسی بیده للشرک اخفی من دبیب النمل۔	قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، شرک چیونٹی کی چال سے بھی آہستہ چال چلتا ہے۔

اس کے بعد اس کے دور کرنے کا یہ علاج بتلایا کہ جب تم یہ پڑھ لیا کرو گے تو شرک کے چھوٹے بڑے حصے نکل جایا کریں گے۔

اللّٰهم انی اعوذ بک ان اشرک بک وانا اعلم واستغفرک لما لا اعلم۔	میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس شرک سے جو میرے علم میں ہو اور استغفار کرتا ہوں اس سے جو میرے علم میں نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ شرک سے بچنے کے لئے قلب کی نگرانی سے صدیق کو بھی خلاصی جائز نہیں۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔

---

[1] الادب المفرد حدیث (۷۱۶) باب ۲۹۶

[2] الادب المفرد، حدیث ۷۱۶، باب ۱۷ - ۲۹۶

ان اخوف ما اخاف علی امتی الشرک الاصغر[1] ایک طرف یہ خوف دوسری طرف یہ اطمینان کے شیطان کے بہکانے میں مسلمان نہ آسکے گا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ مسلمان اس کی اطاعت کریں[2]۔

اب یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ کیا شرک ہے؟ جس سے اتنا ڈرایا گیا۔ ہم زبان سے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق ومالک، رزق دینے والا (رزاق) اور حاجتوں کا پورا کرنے والا (رب) کہتے رہتے ہیں پھر بھی دین ودنیا کے جب مختلف کام پڑتے ہیں تو ہم غیر اللہ سے اُمیدیں قائم کر بیٹھتے ہیں کہ وہ ہمارا کام بنا دیں گے۔ یہ توقع غیر شعوری طور پر ہم کو شرک میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ہمارے مرشد و پیر اگر خوش ہو جائیں گے تو دنیا کی حاجتیں بغیر اختیار اسباب پوری ہو جائیں گی یا بغیر اختیار اسباب حصول برکت دین کی بہت سی برکتیں ہم کو ملیں گی۔ یا دنیا کے کاموں میں پیر و مرشد کے خوش رہنے سے ہم کو آسانیاں میسر ہوں گی اور اگر پیر ناخوش ہو جائیں گے تو عاقبت تباہ ہو جائے گی۔ حالانکہ لا الٰہ الا اللہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ نہ غیر اللہ سے ہم کو نفع کی امید ہو نہ غیر اللہ سے کسی خطرہ کا احساس اس توقع اور اُمید قائم کرنے کے باوجود جب مسلمان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم غیر اللہ سے امید رکھتے ہو تو اسے شرک سمجھتا ہے اور شرک سے بیزار ہونے کی وجہ سے اس سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ دل کے چور کو ظاہر نہیں کرتا اور یہ بات زبان پر نہیں لاتا۔ یہاں مثال میں اس جذبہ کو پیش کیا گیا ہے جس سے دین دار طبقہ بھی بچا نظر نہیں آتا۔

---

[1] احمد [2] مسلم

الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

حدیث شریف میں ریا کو بھی شرک اصغر بتلایا گیا ہے جس میں صرف غیر اللہ کی خوشنودی کا خیال کر لیا جاتا ہے۔ غیر اللہ کا خوش کرنا مقصد نہیں بنایا جاتا۔ جہاں مقصد بنا لیا جائے اور اس سے زیادہ درجہ دیا جائے تو اس کے شرک ہونے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔

لا الہ الا اللہ پر صحیح فہم کے ساتھ پختہ یقین ہو تو جہنم سے نجات یقینی ہے اللہ تعالیٰ کے تنہا الہ و رب ہونے کے عقیدۂ توحید کو شرک کے شائبہ سے بچانا جہنم سے نجات پانے کے لئے بے حد اہم ہے اسی طرح کلمہ کے دوسرے جزء (محمد رسول اللہ) کا مفہوم یہ ہے کہ نجات کے لئے وہی طریقۂ زندگی صحیح اور اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اللہ سے پہنچایا ہے تو ہمارے اس اقرار سے ہم پر ضروری ہو گیا کہ ان ہی باتوں کو ہم اللہ کی بات (دین) مانیں جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بات بتلایا جن باتوں کے متعلق ہمارے پاس ثبوت نہیں ہے کہ وہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہے تو ہم اس کو دین قرار نہیں دے سکتے ایسی کسی بات کو دین قرار دینا بدعت ہوگا۔ اس لئے بدعت کا سنت سے امتیاز بھی بے حد اہم ہے۔

نجات حاصل کرنے کے لیے پورے کلمہ یعنی ہر دو جزء کی تصدیق اور ان پر پختہ یقین لازمی ہے جس طرح شرک سے انسان نار کا مستحق قرار پاتا ہے اسی طریقہ سے بدعت سے بھی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے بغیر کسی جزء کو دین قرار دینے سے) انسان مستحق ناری ہو جاتا ہے تو جیسے کہ فہم میں نقصان سے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو سنت کا بدعت سے امتیاز نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رسالت کے دائرۂ حدود سے ہم ناواقف ہیں ہمارے دماغ میں

اس کی وسعت کا پیمانہ صحیح نہیں ہے اس وجہ سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو یہ مشورہ دینا جائز سمجھتے ہیں کہ فلاں بات اور اس کام کا دین میں شمار کرنا مناسب اور بہتر ہے۔ (نعوذ باللہ) اللہ کے رسولؐ پر الزام لگاتا ہے کہ آپ نے اپنے فرضِ رسالت کو پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ دین کی تمام باتوں کو نہیں بتلایا۔ آپ کے بتلانے سے کئی باتیں چھوٹ گئی ہیں (نعوذ باللہ) آپ بھول گئے ہیں ہم یاد دلاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ پھر اس کے بعد کسی چیز کو دینی بات بتلانا اس کو اللہ اور رسول کے مشورہ دینے کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

اس لئے شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے لکھ دیا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے بعد دین میں زیادتی دین میں نقص ثابت کرنا ہے[1] تو جو انسان اسلام اختیار کرنے کے بعد بھی ذکر و عبادت کے من مانے طریقے خود یا دوسروں کے ایجاد کردہ طریقے اختیار کر لیتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے خوش ہو جانے کا کوئی ثبوت اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہے وہ بدعت ہی کا ارتکاب کر رہا ہے کیونکہ جس امر کو شرعی قرار دیا جائے اس کا مضبوط دلیلوں سے شرعی ثابت ہونا ضروری ہے۔

نیک نیتی سے کسی کام کو کر لینا اجتہادی غلطی ہے لیکن شرعی ثبوت اس کو قرار نہیں دیا جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کے لئے چند تجویزیں اپنے ذہن میں گھڑ لیتا ہے کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے

---

[1] فتوحات مکیہ بقیہ جز ۲ ص ۶۱۶۔

بچ جائیں گے حالانکہ اس کو جاننے کی اس کے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کا طریقہ ہے۔

جو عمل کسی دوسرے کے اعتماد پر کیا جائے اسے ارتکاب بدعت سے مستثنیٰ قرار نہیں دے سکتے بلکہ کسی جز کے فہم میں انسان غلطی کرے تو اس سے نار کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔[1]

احسن الهدى، هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الامور محدثاتها.	بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور بدترین کام بدعتیں ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے۔

اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم.	تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ دین میں نئی بات نہ نکالو۔ اللہ کا رسول دین کی باتوں کو بتلانے کے لئے کافی ہے۔

آپ کا یہ قول دوسرے طریقے سے بھی مروی ہے۔

عن ابی قلابة قال قال عبد الله بن مسعود ایاکم والتنطع والتعمق والبدع وعليكم بالعتيق[2]	ابی قلابہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ تم کرید کرنے سے اور عمل کی گہرائی میں جانے سے اور بدعتوں سے بچو تم پر لازم ہے کہ قدیم باتوں کو (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانہ کی باتوں کو)
وعنه نعليكم بالعلم واياكم	قرآن و سنت کے علم کو لازم پکڑو اور بے عقل سے

---

[1] بخاری   [2] دارمی، ص ۵۴

والبدع وایاکم والتنطع وایاکم والتعمق وعلیکم بالعتیق[1]

بچو تم کرید کرنے سے اور بلا ضرورت گہرائی میں جانے سے بچو، اپنے لئے لازم کر لو قدیم باتوں کو (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے زمانہ کی باتوں کو)

آپ کے ایک دوسرے شاگرد حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔

ایھا الناس انکم ستحدثون ویحدث لکم فاذا رأیتم محدثة فعلیکم بالامر الاول[2]

اے لوگو! تم کوئی باتیں ایجاد کروگے اور دوسرے بھی نئی باتیں پیش کریں گے جب تم نئی بات دیکھو تو تم پہلی باتوں کو لازم پکڑو (یعنی ابن مسعودؓ کے زمانہ سے پہلے کی باتوں کو۔)

آپ نے ایک بڑی عمدہ بات فرمائی ہے۔

القصد فی السنة خیر من الاجتہاد فی البدعة۔[3]

میانہ روی سے سنت پر عمل، بدعت میں بہت محنت اٹھانے سے بہت بہتر ہے۔

آپ کی زندگی کے کارنامے بھی اس بات کا بڑا ثبوت ہیں کہ ہر وہ بات جس میں شرک و بدعت کا ذرا شائبہ بھی ہوتا تھا اس سے خود بھی دور رہتے تھے اور دوسروں کو بھی دور رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے زنانہ میں تشریف لے گئے۔ بیوی کے گلے میں ایک دھاگا (ڈورا) بندھا ہوا دیکھا، آپ نے دریافت کیا تو جواب ملا کہ فلاں بیماری کا ٹوٹکا ہے۔ آپ نے پوری قوت سے دھاگے (ڈورے) کو کھینچا۔ وہ دھاگا (ڈورا) ٹوٹ گیا۔ اگر نہ ٹوٹتا تو آپ کی بیوی

---

[1] دارمی، ص ۵۴ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

منہ کے بل بری طرح سے گر جائیں[1]۔ آپ نے فرمایا ٹوٹکا منتر سب شرک ہے یعنی یعنی اسباب مادیہ اختیار کرنے پر انسان مامور ہے اُنگل پچو کو یا کسی چیز کو کسی کا سبب و ذریعہ سمجھ لینا نادانی ہے۔ اسباب یا تو طبعی و فطری ہوں گے یا شرعی جو سبب نہ طبعی ہے نہ شرعی اس کو سبب سمجھ لینا غیبی نافع مان لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیبی نفع کا حامل سمجھنا بڑے خطرہ کی بات ہے اسی طرح سنت کو آپ بڑا خطرناک عمل سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ان پانچ وقتوں کی نماز کی مسجد میں پابندی کرو، جہاں تم کو اذان کے ذریعہ بلایا جاتا ہے۔ جماعت سے نماز پڑھنا ہدایت کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان ہدایات کے طریقوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شریعت بنا دیا ہے۔ صحابہ یہ دیکھتے تھے کہ جماعت سے بجز منافق کے کوئی محروم نہیں رہتا بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد پہنچتا تھا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو۔ اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے اور مسجد نہ آؤ گے تو تم اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے اور تم نے اگر اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا تو گویا تم کفر کے مرتکب ہوئے[2]۔

---

[1] آپ کو ریختی دینی حمیت کی بنیاد پر تھی ورنہ مزاج و طبیعت کے لحاظ سے آپ شیریں خلق اور نرم خو واقع ہوئے تھے۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ ترکِ توحید کی ضد ہے۔ بالکل اسی طرح بدعت سنت کی ضد ہے۔ شرک لا الٰہ الا اللہ کی نفی ہے تو بدعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سے انکار۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کو واضح کیا ہے کہ شرک و بدعت رافع سنت ہے اس لئے دونوں کا انجام نار جہنم کا استحقاق ہے۔ یہ بات حضرت مجدد صاحبؒ اپنی طرف سے نہیں کہتے ان کا قول مسند میں غضیف بن الحارث الثمالی کی روایت سے ماخوذ ہے۔ ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فالتمسک بالسنۃ خیر من احداث بدعۃ کتاب الایمان دارمی میں حضرت حسان نے فرمایا ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینہم الا نزع اللہ من سنتہم مثلہا ثم لا یعیدہا الی یوم القیامۃ (مشکوٰۃ)

[2] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۶۔

عن ابی البختری اخبر رجل
عبد الله بن مسعود ان قوما
یجلسون فی المسجد بعد
المغرب فیهم رجل یقول
کبروا الله کذا سبحوا
الله کذا وکذا واحمدوا
الله کذا وکذا قال
عبد الله فاذا رأیتهم فعلوا
ذالک فأتنی واخبرنی
بمجلسهم فاتاهم فجلس فلما
سمع مایقولون قام وکان
رجلا حدیدا فقال انا
عبد الله بن مسعود
والله الذی لا اله
غیره لقد جئتم ببدعة
ظلما ولقد فضلتم
اصحاب محمد صلی الله
علیه وسلم فقال عمرو
بن عتبة استغفر الله
فقال علیکم بالطریق
فالزموه ولئن اخذتم

ابوالبختری حمید بن عیروز بیان کرتے ہیں کہ ایک
شخص نے عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر دی کہ مسجد میں مغرب
کے بعد کچھ لوگ جمع ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں ان میں سے
ایک آدمی کہتا ہے کہ اتنے بار اللہ اکبر پڑھو، وہ پڑھتے ہیں
پھر وہ کہتا ہے کہ اتنے بار سبحان اللہ پڑھو۔ پھر وہ کہتا
ہے اتنے بار الحمد للہ پڑھو آپ سب واقعہ سنتے رہیں
تو فرماتے ہیں کہ جب تم ان کو ایسا کرتے دیکھو تو میرے
پاس آجاؤ اور مجھے ان کے بیٹھنے کی اور ذکر کرنے کی اطلاع
دو چنانچہ وہ شخص آیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ کو
اطلاع دی آپ ان کے پاس تشریف لائے، بیٹھ گئے سب وہ
ذکر کر رہے تھے جو کہ جب آپ نے سنا تو کھڑے
ہوگئے آپ کی طبیعت میں کسی قدر تیزی تھی، اور
فرمایا لوگو میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں قسم ہے اس ذات
کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ذکر جو تم کر رہے
ہو یہ ظالمانہ بدعت ہے جو تم نے ایجاد کی ہے
کیا تم حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے بڑھ کر
علم رکھتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کا جو طریقہ وہ
نہ پا سکے تم نے اس کو پا لیا ہے تم ان سے بڑھ گئے
یہ تقدمی الٰہی فضیلت ہو گی اور دین کا علم صحابہؓ سے
زیادہ تم کو نہیں ہو سکتا، اس پر عمرو بن عتبہ نے کہا
ہم توبہ کرتے ہیں ہم صحابہ سے بڑھ کر کیسے ہو سکتے ہیں

يمينا وشمالا لتضلوا ضلالا بعيدا۔[1]

ترجمہ: فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی یاد کا
جو طریقہ چلا آرہا ہے صرف اس کی پابندی کرو۔ اگر تم
نے ذرا بھی اس سے دائیں بائیں کی راہ اختیار کی تو تم دور کی
گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

محدث دارمیؒ نے اس واقعہ کو یا اس جیسے دوسرے واقعہ کو اس سے زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے۔

قال كنا نجلس على باب عبد الله
بن مسعودؓ قبل صلاة الغداة
فاذا خرج مشينا معه الى
المسجد فجاءنا ابو موسى
الاشعري فقال أَخَرَجَ
اليكم ابو عبد الرحمٰن بعد
قلنا لا فجلس معنا حتى
خرج فلما خرج قمنا اليه
جميعا فقال له ابو موسى يا
ابا عبد الرحمٰن انى
رأيت فى المسجد آنفا امرا
انكرته ولم ار والحمد لله
الا خيرا قال فما

یہ راوی نقل کرتا ہے کہ ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن
مسعودؓ کے دروازے پر صبح کی نماز سے پہلے آکر بیٹھ
جایا کرتے تھے کہ حضرت عبد اللہؓ جونہی نکلیں تو ہم بھی
نماز کے لیے ان کے ساتھ ہو جائیں اسی حالت میں حضرت
ابو موسیٰ اشعریؓ تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا کیا ابھی
والوں سے پوچھا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ باہر نکلے
یا نہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ابھی تو نہیں نکلے تو حضرت
ابو موسیٰ اشعریؓ بھی یہاں ہی بیٹھ گئے اتنے میں حضرت
عبد اللہ بن مسعودؓ باہر تشریف لائے جب وہ باہر نکلے
تو ہم سب چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ
نے فرمایا کہ میں ابھی مسجد میں بالکل ایک نئی بات دیکھ
کر آیا ہوں لیکن خدا کی قسم کوئی خراب بات نہیں ہے
ابھی تک مگر بدعت معلوم ہوتی ہے حضرت عبد اللہؓ

---

[1] ابن جوزی: تلبیس ابلیس، ص ۴۶

هو فقال ان عشت فستراه
قال رأيت في المسجد
قوما حلقا جلوسا ينتظرون
الصلاة في كل حلقة
رجل وفي ايديهم حصا فيقول
كبروا مائة فيكبرون مائة
فيقول هللوا مائة فيهللون
مائة ويقول سبحوا مائة
فيسبحون مائة قال فماذا قلت
لهم قال ما قلت لهم شيئا
انتظار رأيك او انتظار امرك
قال افلا امرتهم ان يعدوا
سيئاتهم وضمنت لهم
ان لا يضيع من حسناتهم
ثم مضى ومضينا معه حتى
اتى حلقة من تلك الحلق
فوقف عليهم فقال ما هذا
الذي اراكم تصنعون قالوا
يا ابا عبد الرحمن حصا نعد به
التكبير والتهليل والتسبيح
قال فعدوا سيئاتكم

نے فرمایا کہ آپ کیا دیکھ کر آئے ہو؟ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری
نے فرمایا کہ ایک مسجد میں میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ حلقہ باندھ
کر بیٹھے جاتے ہیں ہر ایک گروہ کے ہاتھوں میں کنکریاں ہوتی
ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے کہ سو بار اللہ اکبر پڑھو وہ لوگ
سو بار اللہ اکبر پڑھتے ہیں پھر وہ کہتا ہے سو بار لا الہ الا اللہ
پڑھو تو وہ سو بار لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے
سو بار سبحان اللہ پڑھو۔ تو وہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں
اس پر عبد اللہ بن مسعودؓ نے پوچھا آپ نے ان کو کیا کہا؟ انہوں نے
فرمایا کہ میں آپ کے مشورے اور حکم کا منتظر تھا۔ تو حضرت عبد اللہ
بن مسعود نے ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ تم نے ان سے کیوں نہ کہا
کہ تم اپنی برائیاں گن لو جو تمہارا یہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ
اور سبحان اللہ پڑھنا نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے اور میں ضامن ہوں
کہ تم نے جو نیک کام کئے ہیں وہ برباد نہ ہوں گے۔ اس کے
بعد جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ چل پڑے اور ہم بھی ان کے
ساتھ ہو گئے کوفہ کے حلقوں پر پہنچے آپ وہاں کھڑے
ہو گئے اور آپ نے پوچھا کہ میں تم کو یہ کیا کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں
انہوں نے کہا اے ابو عبد الرحمن یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم تکبیر
اور تسبیح کو گن رہے ہیں کہ کتنا ثواب جمع ہو۔ آپ نے فرمایا
کہ تم اپنے گناہوں کو گن رہے ہو اور گناہوں میں اضافہ کر رہے ہو
میں ضامن ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی برباد نہیں جائے گی۔ اے
امت محمد تمہارا برا ہو تم کتنی جلد برباد ہو گئے تمہارے نبی

فانا ضامن ان لا يضيع من حسناتكم شيء ويحكم يا امة محمد ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة نبيكم صلى الله عليه وسلم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر والذي نفسي بيده انكم لعلى ملة هي اهدى من ملة محمد او مفتتحوا باب ضلالة قالوا والله يا ابا عبد الرحمن ما اردنا الا الخير قال وكم من مريد للخير لن يصيبه۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کثرت سے زندہ ہیں۔ ان کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کیا تمہارا طریقۂ عبادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ عبادت سے بہتر ہے یا تم سب گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اے ابو عبدالرحمٰن ہم تو نیک کام سمجھ کر کر رہے تھے آپ نے فرمایا بہت سے لوگ نیکی کی توقع کرتے ہیں لیکن نیکی نہیں پا سکتے۔[1]

اب اس میں غور کریں کہ یہ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے کسی قہوہ خانہ یا کسی بری جگہ نہ بیٹھے تھے بیٹھنے کا مقصد بھی ذکرِ الٰہی تھا۔ مشغول بھی وہ ذکرِ الٰہی میں تھے۔ مگر ذکرِ الٰہی کا یہ طریقہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو بڑی سختی سے روکا۔ یہ آپ کے فہم اور علم کی گہرائی تھی کہ آپ نے اسے بدعت قرار دیا اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ طبیعت کی درشتی و تنگ مزاجی کو اس میں ذرا دخل نہ تھا۔ باوجود بڑے معتقد بن جانے کے آپ نے ان باتوں کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر

---

[1] دارمی، ص ۶۸

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے چند شاگردوں کو درس کی مجلس سے غیر حاضر پایا۔ پتہ چلا کہ ان کے کپڑے صاف نہ تھے تو آپ ایک ہی کپڑے میں جو معمولی تھا تین دن تک متواتر تشریف لاتے رہے تاکہ وہ حضرات معمولی لباس پہن کر آنے میں اپنی توہین محسوس نہ کریں۔ (ایسا شخص دین کے معاملے میں جب بھی سختی کرے گا وہ سختی نہیں بلکہ دین کے معاملہ میں مضبوطی کہلائے گی)[1]۔

عن عمرو بن زرارة قال وقف علیّ عبد اللہ یعنی ابن مسعودؓ وانا اقص فقال یا عمرو لقد ابتدعت بدعة ضلالة او انک اھدی من محمد واصحابہ فلقد رأیتھم تفرقوا عنی حتی رأیت مکانی ما فیہ احد[2]۔

ابن زرارہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نصیحت آمیز واقعات بیان کر رہا تھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس جگہ آ کر کھڑے ہو گئے اور مجھ سے فرمایا۔ تم بڑی گمراہی کی بدعت میں مبتلا ہو یا تم صحابہ سے زیادہ ہدایت کا راستہ پا چکے ہو۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لوگ میرے ارد گرد سے منتشر ہو گئے اور میں اس جگہ اکیلا رہ گیا۔

آپ کے علمی کمالات کے باب کو شرک و بدعت کے فہم میں آپ کی زیرکی کے واقعات پر ختم کیا جا رہا ہے کیونکہ اس کے بعد جو تین باب ہیں ان میں بھی آپ کے علمی کمالات آ گئے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں سے ہر ایک کا مستقل

۱؎ ازالۃ الخفاء ج ۲ مقصد دوم ص ۲۰۷ مطبع صدیقی بریلی۔

۲؎ رواہ الطبرانی فی الکبیر باسنادین احدھما صحیح، الترغیب للمنذری، کتاب الترھیب من ترک السنۃ وارتکاب البدع والاھواء۔

عنوان ہے، اس لئے ہر ایک کو ایک باب بنا دیا گیا۔

اس باب کے بعد آپ کے خطبے اور اقوال ہیں اس کے بعد دوسرے باب میں آپ کے مدلل علمی جوابات ہیں۔ سب سے آخر میں آپ کے فتاویٰ اور فقہی اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ سب علمی چیزیں اپنی اپنی جگہ آگئی ہیں۔

آپ کے خطبات واقوال کے متعلق چند کلمات

یوں تو ہر مذہب میں آخرت کا تذکرہ اور اس پر ایمان لانے کی دعوت ہے مگر اسلام انسان کو نہ صرف آخرت پر یقین کی دعوت دیتا ہے بلکہ ایمان کے لئے آخرت کی زندگی کا پورا نقشہ سامنے رکھتا ہے اور اس پورے نقشہ پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔ دوزخ سے نجات پانے اور مغفرت کے مستحق ہونے کے لیے اپنی پیش کردہ ہر بات پر ایمان اور قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ پر بغیر زیادتی اور کمی کے عمل کو لازمی قرار دیتا ہے۔

اگلی امتیں جن خیالات میں گم کر آخرت کے صحیح تصور سے بے بہرہ ہو گئیں اسلام ان میں سے ایک ایک غلط فہمی پر انگلی رکھ کر صاف صاف نشان دہی کرتا ہے۔ اسلام کی صحیح تعلیم سے اس کے ماننے والوں کے لئے نہ کسی خوش فہمی کا موقع رہتا ہے نہ ان کے دل و دماغ میں کسی بے جا اندیشہ کا گذر ہو سکتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم پر جو ایمان لاتا اور یقین رکھتا ہے اس میں آخرت کی تمنائیں ضرور پیدا ہوتی ہیں مگر انسان کو بے راہ نہیں ہونے دیتیں اسلام کی ہدایتوں کے

استقامت سے زندگی نہ صرف پاکیزہ اور مسرور ہو جاتی ہے بلکہ فتنہ و فساد سے دور اور خیر و صلاح سے بھرپور ہو جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلامی تعلیم کو اپنے آپ میں کس قدر سمو یا تھا کس قدر آپ کو آخرت کا یقین تھا اور کس قدر آپ کا پختہ ایمان تھا۔ ایمان کی یہی پختگی دوسروں میں پیدا کرنے کے لیے آپ جس جدوجہد میں لگے رہے اس کا اندازہ آپ کی زندگی کے مشاغل اور آپ کے شاگردوں کے حالات سے تو ہوتا ہی ہے، آپ کے خطبے اور اقوال جہاں اس کا بہترین ثبوت ہیں وہیں آپ کی دلی آرزو کا مظہر بھی ہیں۔ آپ کے خطبے اور اقوال پڑھیے، آپ کے فہم کی گہرائی، علم کی وسعت اور عقل کی دقیقہ رسی کے درجوں کی بلندی کا علم ہوگا۔ آپ کے دل و دماغ میں جو افکار اور جس قسم کے خیالات موجزن رہا کرتے تھے اس کا عکس آپ کے عمل خصوصاً تعلیم و تدریس کی مشغولیت میں تو نظر آتا ہی ہے آپ کے خطبے اور اقوال بھی اس کا اچھا منظر پیش کرتے ہیں، ان میں آپ کی آخرت کی تمناؤں کا شوق اور اس کے حاصل کرنے کے لئے آپ کے دل کی بیتابی جھلکتی ہے۔ بڑی بلند حوصلگی سے آپ دنیا کی مرغوب ناتوں اور لطف لذتوں سے بے نیاز رہے اور دنیا کے بڑے بڑے عہدے چھوڑنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ اس کی وجہ ان سچی آرزوؤں کی بہتات ہے۔ صحیح علم ہی کا یہ اثر ہے کہ جگہ جگہ خطبات اور اقوال میں آخرت کے خوف سے آپ لرزہ براندام معلوم ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے آپ کی فقہی و بیہ رہنمائی اور اجتہاد و فقہ و حدیث کی وسیع پیمانہ پر تعلیم و تدریس کا جہاں طویل تذکرہ کیا ہے وہاں آپ کی مزاہدانہ زندگی کو بھی پیش کیا ہے۔ اور "زہدیات" کا عنوان دے کر آپ کے مواعظ کا مفید اور دلپذیر انتخاب بھی ایک جگہ کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام بہر شاہ ولی اللہؒ کا انتخاب، اس میں سے کوئی بات چھوڑ دی جائے تو بڑی محرومی اور بے ذوقی کی بات ہو گی اس لئے شاہ ولی اللہؒ نے آپ کے حالات میں "زہدیات" کا عنوان دے کر کچھ جمع کر دیا ہے اُسی کو ہم نے پورے مقالہ کا جزء بنا لیا ہے۔ دوسری کتابوں سے آپ کے خطبات اور اقوال کے اقتباسات لے کر کافی اضافہ بھی کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے ایک سے زیادہ آپ کے شاگرد اور صحبت یافتہ حضرات آپ کی آخرت کے بہتر بنانے کی فکر اور سعی میں منہمک رہا کرتے تھے۔ پہلی صدی کے جن علماء اور بزرگوں کو علمی سیادت حاصل ہوئی ہے اور انھوں نے اپنے وقت کے مقتداؤں میں ممتاز درجہ حاصل کیا ہے ان میں کثرت آپ ہی کے شاگردوں کی ہے۔

آپ کے اقوال و خطبات کی جان ایجاز ہے یعنی مختصر الفاظ نے بہت سے مضمون کو سمیٹ لیا ہے۔ جو ایک فصیح اللسان بلیغ الکلام خطیب کا کمال ہے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے محبت و شفقت بھرے الفاظ سے انسانوں کو بیدار کیا ہے۔ اس کی رحمت کی توقع دلائی ہے۔ پڑھنے والے میں ان کی وجہ سے رحمت حاصل کرنے کا جذبہ اُبھرتا ہے جن باتوں سے انسانوں کا آخرت میں نقصان ہوتا ہے بڑی دل سوزی سے ان سے دور رہنے اور رُکنے پر آپ نے آمادہ کیا ہے۔ مغفرت سے محرومی کا افسوس نظر میں اتنا اہم بن جاتا ہے اور دوزخ کی ہیبت ایسی طاری ہوتی ہے کہ انسان بُرے کاموں سے بچنے کے لئے جرأت و ہمت کو کام میں لاتا ہے۔

آپ نے پیش کرنے کے لئے ان ہدایتوں کا انتخاب کیا ہے جن کی طرف بہت سے آدمیوں کو ضرورت و حاجت پیش آتی ہے اپنی طبیعت کی جولانی دکھلانے

کے لئے اُنہوں نے نئے الفاظ کا انتخاب کیا اور نہ لطف ادا سے مسحور کر لے کے لئے جملوں کی بناوٹ درساخت میں تصنع سے کام لیا۔ دل کی تمنا اور سارندوں کو بے تکلفی سے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر پیش کیا کہ زیادہ سے زیادہ انسان آپکے دلی جذبات سے متاثر ہوکر حق قبول کریں۔

آپ کے نقروں کی چستگی دل لبھانے والی ہے۔ ان بدایتوں کی تمثیل و تشبیہ بے محل ہے۔ آپ کا کلام حسن بیان کے ساتھ بے حد صاف اور غایت درجہ سادہ ہونے پر بھی نہایت لطیف انداز سے پُر کار ہے۔ میٹھے بول اور شستہ الفاظ میں سنجیدہ خیالات کے علاوہ بڑی دل آویزی ہے۔ آپ کا کلام دل پر اثر کرنے والا ہے اور اس میں بڑی کشش ہے۔ یہ حلاوت اور ملاحت کا خوشگوار امتزاج ہے۔ بہرکیف یہ کہ سارا کلام بلند درجہ کا ہے اور کوئی بھی نقرہ فصاحت و بلاغت کے معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ کہیں بلند اور کہیں پست یہ فرق آپ کے کلام میں نظر آئے گا۔ بنیخ استدلال اچھوتی طرز ادا اور دھکی۔ کہیں کہیں بدایتوں کو اہم ظاہر کرنے کے لئے بھاری بھرکم الفاظ لائے گئے ہیں۔ اس سے ہر قسم کے کلام پر آپ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ہدایت کی وقعت بھی دل میں بیٹھتی جاتی ہے مگر یہ ضخیم الفاظ اس سلیقے سے مناسب طریقہ پر اپنی اپنی جگہ پر جمائے گئے ہیں کہ نہ زبان پر بار نہ کان کے لئے ناگوار۔

آپ نے خطیبوں کی مسجع اور شاعرانہ قافیہ بندی سے اجتناب کیا ہے لیکن جہاں الفاظ بے ساختہ ایک ہی مسجع اور ایک ہی قافیہ میں آگئے ہیں کلام کی لذت دوبالا ہوگئی ہے۔

آپ کے مسجع اور مرصع نقروں میں نصیحت کی سادی سیدھی باتیں ایسی ملیں گی جیسے پشمینہ کی شال میں رنگ برنگ کے تار۔

کلام کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے آپ خود کرلیں گے زبان ایسی

در حج ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گوناگوں رنگ کے ریشم کے گچھوں کو گرہ در گرہ ایک دوسرے سے ٹانک دیا گیا ہے۔

اس مقالہ کے پانچویں حصے میں شادی اور مسائل ہیں اگرچہ حضرت عبداللہ بن بزرگ کے ان مسائل و شادی کا تعلق انسانی اعمال و عقائد سے ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان سب کا تعلق خود آپ کے اعمال سے ہو۔ ان میں بہت سے شادی دوسرے لوگوں کے اعمال سے متعلق ہیں۔ اس لئے خطبات و اقوال کا یہ تیسرا حصہ اس نقطہ نظر سے بڑا قیمتی ہے کہ یہ آپ کے دل کی دنیا یعنی اندرونی زندگی کا آئینہ ہے۔

بہارِ عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد
برنگ اصحابِ صورت را ببوی اربابِ معنی را

مقالات عبداللہ بن مسعودؓ

(۱) ان اصدق الحدیث کتاب اللہ عزوجل۔ — سب سے زیادہ سچی بات اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔

(۲) واوثق العری کلمۃ التقوی۔ — اور سب سے زیادہ مضبوط رشتہ ذکرِ الٰہی تقویٰ ہے

(۳) وخیر الملل ملۃ ابراھیم — اور بہترین ملت ابراہیمؑ کی ملت ہے۔

(۴) واحسن السنن سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ — اور بہترین سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۵) وخیر الھدی ھدی الانبیاءؑ — زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

(۶) واشرف الحدیث ذکر اللہ[۱] — سب سے زیادہ عزت کی بات اللہ کی یاد ذکر ہے[۱]

---

[۱] جو موقع ہو اور محل ہو لہٰذا اس محل در موقع کی جو بدایت ہو اس موقع پر وہ پیش نظر رہے جیسے پریشانی اور الجھنوں میں دعا کا موں میں توکل مصیبتوں میں صبر نعمتوں میں شکر، خلاصہ یہ کہ بندہ ہر حال پر اللہ کی عزت اس کے بتلائے ہوئے طریقوں سے متوجہ رہے۔

(۷) وخیر القصص هذا القرآن — بہترین قصہ جو بیان کیا جاتا ہے یہ قرآن ہے۔

(۸) وخیر الامور عواقبها۔ — سب کاموں میں اچھا[۱] اپنے نتیجہ کے لحاظ سے ہے۔

(۹) وشر الامور محدثاتها — اور سب سے بری بات بدعتیں ہیں۔

(۱۰) وما قل وکفی خیر مما کثر والهی۔ — اور جو تھوڑا اور بقدر کفایت ہو[۲] بہتر ہے اس سے جو بہت ہو اور اللہ سے غافل بنا دے۔

(۱۱) ونفس تنجیها خیر من إمارة لا تحصیها۔ — وہ نفس جو اپنے تئیں نجات دلائے یہ اس کے لئے بہتر ہے اس حکومت سے جس کا سنبھالنا دشوار ہو اور جس کی نگرانی نہ کر سکے[۳]

(۱۲) وشر المعذرة حین یحضر الموت — بدترین معذرت موت کے وقت کی معذرت ہے[۴]

(۱۳) وشر الندامة ندامة یوم القیامة — بدترین پچھتاوا قیامت کا پچھتاوا ہے[۵]

(۱۴) وشر الضلالة الضلالة۔ — ہدایت پا جانے کے بعد دنیا کی گمراہی

---

[۱] کام کے وقت اس کا انجام پیش نظر رہے کانٹ نے بھی اپنے فلسفہ اخلاق کی بنیاد نتیجہ ہی کو بنایا ہے۔

[۲] دنیا کی دولت کی تم حفاظت نہیں کر سکتے وہ ختم ہو کر رہے گی۔ دین و ایمان کی حفاظت کر سکتے ہو تمہارا بہتر کام یہ ہے کہ تم نجات کی فکر میں لگے رہو۔

[۳] دنیا کے مشاغل اقتصادیات اسوقت بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق رہیں، حاجت اصلی سے زائد مشغول رہنے سے اللہ تعالیٰ کے کلام سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو ہمارے لئے ضروری نہیں اس کا اختیار تو اور پریشانیوں کو دعوت دیتا ہے۔

حرص تا لایخ نیست حسنہ اسباب معاش — آنچہ ما در کار داریم اکثر در کار نیست

[۴] موت کے وقت نفس کو ملامت بے سود ہے۔

[۵] ندامت وہی کام کی ہے جس کے بعد اصلاح کی امید متوقع ہو۔ اس ندامت کے بعد کوئی موقع اصلاح کا نہیں ہے۔

بعد الہدیٰ	گمراہی کی راہ اختیار کرنا بدترین گمراہی ہے۔
(۱۵) وخیر الغنی غنی النفس	نفس بے نیاز ہو جائے یہ بہترین دولت ہے (دل سے دنیا کی حرص نکل جائے)
(۱۶) وخیر الزاد التقوی۔	بہترین زاد راہ تقویٰ (پرہیزگاری) ہے
(۱۷) وخیر ما القی فی القلب الیقین۔	دل میں جو بات ڈالی جاتی ہے اس میں بہترین بات یقین (ایمان) ہے۔
(۱۸) والریب من الکفر۔	(اللہ کی ہدایتیں میں) شک و تردد کفر کا درجہ ہے
(۱۹) وشر العمی عمی القلب	بدترین اندھاپن دل کا اندھاپن ہے۔
(۲۰) والخمر جماع کل اثم۔	اور شراب ہر گناہ کو سمیٹنے والی ہے
(۲۱) والنساء حبالة الشیطان	شیطان کے شکار کا پھندا عورتیں ہیں۔
(۲۲) والشباب شعبة من الجنون	جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے۔
(۲۳) والنوح من عمل الجاہلیة۔	نوحہ کرنا کفر کا کام ہے (مسلمان کی شان نہیں)
(۲۴) ومن الناس من لا یاتی الجمعة الا دبرا۔	بہت لوگ جمعہ کی نماز کو نہیں آتے مگر پیچھے سے
(۲۵) ولا یذکر اللہ الا ہجرا۔	اور بے دلی سے اللہ کی یاد حق سے دور کر دیتی ہے

فکیف یہدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانہم وشہدوا ان الرسول حق بات کو پا جانے کے بعد گمراہی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے واللہ لا یہدی القوم الظالمین۔ اہل غنا بھی ہے کہ دنیا اور دنیا پرستوں سے نفس مستغنی رہے تو حق کو سامنے رکھ کر بھی حق کو نہ دیکھے۔ جوانی کے جذبات میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ جمعہ میں پہلے آنے والوں کو فضیلت پہنچتی ہے۔ وہ محروم ہے۔ زبان پر ذکر جاری ہے مگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی ہمت و جرات نہیں ہوتی ایسی یاد سے اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں قرار پاتا۔

(٢٦) واعظم الخطايا الكذب. — اور سب سے بڑا گناہ جھوٹ ہے۔[١]

(٢٧) وسباب المؤمن فسوق وقتاله كفر وحرمة ماله كحرمة دمه. — مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے مسلمان سے جھگڑا کرنا کفر ہے مسلمان کے مال کی عزت اس کے خون کی عزت کے برابر ہے۔

(٢٨) ومن يعف يعف الله عنه ومن يكظم الغيظ يأجره الله ومن يغفر يغفر الله له ومن يصبر على الرزية يعقبه الله — جو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا ہے[١] جو غصہ پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ثواب دیتا ہے جو جرم سے درگزر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر کرتا ہے جو مصیبت میں صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہتر بدلہ دیتا ہے

(٢٩) وشر المكاسب كسب الربا وشر المآكل مال اليتيم — بدترین کمائی سود کی کمائی ہے اور سب سے بدترین چیز کھانے میں سے یتیم کا مال ہے۔[٢]

(٣٠) والسعيد من وعظ بغيره والشقي من شقي في بطن امه. — سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرتا ہے[٣] اور بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ ہی میں بد بخت ہو گیا ہو۔

(٣١) وانما يكفي احدكم ما قنعت به نفسه وانما يصير الى اربعة — بے شک تمہارے لیے وہی کافی ہے جس پر تمہارا نفس قناعت کرے[٤] بے شک آدمی چار گز کے فاصلے

---

[١] البیان والتبیین میں ہے اعظم الخطایا اللسان الکذوب
جو لوگوں کی خطا معاف کرتا ہے تو اللہ اس کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

[٢] الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا۔

[٣] دوسروں کی برائیوں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے اور برائیوں سے دور رہتا ہے بری بات پر جھک جانا اچھائی کے پاس نہ آنا اپنے قوت اختیار کا بڑا غلط استعمال ہے۔

[٤] قناعت میں بڑی راحت ہے۔ جو حرص دل میں آگ لگی رہتی ہے کہ اس کی لپٹیں بلندی و نہم کے محلات سے

اذرع والامر الى آخرة	پر موقوف ہے اسی لئے معاملہ آخرت کے لحاظ سے ہو
ومدار العمل خواتمه.	ہے کام کی خوبی اس کے خاتمہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔
(۳۲) وخير الورود لما ورداء العذب	بہترین تحفے صبر لے تختے ہیں۔
(۳۳) واشرف الموت قتل الشهداء	عزت کی موت شہادت کی موت ہے
(۳۴) ومن يعرف البلاء يصبر عليه	جو شخص امتحان کو پہچانتا ہے وہ برداشت کرتا ہے
ومن لا يعرفه ينكره.	جو نہیں پہچانتا وہ گریز کرتا ہے[1]۔
(۳۵) ومن يتكبر يضعه الله	جو غرور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے[2]
(۳۶) ومن يتولى الدنيا يعجز عنه	جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ دنیا سے عاجز ہو جاتا ہے[3]
(۳۷) ومن يطع الشيطان يعص الله	جو شیطان کا کہا مانتا ہے وہ اللہ کا نافرمان ہو جاتا
ومن يعص الله يعذبه.	ہے اور جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ اس کو عذاب
	دیتا ہے[4]۔
(۳۸) حب الكفاية مفتاح المعجزة.	کفایت شعاری کو پسند کرنا عجز کی کنجی ہے۔
(۳۹) حسب المرء من العلم ان يخاف الله	یہ بہت بڑا علم ہے کہ انسان خدا سے ڈرے اور
وحسبه من الجهل ان يعجب بعمله	انتہائی جہالت ہے کہ انسان اپنے عمل پر اترائے۔
(۴۰) كفى بخشية الله علما وكفى	اللہ تعالیٰ سے ڈرنا علم کی زبردست فضیلت ہے اور
بالاغترار به جهلا.	یہی جہالت ہے کہ انسان تمناؤں میں مبتلا
	ہے اور عمل و تدبیر سے غافل و بے نیاز)

---

[1] جو کوئی اس کو جانتا ہے جس کا علم اس درجہ کا نہیں ہے وہ فرار کی راہ چلتا ہے۔

[2] غرور کا سر نیچا۔ [3] جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو کر پریشان ہوتا ہے۔

[4] حلیۃ الاولیاء ص ۱۴۸ ص ۱۴۹

[5] البیان والتبیین جاحظ

ترغیب تحصیل علم

(۴۱) علیکم بالعلم فان احدکم لایدری متی یختل الیہ او متی یحتاج الناس الی ما عندہ[۱] — تم علم ضرور سیکھو کہ تم کو پتہ نہیں کہ لوگوں کو تمہارے پاس جو کچھ ہے کی ضرورت کب پیش آئے گی۔

علم کن سے حاصل کیا جائے

(۴۲) لایزال الناس بخیر ما اتاھم العلم عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اکابرھم فاذا جاء من قبل اصاغرھم فذلک حین ھلکوا۔ — لوگ ہمیشہ بہتری میں رہیں گے جب تک کہ علم انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ان کے بڑے سے ملیں گے۔ اور جب ان کے چھوٹوں سے علم حاصل کرنے لگیں تو یہی ہلاکت کا وقت ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ یہ تاکید کرتے ہیں کہ جن بڑی عمر کے صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ صحبت اٹھائی ہے ان سے علم حاصل کیا جائے۔

علم

(۴۳) عن عون بن عبداللہ قال قال عبداللہ لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ۔ — علم بہت اقوال بیان کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ خشیت[۲] کا نام علم ہے۔

ابن خزیمہؒ کے الفاظ یہ ہیں۔ العلم بالخشیۃ علم قلب کی نیت کرنے کا نام ہے۔

(۴۴) قال الشعبی مر رجل بعبد اللہ — امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا عبداللہ بن مسعودؓ

---

[۱] سنن دارمی، المقدمہ، ۱۰۸ [۲] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۱

[۲] یعنی علم سے مقصود محض معلومات نہیں بلکہ خشیت پیدا ہونا ہے۔

بن مسعودؓ فقال لاصحابه هذا لا يعلم ولا يعلم انه لا يعلم ولا يتعلم ممن يعلم[1]۔ | پرگذر ہوا۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ یہ بے علم ہے اور اس کو اپنی بے علمی کا احساس بھی نہیں ہے اور اہل علم سے سیکھنا بھی نہیں چاہتا۔

(۲۵) قال عبد الله بن مسعود ان الرجل لا يولد عالما وانما العلم بالتعلم۔ | آپ نے فرمایا کہ آدمی ماں کے پیٹ سے لکھا پڑھا نہیں پیدا ہوتا ہے بے شک علم لکھنے پڑھنے سے آتا ہے[2]۔

(۲۶) عن علقمة. قال قال عبد اللهؓ تعلموا العلم فاذا اعلمتم فاعملوا[3]۔ | حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ پہلے تم علم سیکھو جب علم آجائے تو عمل کرو[4]۔

علم کے باوجود بے عملی

(۲۷) قال ابن مسعودؓ. ويل لمن لا يعلم ولو شاء الله لعلمه وويل لمن يعلم ثم لا يعمل سبع مرات[5]۔ | حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ بے علم کے لیے تباہی ہے اگر اللہ چاہتا تو اس کو علم دے دیتا۔ اور کئی گنا بدبخت وہ ہے جو علم تو رکھتا ہے مگر عمل نہیں کرتا[6]۔

(۲۸) قال ابن مسعود انی لاحسب الرجل ينسى العلم كان يعلمه للخطيئة يعملها۔ | حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ انسان علم پڑھ کر بھول جاتا ہے میرا خیال ہے یہ صرف گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

---

[1] العقد الفريد ج ۲ - طبقات الرجال ص ۲۹۷

[2] والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا شاعر نے یوں نظم کیا ہے۔

تعلم فليس المرء يولد عالما ؛ وليس اخو علم كمن هو جاهل دوسرے شاعر نے یوں کہا ہے۔

تَعَلَّمْ فليس المرءُ يخلق عالما   وما عالم امر كمن هو جاهل

[3] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۱ [4] علم کے بعد بے عملی بڑا گناہ ہے گناہ سے دینی بصیرت چھین لی جاتی ہے۔

[5] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۱ [6] حاشیہ نمبر ۴ کے مطابق - [7] ایضاً

علم (قرآن)

(۴۹) اقرؤا القرآن وحركوا به القلوب لا يكون هم احدكم آخر السورة[۱]

قرآن پڑھو اور اس سے اپنے دلوں کو حرکت دو اور تمہارا مقصد سورۃ ختم کر دینا نہ ہو، تدبر و نصیحت حاصل کرنا مقصود ہو۔

(۵۰) قال عبد الله ان هذه القلوب اوعية فاشغلوها بالقرآن[۲] ولا تشغلوها بغيره[۳]

حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ انسانی قلوب ظروف ہیں، ان کو قرآن سے بھر دو۔ قرآن کے علاوہ اور چیزوں سے نہ بھرو۔

(۵۱) عن ابی الاحوص قال قال ابن مسعود ان هذا القرآن مأدبة الله فمن استطاع ان يتعلم منه شيئا فليفعل فان اصفر البيوت من الخير الذي ليس فيه من كتاب الله شيء كخراب البيت لا عامر له وان الشيطان يخرج من البيت الذي تسمع فيه سورة البقرة[۴]

حضرت فرماتے ہیں بے شک یہ قرآن اللہ کا دسترخوان ہے جو قرآن سیکھ سکتا ہے اس کو ضرور سیکھنا چاہیے اور وہ گھر دل و سینہ خیر سے بالکل خالی ہے جس میں اللہ کی کتاب کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اس کی مثال ایسے ویرانے کی سی ہے جس کا کوئی آباد کرنے والا نہ ہو بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر سے وہ سورہ بقرہ سنتا ہے۔

---

۱ السنن الکبریٰ۔ بیہقی۔ ج ۲، ص ۳

۲ قرآن علم و ہدایت سے معمور ہے۔ ۳ بغیرہ کے لفظ پر خوب غور کرو بزرگوں کے اقوال اور کشف غیر قرآن میں داخل ہیں۔ وہ قرآن و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں ۴ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۳۱ ۵ وہ گھر جس میں قرآن کو خرافات سمجھ کر نہ پڑھا جائے وہ گھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خالی ہے۔

(۵۲) أتاه[۱] رجل فقال يا ابا عبد الرحمن علمني كلمات جوامع نوافع فقال اعبد الله ولا تشرك به شيئاً وزل مع القرآن حيث زال ومن جاءك بالحق فاقبل منه وان كان بعيداً بغيضاً ومن جاءك بالباطل فاردد عليه وان كان حبيباً قريباً۔

ان کے پاس ایک شخص آیا اس نے درخواست کی اے ابو عبدالرحمن مجھ کو جامع اور نافع کلمات بتا دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کا شریک بالکل نہ کرو، اور جدھر قرآن جائے ادھر ہی جاؤ، اور جو شخص کہ حق تمہارے پاس لے کر آئے اس کو قبول کرو اگرچہ وہ تم سے بے تعلق اور دشمن ہو، اور جو جھوٹ لے کر آئے وہ اس کے منہ پر مار دو اگرچہ وہ تمہارا دوست اور قریبی کیوں نہ ہو۔

(۵۳) قال[۲] عبد الله بن مسعود الحواميم ديباج القرآن وقال اذا وقعت وقعت في رياض دمثة أتأنق فيهن۔

حم کی سورتیں، قرآن کی زینت ہیں حضرت نے فرمایا جب میں حم پڑھتا ہوں تو نرم باغوں میں چلتا ہوں اور ان میں لطف اٹھاتا ہوں۔

(۵۴) قال[۳] عبد الله بن مسعود نزل القرآن ليعمل به فاتخذ الناس تلاوته عملاً قال سعد بن ابي وقاص من قرأ خلف الامام فسدت صلاته۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن عمل کے لیے اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے نازل ہوا ہے لوگوں نے قرآن کی تلاوت کو ہی عمل قرار دے لیا ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

---

۱ حلیۃ الاولیاء، جلد اول، ص ۱۳۴ ۲ العقد الفرید ج ۲ فی فضل القرآن ص ۲۲۹

۳ مبسوط سرخسی باب الحدیث فی الصلوٰۃ ص ۲۰۰۔۱۹۹ علامہ سرخسیؒ اس کی دلیل فرماتے ہیں والمعنی منه ان القراءة غير مقصودة لعينها بل للتدبر والتفكر والعمل به صحابہ رضوان اللہ علیہم قرآن سے کیا فائدہ اٹھاتے تھے اور آج ہم نے قرآن کا کیا مصرف قرار دے رکھا ہے۔

آداب قرآن

(۵۵) عن معن قال قال عبد الله بن مسعود ان استطعت ان تكون انت المحدث واذا سمعت الله يقول يا ايها الذين آمنوا فارعها سمعك خير يامر به او شر ينهى عنه۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا اگر تجھ سے ہو سکے تو لوگوں سے گفتگو کرنے والے بن جاؤ۔ جب اللہ سے سنو کہ فرمایا ہے یا ایھا الذین آمنوا تو کان لگا دو کیونکہ اس کے بعد کسی نیکی کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے یا کسی برائی سے تم کو روکا جا رہا ہے۔

(۵۶) عن عبد الله بن مسعود قال ينبغي لحامل القرآن ان يعرف بليله اذا الناس نائمون وبنهاره اذا الناس يفطرون وبحزنه اذا الناس يفرحون وببكائه اذا الناس يضحكون وبصمته اذا الناس يخلطون وبخشوعه اذا الناس

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حامل قرآن پر یہ فرض ہے کہ جب لوگ سب سوتے ہوں تو وہ قرآن پڑھ رہا ہو، اور اس قرآن پڑھنے کی وجہ سے لوگ اس سے واقف ہوں اور اس وقت جب لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوں تو وہ روزہ دار ہو اور جب لوگ خوش ہو رہے ہوں تو وہ آخرت کے غم میں غمگین ہو اور جب لوگ ایک دوسرے سے مل رہے ہوں

---

۱ حلیۃ ص ۱۳۰ ۲ حلیۃ ص ۱۳۰ ۳ تلاوت قرآن کے وقت یہ سمجھیں کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ بتلا رہا ہے ان کا ہم سے مطالبہ ہو رہا ہے نہ صرف یہ کہ تیرہ سو برس پرانی بات ہو رہی ہے یوں خیال نہ کریں۔ ۴ حامل قرآن کے صفات بیان کئے جا رہے ہیں۔ راتوں کو قرآن زیادہ پڑھتا ہے۔ آخرت کا سامان نہ دیکھ کر قرآن پڑھنے والا فکرمند رہتا ہے عاقبت سے بےخبر رہنے والے دنیا پا کر خوشیاں مناتے ہیں انه كان في اهله مسرورا۔ اعمال قرآن زبانی مشغول میں رہتا ہے ظاہر بھی آخرت کی فکر اس کو دامن گیر رہتی ہے فضول باتوں سے خاموش رہنے کو بہتر سمجھتا ہے اس کی روش منکسرانہ ہوتی ہے عباد الرحمن الذين يمشون على الارض هونا۔ ان کی چال متکبرانہ نہیں ہوتی۔

يختالون وينبغي لحامل القرآن
ان يكون باكيا۔ محزونا حكيما
حليما، عليما، سكيتا
ولا ينبغي لحامل القرآن
ان يكون جافيا ولا غافلا
ولا صخابا ولا صياحا ولا
حديدا۔

تو وہ خدا موش ہو اور جو لوگ تکبر سے چلیں ان [?]
اللہ کی بارگاہ میں مرجھائے ہوئے ہوں قرآن کے
حامل پر ضروری ہے گناہوں پر پشیمان ہو [?]
کی فکر میں ڈوبا ہوا ہو، حکیم، بردبار [?]
اور علم والا ہو قرآن کے حامل کو زیبا نہیں [?]
نہیں اور نہ ہی وہ غافل ہو [?]
یا [?] ہو اور نہ ہی لب کے مانند سخت ہو۔

بے عمل کی زندگی

(۵۷) عن يحيى بن وثاب قال قال ابن
مسعودؓ اني لاكره ان ارى الرجل
فارغا لا في عمل دنيا ولا في عمل
الآخرة

حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں اس بات
کو ناپسند کرتا ہوں کہ انسان بالکل بیکار رہے
نہ دنیا کا کام کرے نہ دین کا۔

(۵۸) عن المسيب بن رافع قال قال
عبد الله بن مسعود اني لامقت
الرجل ان اراه فارغا ليس في شيء
من عمل الدنيا ولا في عمل الآخرة

یہ روایت یحییٰ بن وثاب اور مسیب بن رافع
آپ کے دونوں شاگردوں نے کی ہے۔
بے حد ناگوار ہے کہ میں کسی شخص کو فارغ
دیکھوں وہ نہ دنیا کا کام کرتا ہو نہ آخرت کا۔

اہمیت معاش

(۵۹) كفى بالمرء اثما ان يضيع
من يقوت

انسان کے لیے یہ بڑے گناہ کی بات ہے کہ اپنے
اہل و عیال کو کھو دے یعنی جائز ذریعہ معاش کا
کام چھوڑنا اللہ کو پسند نہیں، وہ سمجھتے ہیں

کہ جن کی کفالت ہم پر ہے ان کی کفالت سے غفلت برتیں گویا وہ برباد ہوں۔

لہ حلیہ ص ۱۳۰ ۲ حلیہ ص ۱۳۰ ۳ بیہقی ۱۵ ص ۲۵ باب الرجل لا یجد ما ینفق۔

بے کاری سے نفرت

(۶۰) عن خیثمة[1] قال قال عبد الله لا الفین احدکم جیفة لیل قطرب نہار۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں تم کو رات کا مردہ اور دن کا قطرب نہ پاؤں۔

خرچ میں میانہ روی

(۶۱) النفقة[2] فی غیر حق ہو التبذیر

بے محل خرچ کرنا تبذیر ہے۔ یعنی لہو ولعب اور ممنوع باتوں پر خرچ کرنا تبذیر ہے

اکتساب میں بے صبری نہ کی جائے

(۶۲) فرغ[3] من الخلق والخُلق والرزق والاجل فلیس احد اکسب من احد والصمد تجبرہ تبضع ام لم تقبض۔

اللہ چار باتوں سے فارغ ہو چکا ہے (۱) اعضائے بدنی کی تقسیم وضع (۲) اس کی خوبصورتی و بدصورتی (۳) خوش خلقی و بد خلقی (۴) رزق کی تنگی و فراخی (۵) زندہ رہنے کی مدت۔ یہ چیزیں حق اللہ کے قبضہ میں ہے کسی بندہ کے اختیار میں نہیں۔

آخرت

(۶۳) عن ابی وائل قال سمع عبد الله رجلا یقول این الزاہدون فی الدنیا الراغبون فی الآخرة

حضرت ابی وائل کہتے ہیں کہ حضرت نے ایک آدمی کو کہتے سنا دنیا سے بیزار اور آخرت کے طالب کہاں ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جابیہ کا

---

[1] رات کا کچھ حصہ بیدار رہ کر اللہ کو یاد کرو۔ دنیا کے کاروبار میں بھی اللہ کو یاد رکھو قطرب ایک جانور ہے جو کرتا پھرتا ہے ابھی یہاں بیٹھا ابھی وہاں بیٹھا۔

[2] بیہقی ج ۶ ص ۶۲ - [3] بیہقی ج ۶ ص ۱۶۲ -

فمان عبد الله اولئك اصحابه للجابية اشترط خمس مائة من المسلمين ان لا يرجعوا حتى يقتلوا فحلقوا رؤسهم فقتلوا الا مخبر عنهم

تھے پانچ سو مسلمانوں نے یہ عہد اللہ سے کیا تھا کہ کبھی پیچھے نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ شہید ہو جائیں گے انھوں نے اپنے سر مونڈ لئے اور دشمنوں سے جا بھڑے یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے مگر وہ شخص جس نے آکر یہ خبر پہنچائی۔

آخرت کی رغبت

(۶۴) قال انتم اكثر صياما واكثر صلاة واكثر اجتهادا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم كانوا خيرا منكم قالوا لم يا ابا عبد الرحمن قال كانوا ازهد في الدنيا وارغب في الآخرة.

تم لوگ بہت روزے رکھتے ہو، بہت نمازیں پڑھتے ہو، بڑی محنت اٹھاتے ہو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے روزے رکھنے والے نمازیں پڑھنے والے نہ تھے لیکن وہ تم سے بہتر تھے لوگوں نے پوچھا عبد اللہ یہ کیوں؟ انہوں نے فرمایا وہ دنیا سے بہت بے نیاز اور آخرت کے بڑے ہی شوقین تھے۔

(۶۵) ليس للمؤمن راحة دون لقاء الله فمن كانت راحته في لقاء الله فكان قد.

مسلمان اللہ کے لقاء و دیدار کے سوا کسی چیز میں راحت محسوس نہیں کرتا اور جس کی یہ تمنا ہوگی تو یقین کرو کہ اسے اللہ کا لقاء حاصل ہو کر رہے گا۔

۱؎ جناتِ عدن میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو دعوت دیں گے کہ وہاں سب کو لقاء الٰہی حاصل ہوگا کم سے کم جنتی کو ہفتہ میں ایک بار سب سے اعلیٰ جنتی وہ ہے جس کو دن میں دو بار لقاء الٰہی ہوگا۔ طالب لقاء کو لقاء کا شرف بخشا جائے گا۔

اہمیت آخرت

(۶۶) واللّٰہ الذی لا الٰہ غیرہ ما یغنو عبدٌ یصبح علی الاسلام و یمشی علیه ما اصابه فی الدنیا۔	قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے کہ انسان اگر مسلمان رہتا ہے تو دنیا میں جو بھی مصیبت ہو اس مصیبت سے اس کو کوئی نقصان نہیں۔

دنیا و آخرت کا مقابلہ

(۶۷) من اراد الدنیا بالآخرۃ ومن اراد الآخرۃ اضر بالدنیا فاضروا بالفانی للباقی	جس نے دنیا کو مقصود بنایا آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو مقصود بنایا اس نے دنیا کا نقصان برداشت کیا لہٰذا لوگو باقی رہنے والی آخرت کے مقابلہ میں ختم ہونے والی دنیا کا نقصان برداشت کر لو۔[1]

خوف آخرت وخشیت

(۶۸) لو وقفت بین الجنة والنار فقیل لی تخیر ایهما تکون احب الیک او تکون رمادا لاخترت ان اکون رمادا۔	اگر مجھ کو جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہیں کہاں میں جانا پسند ہے کس میں جانا ہو تو خاک ہو جاؤں گا میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔

نیکیوں میں ہمت کی ضرورت

(۶۹) ان الجنة حفت بالمکارہ وان	جنت گھری ہوئی ہے ناگوار باتوں سے اور جہنم کو[2]

---

[1] حلیة ص ۱۳۰۔ [2] انسان بغیر ناگواری برداشت کئے نیک اعمال نہیں کر سکتا اور جب عمل نیک نہ ہوں گے تو جنت سے محرومی ہوگی ناگواریوں کو برداشت کرنے کے لیے نیکیوں سے محبت کرنا ضروری ہے۔ نفس کی ہر خواہش پورا کرنے کا انجام جہنم ہے۔

النار حفت بالشهوات فمن — پردہ ہے نفسانی خواہشات کا جو پھلانگا
الحلع واقع ما وراءه۔ — تعجب نہیں کہ پیچھے گر پڑے۔

اخفائے اعمال صالحہ

(۵) اذا اصبح احدکم صائما فلیدهن واذا تصدق بصدقة بیمینه فلیخفها عن شماله واذا صلی صلاة او صلی تطوعا فلیصلها داخله۔

جب تم روزہ رکھو (تیل لگاؤ) کنگھی کرو تمہاری صورت شکل سے تمہارے روزے کا پتہ نہ چلے اور جب تم داہنے ہاتھ سے خیرات کرو تو بائیں ہاتھ سے چھپاؤ اور جب تم نفل یا صلوٰۃ اذن کے حصے میں پڑھو دوسروں کو علم نہ ہو۔[1]

التجاء الی اللہ

(۶) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داووا مرضاکم بالصدقة وحصنوا اموالکم بالزکوٰة واعدوا للبلاء الدعاء۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علاج کرو اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ اور نگرانی کرو اپنے مالوں کی زکوٰۃ کے ذریعہ اور مصیبتوں کے لئے دعا کو تیار رکھو۔

تقویٰ

(۷) کنا ندع تسعة اعشار — ہم دس میں سے نو حلال چیزوں کو چھوڑ دیتے

---

[1] حلیہ ص ۲۴۳ حضرت عبداللہ کی دوسری روایت میں ہے کہ روزہ میں تیل لگاؤ، روزہ میں تیل لگانے سے خشکی دور ہوگی۔

[2] بیہقی ج ۳ ص ۳۸۳ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی [illegible] ص ۲۶۵، [illegible] بچنے کے لئے بڑی کوشش کی ہوتی [illegible] ہمیں ڈر رہتا کہ ہم حرام سے بچ نہ سکیں گے یعنی نو حلال چیزوں کو ہم اس لئے چھوڑ دیتے کہ دوسری حرام چیز کی طرف ہم کو رغبت ہو کیونکہ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو اس کو تسکین نہیں ہوتی بلکہ دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اس کو پورا کر لیتا ہے تو بس نہیں کرتا بلکہ اور خواہشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل
چو پُر شد نہ باید گرفتن بہ پیل

للاول مخافة الحرام۔ — تھے اس ڈر سے کہ کہیں حرام میں گرفتار نہ ہو جائیں

اللہ تعالیٰ سے دل لگانے کا طریقہ

(۳) من استطاع منکم ان یجعل کنزہ فی السماء حیث لا یاکلہ السوس ولا ینالہ السراق فلیفعل فان قلب الرجل مع کنزہ۔

تم میں سے جس سے ہو سکے اپنا خزانہ آسمان میں محفوظ کرے جہاں نہ کیڑے کھا سکتے ہیں نہ چور چرا سکتے ہیں آدمی کا دل اپنے خزانہ سے لگا رہتا ہے۔ (تو انسان کا دل اللہ سے لگا رہتا ہے)

نماز کا فائدہ

(۴) قال ما دمت فی صلاۃ فانت تقرع باب الملک، ومن یقرع باب الملک یفتح لہ۔[1]

جب تم نماز میں ہوتے ہو تو شاہ کے دروازہ کو دستک دیتے ہو اور جو شاہ کے دروازے کو دستک دیتا ہے تو لازمی ہے کہ اس کا دروازہ کھل ہی جائیگا

اہمیت صلوٰۃ

(۵) قال امشوا الی الصلوۃ مقاربۃ بینھا من ھو خیر منکم ابوبکر و عمر و المھاجرون والانصار قاربوا الخطی واکثروا ذکر اللہ عزوجل ولا علیک ان لا تصحب احدا الا من اعانک علی ذکر اللہ۔[2]

چلو تم نماز کی طرف کیونکہ تم میں سے جو بہتر تھے ابوبکر و عمر اور مہاجرین و انصار یہ سب نماز کے لئے پیدل گئے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر اللہ کو خوب یاد کرتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی نہ ہو مگر جو اللہ کی یاد پر تمہیں مدد دے۔

بچوں کو نماز کی تاکید

(۶) حافظوا علی ابنائکم فی الصلاۃ — پابند بناؤ اپنے بچوں کو نماز کا اور پھر نیکی

---

[1] بیہقی ج ۲ ص ۲۸۶ نمازی جب نماز پڑھتا ہے در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے لئے صدا لگاتا ہے۔ بعزانہ آنے صدا کرتا ہے۔ [2] بیہقی ج ۳ ص ۲۲۹۔

ثم تعود الخیر فانما الخیر بالعادۃ[۱] — کا عادی بناؤ کیونکہ نیکی عادت ڈالنے ہی سے ہوتی ہے۔

احتیاط کرنے کی باتیں

(۷) قولوا الخیر تعرفوا به واعملوا به تکونوا من اهله ولا تکونوا عجلا مذاییع بذرا۔

اچھی بات کہو تاکہ اچھائی سے پہچانے جاؤ اور نیکی پر عمل کرو تاکہ اچھے ہو جاؤ۔ جلد باز اور برائی پھیلانے والے اور راز ظاہر کرنے والے نہ بنو۔

امانت کی اہمیت

(۸) اول ما تفقدون من دینکم الامانۃ وآخر ما تفقدون الصلوٰۃ وسیصلی قوم لا دین لهم[۲]

سب سے پہلی چیز جو تمہارے دین کی جاتی رہے گی وہ امانت ہے اور سب سے آخر میں نماز ہے بے دین لوگ نماز پڑھیں گے پھر بھی جہنم میں جائیں گے (امانت میں خیانت سے دین میں نقص پیدا ہوتا ہے اور نماز سے بے پروائی سے دین جاتا رہتا ہے۔)

(۹) القتل فی سبیل اللہ یکفر کل ذنب الا الامانۃ یؤتی بصاحبها وان کان قتل فی سبیل اللہ فیقال له اد امانتك فیقول

اللہ کے راستہ میں شہادت امانت کے سوا ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے جو شخص اللہ کے راستہ میں شہید ہوگا تو اس سے کہا جائے گا تو اپنی امانت ادا کر تو وہ شہید کہے گا کہ دنیا تو ختم ہو گئی ہے یہاں سے ادا کروں

---

[۱] بیہقی ج ۶ ص صرف کسی کام کا بہتر ہونا اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ انسان اس پر عمل کر ہی لے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے ذہن میں منتقل کر بار بار نصیحت کریں اور محبت سے شوق دلائیں نیکی کا عادی بنالیں تب جا کر انسان نیک بنتا ہے۔ [۲] بیہقی ج ۶ ص ۲۸۹۔

...صبت الدنيا فمن — اللہ تعالیٰ کہے گا، بس کہ جہنم میں لے جاؤ جب

اين اڈ ديها فيقول اذهبوا — جہنم کی تہہ میں پہنچے گا تو اس کی امانت اس کے سامنے

به الى الهاوية حتى اذا انتهى — لائی جائے گی جیسی کہ امانت کے سپرد کرنے کے

به الى قعر الهاوية مثلت — وقت تھی اس کو وہ اپنی گردن پر پیٹھ پیچھے

له امانته كيوم دفعت اليه — کے لئے اٹھائے رہے گا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

فيحملها على رقبته فى اثرها — نے یہ آیت پڑھی۔

ابذا قرأ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ — اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى — مالک کے پاس پہونچاؤ۔

اَهْلِهَا﴾[1]

تقدیر پر ایمان

(۲۹) ماكان كفر بعد نبوة قط الا — نبوت کے بعد کوئی کفر نہیں ہوا ہے مگر اس کی

كان مفتاحه التكذيب — ابتداء تقدیر پر ایمان نہ لانے سے ہوتی ہے یعنی جو بھی

بالقدر[2] — کوئی تقدیر کا انکار کرے گا کفر کی راہ اختیار کرتا ہے)

(۳۰) انشد نوح بن سلام فى ذا الزمان — یہ وہ زمانہ ہے جس سے ہم ڈرائے جاتے تھے اس

هذا الزمان الذى كنا نحذره — حدیث میں جو کعبؓ نے بروایت ابن مسعودؓ

فيما يحدث كعب وابن مسعود — بیان کی ہے۔

ان دام ذا الدهر لم نحزن على احد — اگر یہ زمانہ باقی رہ گیا تو کوئی شخص جو ہم میں سے مرے گا

يموت منا ولم نفرح بمولود۔ — اس کا غم نہ کریں گے اور کسی بچے کی پیدائش پر خوش نہ ہوں گے۔

---

[1] بیہقی ج ۶ ص ۲۸۸۔ [2] العقد الفرید ج ۲ ص ۱۴۰۱۔ [3] القول فى القدر [4] العقد الفريد ج ۲ طبع جدید لبنان ص ۱۴۲۱ دوسرا شعر اس طرح بھی منقول ہے۔ ان دام هذا ولم يحدث له فرج لم يبك ميت ولم يفرح بمولود۔

(۱۴۳) الاثم حزاز القلوب وما حز في قلبك من شيء فدعه — آپ نے فرمایا کہ گناہ دلوں کی کھٹک ہے جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو۔

آئینۂ خودشناسی

(۱۴۴) لا يشبه الزيُّ الزيَّ حتى تشبه القلوبُ القلوبَ۔ — وضع سے وضع نہیں ملتی جب تک دل سے دل نہ ملے۔

ریاکاری سے اجتناب

(۱۴۵) من راءى في الدنيا راءى الله به يوم القيامة ومن سمّع في الدنيا يسمّع الله به يوم القيامة ومن يتطاول تعظما يضعه الله ومن يتواضع تخشعا يرفعه الله — جو دنیا میں دکھانے کے لئے کام کرتا ہے اللہ بھی قیامت میں اس کے ساتھ دکھانے کا برتاؤ کرے گا اور جو دنیا میں سنانے کے لئے کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بے عزتی سنائے گا اور جو اپنے کو بڑا بناتا ہے اللہ اس کو ذلیل کرے گا اور جو اللہ سے ڈر کر تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرے گا۔

ایمان وعمل صالح کی اہمیت

(۱۴۶) لوددت اني علمت ان الله غفر لي ذنبا من ذنوبي واني لا ابالي — میری تمنا ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ نے میرے گناہ معاف کر دیئے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔

ف: اس حدیث کے الفاظ میں حوالہ کا [illegible] ماحکمی صدر کسی [illegible] مقصد دوم

ت دو شخصوں کی تمناؤں کو جب ہم اپنے میں پیدا کرتے ہیں تو ہم ان ہی کی جیسی صورت شکل رنگ ڈھنگ لے لیا کرلیتے ہیں جب تک مقصد میں اتحاد نہیں ہوتا دوسرے کی بات میں کمال لطف نہیں آتا ۱۲، ت میتہ ہو

اس کو قیامت کے دن ایک ایسے مقام پر رکھا جائے گا جس کو وہ جنت خیال کرے گا اس سے کہا جائے گا کہ اس میں چلے جاؤ وہ ذوق وشوق سے جائے گا تو وہ دوزخ ہو گی ۱۲

ت انکساری سے سربلندی ہوتی ہے۔

ولد آدم ولدني.	کہ میں کس کا بیٹا ہوں[1]۔

تھوڑے تھوڑے عمل کے تسلسل سے اپنا مقصد حاصل کرنا اہم بات ہے

(۱۰۳) مثل المحقرات من الاعمال مثل	چھوٹے چھوٹے عملوں کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک
قوم نزلوا منزلا ليس به حطب، و	قوم ایسی جگہ اتری جہاں لکڑی نہیں تھی، ان کے
معهم لحم فلم يزالوا يلتقطون	پاس گوشت تھا، وہ لوگ لکڑیاں برابر چنتے رہے
حتى جمعوا ما انضجوا به	یہاں تک کہ گوشت پکانے کے لائق لکڑیاں جمع
لحمهم.	کرلیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی پہچان

(۱۰۴) ان الله يعطي الدنيا من يحب و	بے شک اللہ دنیا کو دیتا ہے جو اس کا محبوب ہو
من لا يحب ولا يعطي الايمان	اور اس کو بھی جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے مگر ایمان نہیں
الا من يحب فاذا احب الله	دیتا سوائے اپنے محبوب کے تو اللہ تعالیٰ جس بندے
عبدا اعطاه[2] الايمان.	سے محبت کرتا ہے اس کو ایمان کی دولت دیتا ہے۔
(۱۰۵) والذي[3] لا اله غيره ما اصبح	تم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی
عند آل عبد الله ما يرجو	دوسرا معبود نہیں میرے خاندان میں کوئی ایسی

---

[1] آخرت کی عزت نجات میں ہے۔ نجات کے بعد دنیا کی عزت کی پرواہ نہیں کرتا خاندان کی اہمیت نہیں ہے جہنم سے نجات حاصل کر لینا اہم بات ہے۔ [2] الادب المفرد امام بخاری۔
[3] حلیۃ الاولیاء ص ۲۱۲ شرک ذکر سے توحید کی برکت سے انسان کو اللہ تعالیٰ استدراج و عذاب دونوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ لا الہ الا اللہ حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی (حدیث قدسی) جو مصیبت مومن پر آتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے یعنی مصیبت اس امتحان کے لئے آتی ہے کہ ہمارے ایمان میں کس قدر پختگی ہے کتنا صبر کرتے ہیں کتنے راضی بر قضا رہتے ہیں۔

ان يعطيهم الله به خيرا او يدفع عنهم به سوءا الا ان الله قد علم ان عبدا لا يشرك به شيئا۔

چیز نہیں جس سے مجھے توقع ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے عطا کرے گا، یا مجھ سے کسی مصیبت کو دفع کرے گا۔ بجز اس عقیدے کے کہ میں اللہ کا کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(۹۹) فقال ما منكم من احد الا سيخلو به ربه تعالى كما يخلو احدكم بالقمر ليلة البدر فيقول يا ابن آدم ما غرك بي يا ابن آدم ماذا اجبت المرسلين؟ ابن آدم ماذا عملت فيما علمت۔

تم میں سے کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس سے اکیلے میں ملے گا، جیسا کہ تم چاند کو ساتھ چودھویں رات میں دیکھتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے ابن آدم تم کو کس چیز نے تم کو دھوکہ میں رکھا۔ اے ابن آدم تم نے رسولوں کی اور قرآن کی دعوت قبول کی یعنی فقر زبان سے یا عمل سے علم پر کیا عمل کیا۔

(۱۰۰) يعرض الناس يوم القيامة على ثلثة دواوين ديوان فيه الحسنات وديوان فيه النعيم وديوان فيه السيئات فيقابل بديوان الحسنات ديوان النعيم فيستفرغ النعيم الحسنات وتبقى السيئات ومشيتها الى الله ان شاء عذب وان شاء غفر۔

لوگوں کے سامنے قیامت میں تین دفتر پیش کئے جائیں گے کہ ایک میں نیکیاں ہوں گی دوسرے میں نعمتیں اور تیسرے میں برائیاں۔ نیکیوں کے دفتر کا مقابلہ نعمتوں کے دفتر سے کیا جائے گا سب نعمتیں نیکیوں کے مقابلہ میں شمار کر دی جائیں گی۔ اور برائیاں باقی رہ جائیں گی جن کا اللہ تعالیٰ کو اختیار رہے جو چاہے معاف کرے اور چاہے سزا دے۔

۱؎ حلیۃ الاولیاء ص ۱۴۱۔ کیا میں نے تجلیات کسی کو دے دیے تھے کہ اس کے عوض کرے کہ تم کلام پیدا کیا کرلی ہر مغرب بندہ کسی کی سند سے اس کی نافرمانی کے باوجود کر سکتا ہے؟ میری نافرمانی بھی ہو پھر بھی کسی دستار سے کام چل جائے؟

(۹۱) وددت اني صولحت على تسع سيئات وحسنة.

میں تمنا کرتا ہوں کہ نو نیکیاں ایک برائی کے بدلے سے ہو جائیں تو میں راضی ہوں[1]۔

(۹۲) اني لا اخاف عليكم في الخطاء ولكن اخاف عليكم في العمل اني لا اخاف عليكم ان تستقلوا اعمالكم ولكن اخاف عليكم ان تستكثروها.

خطا اور غلطی سے تم کوئی کام کرو تو مجھے اس کے بارے میں ڈر نہیں ہے مگر جان بوجھ کر جو گناہ کرتے ہو تو اس سے پناہ مانگنی چاہیے میں اس سے نہیں ڈرتا کہ تم اپنے اعمال کو کم خیال کرو بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم کہیں اپنے اعمال کو بہت نہ سمجھ لو[2]۔

(۹۳) المؤمن يرى ذنبه كانه صخرة يخاف ان تقع عليه والمنافق يرى ذنبه كذباب وقع على انفه فطار فذهب.

مومن اپنے گناہ کو پہاڑ برابر یقین کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور منافق اپنے گناہ کو ایسا مکھی خیال کرتا ہے جو ناک پر بیٹھی اور اڑ گئی۔

(۹۴) لا يستر الله على عبد في الدنيا الا ستر عليه في الآخرة.[3]

جس بندے کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا اس کے فضل سے توقع ہے کہ آخرت میں بھی اس کو پردے میں رکھے گا۔

(۹۵) عن عبد الله قال، ما احد

آپ نے فرمایا قیامت کے دن ہر شخص اس کی تمنا

ف۱ برائی سے اتنا کانپتے تھے کہ ایک برائی معاف کر دیئے جانے کے بدلے میں دس نیکیوں سے دستبردار ہو رہے تھے ایسا شخص کس قدر برائیوں سے دور رہتا ہوگا۔ اس کا اندازہ کر لیا جائے۔

ف۲ بھول چوک سے آدمی سے گناہ ہو جائے تو یہ اتنی خطرے کی بات نہیں ہے جتنی یہ بات خطرے کی ہے کہ آدمی دنیا کا نفع حاصل کرنے کے لئے برے کام کر گزرے اور ان کی پرواہ نہ کرے یا یہ کہ تھوڑی بہت عبادت کرے یا کچھ نیک کام۔ تو اس کو نجات کے لئے کافی سمجھ لے۔ ف۳ حلیۃ ص ۱۳۶،

من الناس يوم القيامة الا	کہے گا کہ دنیا میں بقدر ضرورت ہی غذا ملتی تم کو اس سے
يتمنى انه كان ياكل في الدنيا	کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ صبح شام میں جو حالت ہو خواہ
قوتاً وما يضر احدكم على	ہو موافق ہو یا مخالف بجز اس کے کہ اللہ کے فیصلہ
ما اصبح وامسى من الدنيا الا	سے دل میں کھٹک رہے۔ کوئی انگارہ چبائے وہ اس سے
ان تكون في النفس حزازة ولان	بہت بہتر ہے کہ کسی تقدیری امر کو یوں کہے کاش
يعض احدكم على جمرة حتى تطفا	یہ نہ ہوتا۔

ليكن خير من ان يقول لامر قضاه الله ليت هذا[1]

۱۹۷: عن ابي عثمان عن ابن مسعود انه	ابو عثمان کہتے ہیں کہ کوفہ میں میری مجلس عبداللہ
كان يجالسه بالكوفة فبينما	ابن مسعودؓ کے پاس ہوا کرتی تھی ایک دن آپ ایک
هو يوماً في صفة له وتحته	چبوترے پر بیٹھے تھے اور اس وقت آپ کے پاس
فلانة وفلانة امرأتان ذواتا	آپ کی دو بیویاں بڑی خاندانی اور حسین بیٹھی تھیں
منصب وجمال وله منهما	اور ان دونوں کے بیچ میں ایک ہی لڑکا تھا
ولد كاحسن الولدان اذ نقش	نہایت خوبصورت ایک چڑیا چہچہاتی ہوئی آئی اور اس نے
على راسه عصفور ثم قذفت	بیٹ کر دی آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے
في بطنه فنكته بيده وقال	پرے پھینک دیا اور فرمایا کہ میرا یہ سارا خاندان مر جائے
لان يموت ال عبد الله ثم اتبعهم	پھر میں بھی مر جاؤں اس سے بہت بہتر ہے کہ
احب الي من ان يموت هذا العصفور[2]	یہ چڑیا مرے۔

---

[1] تقدیر پر اعتراض بہت بڑی کا عمدہ ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ معصیت کے وقت اللہ تعالیٰ پر اعتراض، دین، ایمان، اخلاص کی موت ہے الاعتراض على الحق عز وجل الیوم موت الدین موت التوحید موت الایمان، موت الاخلاص۔ [2] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۲ اگرچہ چڑیا کے بیٹ کرنے سے مجھے غصہ آجائے اور میں اسے اس سے زیادہ یہ پسند ہے کہ میرے بال بچے مر جائیں۔

فتنہ وفساد

(۹۷) ذهب صفو الدنيا وبقي كدرها	صاف دنیا ختم ہو گئی۔ گدلی دنیا رہ گئی کہ اس کا ترک
فالموت اليوم تحفة لكل مسلم[1]	ہی مسلمان کے لیے تحفہ ہے۔

جزا سزا

(۹۸) لا يجعل الله عز وجل من له	اللہ تعالیٰ جس شخص کا اسلام میں حصہ ہے اس کو
سهم في الاسلام كمن لا سهم	ویسا نہ بنائے گا جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں
له ولا يتولى الله عبد في الدنيا	کوئی بندہ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا
الا تولاه غيره يوم القيامة	قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا کہ اس کو چھوڑ
ولا يحب رجل قوما الا جعله	کر دوسرے سے محبت کرے اور کوئی شخص قوم سے
معهم[2]	محبت نہیں کرتا مگر اس کا حشر ان کے ساتھ ہوتا ہے۔
(۹۹) انه كان يقول اذا لقيتم انكم	حضرت ابن مسعود جب بیٹھتے تو فرماتے کہ تم بہت
في ممر الليل والنهار في آجال	تھوڑی عمر میں دن اور رات کی گزرگاہ میں ہو اعمال
منقوصة واعمال محفوظة	محفوظ رہیں گے بہت ممکن ہے اچانک آ جائے (موت)
والموت يأتي بغتة فمن	کہ جو نیکی کی تخم ریزی کرے گا وہ اپنی بوئی ہوئی
يزرع خيرا يوشك ان يحصد	چیز خوش خوش کاٹے گا اور جو برائی کی تخم ریزی
رغبة ومن يزرع شرا يوشك	کرے گا بہت قریب ہے کہ اس کو پچھتانا ہو۔
ان يحصد ندامة ولكل	لیکن ہر بونے والے کو وہی ملے گا جو اس نے بویا ہے
زارع مثل ما زرع لا يسبق	جو عمل میں دیر کرتا ہے وہ اپنا حصہ بعد نہیں

---

[1] حلیۃ ص ۱۳۱۔ صحابہ کا دور ختم ہو گیا فتنہ فساد و خروج ہو گیا۔

[2] حلیۃ ص ۱۳۷۔

بطوء مجتهد ولا يسبق رزقه حريص ما لم يقدر له فمن أعطي خيرا فالله تعالى أعطاه ومن وقي شرا فالله تعالى وقاه المتقون سادة والفقهاء قادة ومجالستهم زيادة۔

جا سکتا۔ کسی حریص کو وہ چیز نہیں مل سکتی جو اس کی قسمت[1] میں نہ ہو۔ جس کو نیکی ملی وہ اللہ کا عطیہ ہے۔ جو کسی مصیبت سے بچا لیا گیا تو اسے اللہ ہی نے بچایا ہے۔ متقی لوگ سردار ہیں اور فقہا ہمارے رہنما ہیں۔ ان کی ہم نشینی نیکیوں میں اضافہ کا سبب ہے۔

(۱۰۰) ما منكم الا ضيف وماله عارية والضيف مرتحل والعارية مؤداة الى اهلها۔

تم میں ہر شخص مہمان ہے اور اس کا مال عاریت ہے مہمان کو جگہ جگہ چھوڑ دینی (سفر) لازمی ہے اور عاریت مالک کو واپس کر دینی ضروری ہے۔

دنیا کس طرح گزاری جائے

(۱۰۱) وددت انی من الدنیا فرد کالغادی الراکب الرائح۔

میری آرزو ہے کہ میں ایسا بے تعلق رہوں جیسے صبح شام چلنے والا مسافر الگ تھلگ رہتا ہے۔

تواضع کی پہچان

(۱۰۲) ان من رأس التواضع ان ترضى بالدون من شرف المجلس وان تبدأ بالسلام من لقيت[2]

تواضع میں چوٹی کی چیز یہ ہے کہ کم درجہ کی جگہ پر بیٹھنے سے ناراض نہ ہو اور جو تمہارے سامنے آئے اسے سلام کرنے میں تم پہل کرو۔

---

[1] ہم جو چیز طلب کرتے ہیں جو مقدر میں ہے بس کی یہ ایمانی تعلیم بس دعائیں دی گئی ہے۔ اللّٰهم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیئات الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

[2] ازالۃ الخفاء ۱۸۶۔

شانِ مومن

(۱۰۳) المومن مالف ولا خیر فی من لا یالف ولا یولف. — مومن الفت مزاج ہوتا ہے اس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرتا ہے نہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔[1]

خواہشات نفس کا انجام

(۱۰۴) الحق ثقیل مرئ والباطل خفیف وبیٌ ورب شهوة تورث حزنا طویلا۔ — حق دشوار ہے مگر دیر میں اس کی لذت کا ادراک ہوتا ہے ناحق آسان ہے مگر دیر میں اس کی ناگواری محسوس ہوتی ہے اور بہت سی خواہشیں غم کا سبب بن جاتی ہیں۔

عمل میں تسلسل اور تواتر

(۱۰۵) لا تفتروا فتهلکوا — اعمال میں سستی نہ کرو ورنہ تم برباد ہو جاؤ گے۔

اپنے عمل اور بے عملی کے نتیجہ کو دور نہ سمجھو

(۱۰۶) کل ما ھو آت قریب — وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے۔

نیکی کے اوقات

(۱۰۷) ان للقلوب[2] شهوة واقبالا وان للقلوب فترة وادبارا فاغتنموها — آپ نے فرمایا دل کو کسی وقت رغبت ہوتی ہے اور متوجہ ہوتا ہے اور کسی وقت بے رغبت ہوتا ہے اور بے توجہ، جس وقت اس کو توجہ

---

[1] از ادب الخواص ۹۰، [2] اس نے اپنا مزاج ایسا بنا لیا ہے کہ کوئی اس سے بے تکلف نہیں ہوتا اور نہ اس سے محبت کرتا ہے [3] حیاۃ ص ۱۲۴

[4] ذوق و شوق کی عبادت نفس کو راحت پہنچاتی ہے۔

عند شهوتها ودعوها عند	چاہئے کہ اس کو غنیمت سمجھو اور اللہ کو یاد کر لو جو
فترتها واد بارها۔	جس وقت کند ہو لیسے توجہ ہو اس وقت چھوڑ دو۔

بیکار باتوں سے اجتناب

(۱۰۸) قال رجل لعبد اوصنی یا ابا	ایک شخص نے آپ سے فرمائش کی کہ مجھ کو نصیحت
عبد الرحمن قال ولیسعک بیتک	کیجئے آپ نے فرمایا کہ تمہارا گھر تم کو گھیرے رہے
واکفف لسانک وابک علی ذکر	اپنی زبان کو روک رکھو۔ اپنے گناہوں کو یاد
خطیئتک۔	کر کے روؤ۔
(۱۰۹) قال واللہ الذی لا الٰہ الا ہو ما علی	آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ زمین میں سب سے
ظہر الارض شیٔ احوج الی طول	زیادہ قید میں رکھنے کی چیز زبان سے زیادہ
سجن من لسان۔	کوئی نہیں۔

حسد

(۱۱۰) لا تعادوا نعم اللہ قیل لہ	اللہ کی نعمتوں سے دشمنی مت کرو۔ آپ سے پوچھا
ومن یعادی نعم اللہ قال الذین	گیا کہ اللہ کی نعمتوں سے کون دشمنی کرتا ہے
یحسدون الناس علی ما آتاہم	تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو ان لوگوں سے حسد
اللہ من فضلہ۔	کرتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے۔

بدعت

(۱۱۱) الاقتصاد فی السنۃ احسن	سنت میں میانہ روی بدعت میں بڑی محنت

۱؎ فضول باتیں نہ کرو، اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہنے کی اجازت نہیں آپ کے ماجزادے حضرت عبد الرحمٰن کے بیان میں یہ نصیحت گزر چکی ہے اس میں کف لسان کے بجائے اوصیک بتقوی اللہ ہے۔ ۲؎ حلیہ ص ۱۳۲

۳؎ باب الحسد ص ۳۲۰ العقد الفرید ج ۲۔

عربی	اردو
من الاجتهاد في البدعة	اتباع سے زیادہ بہتر ہے۔

عزت نفس

عربی	اردو
(۱۱۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم	فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہاتھ
الايدي ثلاثة فيد الله	ہیں اللہ کا ہاتھ سب سے بلند ہاتھ ہے اور دینے والے
العليا ويد المعطي التي تليها ويد	کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ سے ملا ہوا ہے اور سائل کا ہاتھ
السائل السفلى الى يوم القيامة	قیامت تک نیچے ہے جہاں تک ہو سکے تم
فاستعففوا عن السؤال ما استطعتم	سوال سے دور رہو۔
(۱۱۳) لا تعجبوا بحمد الناس ولا	لوگوں کی تعریف و مذمت کی کچھ پروا نہ کرو
بذمهم فان الرجل يعجبك	کیونکہ آدمی آج خوش ہوتا ہے اور کل ناخوش
اليوم ويسوءك غدا و	ہو جاتا ہے آدمی اولتا بدلتا رہتا ہے اور
يسوءك اليوم ويعجبك	اللہ قیامت کے دن اپنے بندوں کے گناہوں
غدا وان العباد يغيرون والله	کو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ماں سے
يغفر الذنوب يوم القيامة	زیادہ مہربان ہوگا جس نے سایہ میں اپنے
والله ارحم لعباده يوم القيامة	بچہ کے لئے بچھونا بچھایا ہو پھر اس کے نیچے ہاتھ
من ام واحد فرشت له في	ڈال کر دیکھتی ہو کہ اگر کوئی کانٹے والا کانٹا
ارض قيء ثم قامت تلتمس	ہو تو اس کے ہاتھ میں کانٹے اور اگر کوئی
فراشه بيدها فان كانت	کانٹا ہو تو اس کے ہاتھ میں چبھے
لدغة كانت بها وان كانت	
شوكة كانت بها۔	

؎ بیہقی ج ۴ ص ۱۹۸

اندھی تقلید سے ممانعت

(۱۱۴) قال عبد اللہ لا یکونن احدکم امعۃ قالوا وما الامعۃ یا ابا عبد الرحمن قال یقول انا مع الناس ان اھتدوا اھتدیت وان ضلوا ضللت الا لیوطنن احدکم نفسہ علی ان کفر الناس ان لا یکفر۔[۱]

آپ نے فرمایا امعہ نہ بنو لوگوں نے پوچھا امعہ کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا جو لوگوں سے کہتا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں اگر وہ سیدھی راہ چلیں تو میں بھی اسی راہ پر رہوں گا۔ اپنے نفس کو اس کی عادت ڈالو کہ اگر لوگ کفر کی راہ پر چلتے ہیں تو تم ہرگز نہ چلو۔

جہالت کی گرم بازاری

(۱۱۵) عن عبد اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا لبستکم فتنۃ یربو منہا الصغیر ویہرم فیہا الکبیر واذا ترک منہا شیء قیل ترکت سنۃ قالوا متی ذلک یا رسول اللہ؟ قال اذا کثرت قراؤکم وقلت علماؤکم

آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فتنے گھیر لیں گے تو تم کیا کرو گے ایسا طریقہ اختیار کریں گے کہ بچہ بڑا ہو جائے گا اور بڑا بوڑھا ہو جائے گا اور کوئی چیز چھوڑ دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ سنت چھوڑ دی گئی صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کب ہو گا؟ آپ نے فرمایا: اذا کثرت قراؤکم وقلت علماؤکم یعنی جب قاری لوگ بہت ہو جائیں گے اور

۱؎ المحتسب دینہ الرجال فضل سہم ص ۱۷۵ ابن القیم

۲؎ ص ۲۷ حلیۃ الاولیاء زمانہ کی پرواہ نہ کرو۔ حق پرستا بود ہو خواہ کچھ ہی ہو جائے۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

وکثرت امراؤکم	علماء کم ہو جائیں گے اور دیانتدار کم ہو جائیں
وقلت امناؤکم والتمست	گے اور آخرت کے عمل سے دنیا حاصل کی جائیگی
الدنیا بعمل الاخرۃ وتفقہ	اور دین کا علم اللہ کی رضا کے علاوہ اور مقصد
لغیر اللہ قال عبد اللہ	کے لیے حاصل کیا جائیگا آپ نے فرمایا یہ باتیں
فاصبحتم فیہا:	میں تم میں دیکھ رہا ہوں۔

یاد رفتگاں

(۱۹۱) قال عبد اللہ بن مسعودؓ	حضرت نے فرمایا ایک زندہ کا نیک سلوک
من بر الحی بالمیت ان یصل	مردہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ اچھا
من کان یصل اباہ۔	سلوک کرے جو اس کے باپ کے ساتھ اچھا
	سلوک کرتا تھا۔

ولی کی ذمہ داری

آپ کی خدمت میں ایک شخص اپنے بھتیجے کو لے کر آیا۔ جو شراب میں مست تھا آپ نے اسے اتنی دیر روکا کہ اس کا نشہ اتر گیا۔ اس کے بعد درخت کی ایک شاخ منگوائی اور اس کے پتے توڑ کر جلاد کو بلایا اور اس سے کہا تم اس کے جسم پر اس کوڑے سے ہاتھ کو ہاتھ کی حد تک اٹھا کر مارو۔ اس قدر اوپر نہ کرو کہ بغل نظر آنے لگے۔ چنانچہ جلاد کوڑا مارتا جاتا تھا اور حضرت گنتے جاتے تھے یہاں تک کہ اس نے اسی درّے مارے تو اس لڑکے کے چچا نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن یہ میرا بھتیجہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور میری اولاد نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا۔

شر العم والی الیتیم انت	تم یتیم کے بہت برے چچا ثابت ہوئے۔ خدا کی قسم تم نے نہ

ا؎ العقد الفرید ۱۰۔ باب ... ص ... جس نے اس کے باپ پر احسان کیا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک سے بیٹا اپنا باپ کا حق ادا کرتا ہے۔

واللّٰہ ما احسنت ادبہ صغیرا — بچپن میں اس کو اچھا ادب سکھایا اور نہ بڑے
ولا سترتہ کبیرا — ہونے پر اس کی بدعملی کو۔

اس کے بعد بیان فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلے حد یوں جاری ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جس کی گواہی گذرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جب چور کو ہاتھ کاٹنے کے لئے لے جانے لگے تو وہ بڑی مایوسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بعض صحابہؓ کو اس پر ترس آیا اور انھوں نے آپ سے درگذر کرنے کی خواہش کی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

ھلا کان ھذا قبل ان — یہ بات اس چور کو میرے پاس لانے سے پہلے
تاتونی بہ ان — کیوں نہ ہوئی جب حاکم کو حد جاری کرنے
الامام اذا انتھی الیہ — کی شہادت پہنچائی جائے تو پھر کسی کو حق
حد فلیس لاحد ان یعطلہ[۱] — نہیں ہے کہ غلط قرار دے۔

---

[۱] مسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۲۸ (طبع حلب)

ہمہ وقت حاضر باش صحابی پر غلط الزام

قرآن کریم نے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو بتلایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی شکل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جس نے رسول کی اطاعت کر لی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی) اس لئے صحابہؓ کے زمانہ سے آج تک مسلمانوں کو آپ کی ذات مبارک کے ساتھ ہر زمانہ میں بڑی گرویدگی رہی ہے صحابہؓ کرام کو آپ کے ساتھ جو والہانہ شیفتگی تھی اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے صحابہؓ اور ان کے بعد امت نے آپ کی زندگی کی ایک ایک بات ایک ایک جزئیہ کو حرز جان بنایا۔ ہاں ایسا ہوا ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف اوقات میں آپؐ کے عمل میں اختلاف ہوا۔ امت نے ان جزئیات کو بھی نہیں بھلایا بلکہ تمام و کمال اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کیا۔

ہر شخص ہر بات کو یاد رکھے یہ مشکل کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نظم کیا کہ ایک صحابی نے ایک بات یاد رکھی تو دوسرے صحابی نے دوسری بات یاد رکھی۔ ایسے بھی صحابی ہیں جنہوں نے کسی کسی واقعہ میں ایک سے زیادہ وقتوں کی باتوں کو یاد رکھا

غرض کہ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ جو اُمت کی نظر سے اوجھل ہو۔ مختلف اوقات میں اپنی عمر کی مختلف حصوں میں آپ نے جو کچھ فرمایا بلکہ عمل کے مختلف پہلوؤں کو بھی اسلاف نے اخلاف تک پہنچایا ہے یہ ضرور ہوا کہ بعد کے حضرات میں سے کچھ لوگوں نے ایک پہلو پر زور دیا تو دوسرے حضرات نے دوسرے پہلو پر۔

انھیں باتوں نے آگے چل کر اختلافی مسائل کی شکل اختیار کرلی یہ مسائل عادت سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور عبادت سے بھی۔ صلح کی ان تدبیروں سے بھی اور جنگ کی ان ضروریات سے بھی، نماز سے بھی اور روزہ سے بھی۔ غرض یہ کہ زندگی کے تقریباً سارے مسائل کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ نماز جیسی پرسکون عبادت کے جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے؟ یا دوسرے انتقالات بعد رکوع، قومہ اور سجدہ کے قبل بھی، رفع یدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح العقول پر نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ پر ہاتھ اٹھایا پھر نہیں۔ دوسرے صحابہؓ نے رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اُٹھتے وقت، سجدہ کو جاتے وقت، سجدہ سے اُٹھتے وقت، حتیٰ کہ سلام کے وقت بھی رفع یدین نقل کیا ہے۔ ہر فریق اپنے مذاق کی روایت کو قوی قرار دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں قسم کی روایتیں ہیں (۱) پوری نماز میں صرف ایک بار تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا، جس کو اس سلسلہ کے فقہ[1] کے

---

[1] یہاں فقہ سے مراد فقہ مدینہ ہے۔

کو جسے حضرت امام مالکؒ نے اختیار فرمایا۔ (۲) رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں حالتوں میں بھی ہاتھ اٹھایا۔ یہ حدیث صحیحین میں عن الزہری عن سالم عن ابن عمر کی سند کے ذریعہ مروی ہے کہ جس سند کے ذریعہ پہلی روایت ہے۔

ہندوستان میں جن چند مسائل کا کبھی زمانہ میں چرچا ہوتا رہا ہے ان میں صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس کی سند کے متعلق یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے والے اس کے مقابل کی سند نہیں پیش کر سکتے۔ ان سے کہا گیا کہ سلسلۃ الذہب کی یہ روایت ہماری تائید میں ہے اور تمہارے پاس سلسلۃ الذہب کی روایت نہیں ہے اور ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ تم اپنی تائید میں سلسلۃ الذہب کی کوئی حدیث پیش کرو۔ سب سے پہلے اس مقابلہ میں اسی سند کی حدیث پیش کی جاتی ہے حضرت سالم اور حضرت نافعؒ کا اس روایت مرفوع موقوف ہونے میں جو اختلاف ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس مقالہ کے سوا کسی اور جگہ یہ استدلال نظر نہیں آ گے۔ چونکہ حضرت ابن عمرؓ کی ایک ہی لیند سے دونوں حدیثیں (تین وقت رفع یدین) اور صرف تحریمہ کے وقت رفع یدین کی حدیثیں مروی ہیں مگر اذا تعارضا تساقطا کے اصول پر اس حدیث کا استدلال کے قابل نہ قرار دیں تو پھر عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ کی حدیثوں کے پایہ کی کوئی حدیث تین وقت رفع یدین کی نہیں پیش کی جا سکتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر نسیان کا غلط الزام

اور

اس پر محققانہ بحث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:۔ الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا اول مرۃ ؎ انتھی

؎ ابوداؤد باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع (جلد ۱ ص ۱۱۶)
وحسنہ الترمذی باب رفع الیدین وصححہ ابن حزم فی المحلی
والنسائی ولفظہ، فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد۔ واحمد
بالکل یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی سند سے ہے کہ جس سند سے رفع یدین
کی روایت بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے دونوں روایتوں کے راوی ایک
ہی ہیں۔ ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ
ملا محمد عابد سندھی المواھب اللطیفہ فی العرم المکی علی مسند
الامام ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں؎۔ (بقیہ صفحہ ۲۰۲ پر)

؎ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

اس روایت پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب نیشاپوری[1] نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے اور آپ کا بھولنا کوئی عجیب بات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱۔

قلت قد روی فی معنی حدیث
ابن مسعود ایضاً ما اخرجه
البیهقی فی خلافیاته من
حدیث مالك عن الزهری
عن سالم عن ابن عمران رسول الله
صلی الله علیه وسلم کان یرفع
یدیه اذا افتتح فی الصلوٰة
ثم لا یعود قال الحاکم والبیهقی
حدیث ابن عمر هذا باطل
موضوع لا یجوز ان یذکر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بھی روایت ہے جس کو بیہقی نے اپنے خلافیات میں اس سند سے روایت کیا ہے۔ عن مالک عن الزہری عن سالم عن ابن عمرؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے حاکم اور بیہقی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث باطل ہے۔

---

[1] ان کا پورا نام ابوبکر بن اسحاق بن ایوب بن یزید بن عبدالرحمٰن بن نوح نیشاپوری ہے ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے آپ مذہباً شافعی ہیں۔ علامہ سبکیؒ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی رائے فاتحہ کی قرأت کے متعلق یہ تھی کہ جس کو رکوع مل جاتا ہے مگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھ سکا تو اس کی رکعت نہیں ہوئی علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں پہلے یہی تحقیق کی تھی لیکن بعد میں اس تحقیق سے رجوع کر لیا۔ (ملاحظہ ہو عون المعبود جلد اص ۲۶۳ باب ترک رفع الیدین عند الرکوع) ان کا ایک مسئلہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ کہیں گر گئے تھے اور ان کی آستینوں میں کچھ مٹی لگ گئی تھی جس پر کپڑا لٹکا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ اسے دھو ڈالے اور آستین میں مٹی سے بھی دھو دے۔ لونڈی نے پوچھا کیا کچھ مٹی بھی نہیں ہوتی! اس وقت علامہ ابوبکرؒ نے جب انصاف سے کام لیا اور کہا۔ احسنت احسنت لقد صدقت۔ [2] طبقات الشافعیہ الکبریٰ للعلامۃ السبکی ج ۲ ص ۸۱، ۸۲۔

نہیں ہے کیونکہ اور چند باتیں بھی آپ بھول گئے ہیں۔ اور یہ باتیں انھوں نے

بقیہ حاشیہ سابقہ۔

الا على سبيل التعجب والقدح فيه فقد روينا بالاسانيد الزاهرة عن مالك خلاف هذا انتهى۔

موضوع ہے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں ہے مگر تعجب کے طور پر یا اس پر اعتراض کرنے کی غرض سے کیونکہ ہم نے بڑی اچھی اچھی سندوں سے امام مالکؒ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔

اس پر ملا عابد سندھی تحریر فرماتے ہیں۔

قلت تضعيف الحديث لا يثبت بمجرد الحكم وانما يثبت ببيان وجوه الطعن وحديث ابن عمر الذى رواه البيهقى فى خلافياته رجاله رجال الصحيح فما ارى له ضعفا بعد ذلك۔

کسی حدیث کو ضعیف بتایا جائے تو صرف بتلانے کے ضعیف کہہ دینے سے وہ حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی صرف ضعف کا حکم لگا دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی سند یا متن میں جو اعتراضات ہیں وہ اعتراضات بیان کرنے چاہئیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ حدیث جسے بیہقیؒ نے اپنے خلافیات میں ذکر کیا ہے۔ (یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی حدیث)، اس حدیث کے راوی وہی ہیں جو بخاری کی روایت کے راوی ہیں۔

(یعنی مالکؒ سے لے کر اوپر تک تو بالکل وہی راوی ہیں جو بخاری کی رفع یدین کے راوی ہیں پھر اس کے بعد اس روایت کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ ہم نہیں پاتے۔ (صرف مسلک یا مذاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔)

اللهم الا ان يكون الراوى عن مالك مطعونا لكن الاصل العدم

ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ سے نیچے کے راوی قابل اعتراض ہوں لیکن ظاہر کوئی قابل اعتراض راوی

(باقی اگلے صفحہ پر)

شہد کرادی ہیں۔ یہ دعویٰ کیا کہ مجھ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بھول گئے حافظ ابوبکر

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

فهذا الحديث عندي صحيح لا محالة وغاية ما يقال فيه ان ابن عمر رأى النبي صلى الله عليه وسلم حينما يرفع فاخبر عن تلك الحالة ولم يرنا لا يرفع ولم يخبر عن تلك الحالة وليس في كل من حديثهما يفيد الدوام والاستمرار على شئ معين منهما۔ ولفظ كان لا تفيد الدوام والاستمرار الا على سبيل الغالب فقد ورد انه صلى الله عليه وسلم كان يقف عند الصخرات السود بعرفة ولم يحج بعد الهجرة الا حجة الوداع ولا سبيل الى تضعيفه

نہیں پایا جاتا، یہ حدیث میرے نزدیک یقیناً صحیح ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ اس حدیث میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو وہ روایت کر دی (جیسا بخاری و مسلم کی روایت ہے) اور جب آپ کو دیکھا کہ صرف ایک بار نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھائے اور پھر نہیں اٹھائے تو وہ روایت کر دی، دونوں حدیثوں میں سے کسی میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو دوام استمرار کو بتاتا ہو یعنی دونوں میں سے کسی خاص کیفیت کا ہمیشہ ہونا ہو، یہ بات نہیں ہے۔ اور "کان" کا لفظ دوام کے معنی کثرت سے دیتا ہے نہ کہ ہر وقت کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن عرفات کے میدان میں کالے کالے پتھروں کے پاس ٹھہرتے تھے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج (حجۃ الوداع) کیا ہے یقیناً "کان" یہاں عادت بتلانے کے لیے نہیں ہو تو آپ کے ایک عمل کی وجہ سے جو حدیث ذکر عمل کرتی ہے اس کو ضعیف کہنا جائز نہ ہوگا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احمد بن اسحاقؒ کی اس بحث میں اس وقت صرف اس پہلو دلیس فی نسیان ابن مسعود لذٰلک ما یستغرب) سے بحث کی جائے گی۔ رفع یدین کے مسئلہ پر

بقیہ حاشیہ سابقہ

فضلا عن وضعه والله اعلم	ہو جائے کہ اس کو موضوع کہا جائے۔
	مولانا نعطالی نے ابن ماجہ کی شرحؒ میں۔ رفع یدین کی بحث میں لکھا ہے۔
واستدل لابی حنیفۃؒ بحدیث	کہ امام ابو حنیفہؒ کی مسلک کی دلیل میں ایک
لاباس بسنده ذکره	ایسی حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس پر کچھ کلام اعتراض
البیهقی فی الخلافیات	نہیں ہے اس حدیث کو بیہقی نے الخلافیات میں
من حدیث محمد بن	محمد بن غالب سے روایت کیا ہے وہ احمد ابن
غالب ثنا احمد بن البرانی	محمد البرانی سے اور وہ عبداللہ بن عون الخراز
ثنا عبداللہ ابن عون	اور وہ امام مالکؒ سے روایت کرتے
الخراز حد ثنا مالک	ہیں اور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ صفحہ ہذا

۱؎ کتب خانہ آصفیہ نمبر کتاب ۲۰۰۰ حدیث عربی۔

۲؎ بالخاء المعجمة بعدها راء مهملة آخره زاء معجمة وعبد الله بن عون هذا البغدادی کما فی الخلاصة من رجال مسلم اخرج عنه بدون واسطة من كبراء الرجال حدث امیر مصر کما فی التهذیب وهو ایضا امیر کما فی الخلاصة بعد من الابدال ورجاله یکونون معروفین وغایة ما یکون بینه وبین الحاکم رجلان کما یعلم بالتصفح فی المستدرکؒ فی الطبقتین فکیف لعوز الحاکم معرفة من لو جده ولم یعینه الامر انه لم یجد احدا یرمیه فیه معینا (نیل الفرقدین ص۱۲۰ تا ۱۲۱)

ہر پہلو سے اس وقت یہ امر موضوع گفتگو نہیں ہے۔ حافظ ابو بکر احمد بن اسحاق نیشاپوریؒ

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

عن الزهری عن سالم	وہ زہریؒ سے اور وہ سالمؒ سے اور وہ عبد اللہ بن عمرؓ
عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ	سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز
علیہ وسلم کان یرفع یدیہ	شروع کرتے تھے تو ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ہاتھ
اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود	نہیں اٹھاتے تھے۔ علامہ مغلطائیؒ اس کو نقل کرکے

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ والحدیث قد اخرجه مدوّن المدونة علی اصالة التراجم عن ابن وهب وابن القاسم عن مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم كان یرفع یدیه حذو منكبیه اذا افتتاح الصلوٰة الخ (ذیل المغوطہ ص ۱۳۲) زرقانی نے شرح موطا مالکؒ باب افتتاح الصلوٰۃ ص ۱۴۳۔ پر اس کی تصریح بتلائی ہے کہ سلسلۃ الذہب کی وہ حدیث جو بخاری میں ہے اس پر امام مالکؒ نے عمل نہیں کیا۔ وقال الاصیلی لم یأخذ به مالك لان نافعا وقفه علی ابن عمر وهو احد الاربع التی اختلف فیها سالم ونافع ثانیهما من باع عبدًا وله مال فماله للبائع والثالث الناس كابل مائة لا تجد فیها راحلة والرابع فی ما سقت السماء والعیون العشر فرفع الاربعة سالمٌ ووقفها نافع وبه یعلم تحامل الحافظ فی قوله لم ار للمالكیة دلیلا علی تركه ولا متمسكا الا قول ابن القاسم انتهی لان سالما ونافعا لما اختلفا فی رفعه ووقفه تركه مالك فی مشهور القول باستحباب ذلك لان الاصل صیانة الصلوٰة عن الافعال علامہ نووی فرماتے ہیں وهو اشهر الروایات عن مالك۔

نے اس جملہ میں نسیان کے جو معنی بھی لئے ہوں ان میں سے کوئی معنے حضرت عبداللہ

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

انتھی ولما لم یر الحاکم — فرماتے ہیں کہ جب حاکم کو کوئی ایسی بات نہیں
ما یدفعه به قال هذا — ملی جس سے اس حدیث کا جواب دیتے تو دعویٰ کیا
باطل فقد روینا بالاسانید — کہ یہ باطل حدیث ہے کیونکہ ہم نے صحیح سند سے
الصحاح عن مالك خلاف — امام مالکؒ سے اس کے خلاف روایت کی ہے
هذا۔

قال مالك لا اعرف رفع اليدين في شئ من تكبير الصلاة لا في خفض ولا في رفع الا في افتتاح الصلاة (نیل الفرقدین ص ۱۳۱)

تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا صرف یہ فرمانا کہ حدیث ابن عمر مقلوب موضوع ۵ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس حدیث کی کسی علت پر مطلع نہ ہو سکے صرف اپنے مذاق کی بنا پر یہ حکم لگا دیا۔ ورنہ بتلاتے کہ فلاں راوی اس کا متہم ہے فلاں راوی واضع الحدیث ہے وہ حافظ ہیں ان سے کوئی سند پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی راوی کے حالات سے ناواقف ہیں اس روایت کے کسی راوی پر ان کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سند بالکل صحیح ہے اور حافظ ابن حجرؒ کسی اعتراض کی جگہ نہیں پاتے ورنہ وہ ضرور بتلاتے کہ فلاں قلب کرنے والا ہے اور فلاں وضع کرنے والا اور کسی حافظ کا بغیر کسی کے پتہ کے بات کہنے کو محدثین بڑے خطرہ کی بات کہتے ہیں تذکرۃ الحفاظ میں امام زہریؒ کے تذکرہ میں ہے۔ قال یحیی بن سعید مرسل الزهری شر من مرسل غيره لانه حافظ وكلما قدر ان يسمی وانما يترك من لا يستجيز ان يسميه حافظ ہونے کی وجہ سے ان کو نام بتلانے میں دقت نہیں جس کا نام بتلانے میں وہ خطرہ سمجھتے ہیں اس کا نام نہیں بتلاتے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ پر بھی پوری منطبق ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہ بات

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن مسعودؓ پر چھپاں نہیں ہوتے۔ (۱) انسیان بھول جانے اور یاد نہ رکھنے کو بھی کہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

کہی جا سکتی ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ کی جو حدیث صحیح بخاری میں ہے زیادہ قابلِ اعتبار ہے عبداللہ ابن عمرؓ کی وہ حدیث جو صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے اس درجہ کے قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ دو الگ الگ روایتیں کے (رفع یدین عند الرکوع و ترک رفع یدین عند الرکوع) راوی ایک ہیں اور روایت کی صحت اور ضعف کا دار و مدار راویوں پر ہے نہ اس پر کہ وہ روایت فلاں خاص کتاب میں ہے۔

حالانکہ اس قسم کا دعویٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں صحیح سند سے یہ روایت ہے۔

حدثنا الحاکم انبأ ابو بکر	حاکم روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر ابن مکرم نے ہم سے
بن مکرم ثنا احمد بن عبد الجبار	روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ احمد بن عبد الجبار نے
ثنا ابو بکر بن عیاش حصین	ہم سے روایت بیان کی وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر
عن مجاھد قال ما رأیت	بن عیاش نے ہم سے روایت کی اور وہ روایت کرتے
ابن عمر یرفع یدیہ	ہیں کہ حصین نے مجاہد سے روایت کی اور وہ کہتے ہیں کہ
الا فی اول ما یفتتح الصلوٰۃ	میں نے ابن عمرؓ کو نہیں دیکھا کہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوں مگر نماز شروع کرنے میں سب سے پہلے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا ہے یعنی پھر نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ علامہ طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں مجاہدؒ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

فحدیث الرفع منسوخ علی ھذا

قاضی ابن رشد مالکیؒ ہدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں مذہب اہل الکوفۃ ابو حنیفۃ و سفیان

جیسا کہ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کہا گیا: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ یہ نسیان آدم علیہ السلام کی وراثت سے ہم کو ملا ہے لیکن جن مسائل میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

الثوری وسائر فقہائہم الی انہ لا یرفع المصلی یدیہ الا عند تکبیر الاحرام فقط وھی روایۃ ابن القاسم عن مالک (الفضل الثانی افعال الصلوٰۃ من باب الاقل ص۳۰) علامہ نووی فرماتے ہیں۔ وھو اشہر الروایات عن مالک اسی بدایۃ المجتہد میں ہے۔ فمنہم من اقتصر بہ علی الاحرام فقط ترجیحا لحدیث ابن مسعود وحدیث البراء بن عازب وھو مذہب مالک لموافقۃ العمل بہ۔ حافظ ابوبکر حازمیؒ نے اپنی کتاب الاعتبار فی الناسخ المنسوخ من الآثار میں ایک حدیث پر دوسری حدیث کی ترجیح کی پچاس وجہیں لکھیں ہیں ان پچاس وجوہ ترجیح کو حافظ عراقیؒ نے تبصرہ کی شرح میں نقل کر دیا ہے ان وجوہ میں یہ نہیں ہے کہ ایک حدیث وہ ہو جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہو یا دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہو اور دوسری حدیث ایسی نہ ہو تو اس روایت کو ترجیح ہو گی جو بخاری و مسلم میں ہے الغرض جتنی ترجیح کی وجہیں لکھی ہیں اس کا تعلق صرف راویوں سے ہے۔ کسی خاص کتاب میں ان کا روایت شدہ ہونا نہ اس روایت کو قوی بناتا ہے نہ ضعیف۔ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی صحیح حدیثیں ہیں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

فقد یوجد فی مسند الامام	مسند احمد میں بہت سی ایسی سندیں
احمد من الاسانید والمتون	اور ایسی حدیثیں ملتی ہیں جو بخاری اور
شیء کثیر مما یوازی کثیرا	مسلم کی حدیثوں کی ٹکر کی ہیں۔ اور وہ
من احادیث مسلم بل	حدیثیں بخاری و مسلم میں نہیں ہیں بلکہ

حافظ ابو بکر نے دعوی کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے تو ان مسئول میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(حاشیہ بقیہ سابق)

والبخاري ايضا وليست عند هما ولا عند احد هما بل ولم يخرجه احد من اصحاب الكتب الاربعة وهما ابو داؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه وكذلك يوجد في معجم الطبراني الكبير والاوسط ومسند ابي يعلى والبزار وغير

میں سے کسی ایک میں نہیں ہیں بلکہ صحاح ستہ میں کسی نے اس کی روایت نہیں کی اور اسی طریقہ سے معجم طبرانی کبیر میں اور اوسط میں اور مسند ابو یعلی میں یا مسند بزار میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں نفیس موجود ہیں اور اس کا متن اور سند بہت بہتر ہے اور اس میں کسی قسم کا اعتراض نہیں پایا جاتا۔

ذلك من المسانيد والمعاجم والفوائد والاجزاء مما يتمكن المتبحر في هذا الشان بصحة كثيرة منه بعد النظر في حال رجاله وسلامته من التعليل المفسد۔ الخ[1]

اسی طرح امام نوویؒ نے اپنی کتاب تقریب میں اس دعوی کو نقل کیا ہے۔

واما ما ادعى ابن الصلاح من ان ما رواه احد هما فهو مقطوع۔

اور جو ابن صلاح نے دعوی کیا ہے کہ بخاری و مسلم نے یا دونوں میں سے ایک نے جس حدیث کو روایت کیا ہے اس کا صحیح نفس ہے۔

بصحته والعلم القطعي حاصل فيه پھر اس کا رد کیا ہے وقد خالفه المحققون

---

[1] اختصار علوم الحدیث حافظ عماد الدین اسمٰعیل ابن کثیر ص ۲۵ طبع مکہ مکرمہ

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

والاکثرون فقالوا بقید الظن ما لم یتواتر امام نووی نے مسلم کی شرح میں روایت صحیحین سے قطعی علم حاصل ہونا جو درج کیا ہے نا قابل تسلیم ہے۔ لان ذلک شان الآحاد ولا فرق فی ذلک بین الشیخین وغیرھما۔ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں بہت صاف لکھا ہے۔ وقول من قال اصح الاحادیث ما فی الصحیحین ثم ما انفرد بہ البخاری ثم ما انفرد بہ مسلم ثم ما اشتمل۔

علی شرطھما من غیرھما ثم ما	پھر وہ حدیث جو صرف صحیح مسلم میں ہے پھر وہ
اشتمل علی شرط احدھما تحکم	جس میں دونوں کی شرطیں پائی جاتی ہوں الخ
لا یجوز التقلید فیہ اذ الاصحیۃ	وہ جو دونوں میں سے ایک کی شرط پر ہو
لیست الا لاشتمال رواتھما	(یہ دعویٰ) بلا دلیل ہے یہ تسلیم نہ کرنا چاہیے
علی شروط التی اعتبراھا فاذا	کیونکہ حدیث کا صحیح ہونا راویوں میں ان شرطوں
فرض وجود تلک الشروط فی	کے پائے جانے پر ہے جن حضرات نے شرط
رواۃ حدیث فی غیر الکتابین	قرار دی ہیں اور جب یہ ہم مان لیں کہ وہ
افلا یکون الحکم با صحیۃ ما فی	شرطیں کسی ایسی حدیث میں پائی جاتی ہیں
الکتابین عین التحکم ثم حکمھما	جو بخاری و مسلم میں نہیں ہیں تو کیا اس حدیث
او احدھما بان الراوی المعین	پر ہم صحیح ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے ؟
مجتمع تلک الشروط۔	
لیس مما یقطع فیہ بمطابقۃ	بخاری و مسلم یا ان دونوں میں سے ایک کا
الواقع فیجوز کون الواقع خلافہ	یہ فیصلہ کہ فلاں راوی میں یہ تمام شرطیں پائی

جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے واقف ہے۔ جو حضرت

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

وقد اخرج مسلم عن كثير في كتابه ممن لم يسلم عن غوائل الجرح وكذا في البخاري جماعة تكلم فيهم فدار الامر في الرواة على اجتهاد العلماء فيهم وكذا في الشروط حتى ان من اعتبر شرطا والغاه آخر يكون ما رواه الاخر مما ليس فيه ذالك الشرط عنده مكافئا لمعارضة المشتمل على ذالك الشرط وكذا فيمن ضعف راويا ووثقه الاخر نعم تقوى نفس غير المجتهد في من لم يخبر امر الراوي بنفسه الى ما اجتمع عليه الاكثر اما المجتهد في اعتبار الشرط وعدمه والذي خبر الراوي فلا يرجع الا الى راي نفسه[1]۔

جاتی ہیں یہ فیصلہ ان کے خیال کے لحاظ سے ہوا واقعہ کے لحاظ سے جب ان کے خیال و اجتہاد کے لحاظ سے ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ غلطی کریں مسلم نے بلکہ بخاری نے بھی ایسے راویوں سے حدیثیں روایت کی ہیں کہ وہ راوی جرح سے خالی نہیں ہیں تو معاملہ راویوں کے بارے میں علماء کے اجتہاد پر ٹھیرا اسی طرح سے ایک محدث نے کوئی شرط بڑھائی ہے اور دوسرا محدث اس شرط کو ضروری نہیں سمجھتا جس کے پاس وہ شرط ہے جس راوی میں وہ شرط نہیں پائی جائی تو وہ حدیث اس کے پاس صحت سے گر جائے گی اور جس کے پاس وہ شرط نہیں ہے وہ حدیث اس کے لئے صحت ہوگی اور یہی حال اس راوی کے متعلق ہے کہ ایک محدث نے اس کو ضعیف بتلایا اور دوسرا اس کو قوی کہہ رہا ہے۔

---

[1] فتح القدیر (باب النوافل) ج ۱، ص ۳۱۷، ص ۳۱۸ (طبع کبری امیریہ ۱۳۱۵ھ)

عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق صحیح حدیثوں میں روایت کئے گئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

ابن الصلاح نے جو اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ ساری امت نے بخاری و مسلم کی تمام حدیثوں کو اجتماعی طور پر قبول کر لیا ہے، صحیح نہیں ہے اور ناقابل تسلیم ہے۔ اس کے متعلق محمد شمس الدین محمد ابن امیر حاجؒ ابن ہمام کی شرح التقریر والتحبیر میں لکھتے ہیں:۔

تلقی الامۃ لجمیع ما فی کتابیھما	امت کا بخاری و مسلم کی کتابوں میں جو روایتیں
ممنوع اما للرواۃ فلما ذکرہ	ہیں سب کا قبول کرنا قابل تسلیم نہیں ہے نہ ان کے
المصنف واما المتون احادیثھما	راویوں کا نہ حدیثوں کے مضامین کا کیونکہ نفوس
فلانہ لم یقع الاجماع علی العمل	کے عمل پر اجماع نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس پر
بمضمونھا ولا علی تقدیمھما علی	اجماع ہوا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیثوں کو
معارضھما۔ [1]	ان کی مخالف حدیثوں پر ترجیح دی جائے۔

گو ابن الصلاح نے دعویٰ کیا ہے کہ صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں کی صحیح میں ہو پھر اس کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جو صحیح بخاری میں ہو اور مسلم میں نہ ہو پھر اس کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جو صرف مسلم میں ہو پھر وہ حدیث جو ان شرطوں پر ہو پھر وہ صحیح جو امام بخاری کی شرط پر ہو پھر وہ حدیث جو امام مسلم کی شرط پر ہو لیکن یہ دعویٰ بے دلیل ہے ابن صلاح سے پہلے کسی نے نہ یہ دعویٰ کیا اور نہ کسی نے ان کی ہمنوائی کی بلکہ حافظ عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر نے ان کے مقدمہ علم حدیث کا جو اختصار کیا ہے اس میں بھی یہ بات چھوڑ دی ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس دعوی کو وہ بھی بے دلیل ہونے کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے۔

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ حدیث کے قوی و ضعیف ہونے کا دارومدار خود حدیث کے قوی و ضعیف ہونے کے جو اصول ہیں ان کی پابندی اور راویوں کے حالات پر ہے۔ اصول سے قطع نظر صرف کسی خاص کتاب میں ان روایتوں کا ہونا یا نہ ہونا اور درج ہونا قوت و ضعف کا سبب نہیں یہ تو کسی شخص محدث کے فیصلے پر سپرد کر دینا ہے اور اس کی تقلید جامد کے مترادف ہے جو بے اصول بات ہے (حاشیہ ختم)

---

[1] فتح القدیر، باب النوافل، ج ۱، ص ۴۴۳، ص ۴۴۴ (طبع کبری امیریہ ۱۳۱۵ھ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر واھتدوا بھدی عمار وتمسکوا بعھد ابن ام عبدؓ

ارشاد ہوا کہ میرے بعد میرے صحابہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرو اور عمارؓ کا طریقہ اختیار کرو عبداللہ بن مسعودؓ کے فیصلے کو مضبوطی سے پکڑو۔

حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں ما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ

عبداللہ بن مسعودؓ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچا مانو۔

ترمذی کی دوسری روایت ہے عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت حذیفہؓ آئے۔

فقلنا حدثنا باقرب الناس من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدیا ودلا فناخذ عنہ ونسمع منہ قال کان اقرب الناس ھدیا ودلا وسمتا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود حتی یتواری منا فی بیتہ ولقد علم المحفوظون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابن ام عبد ھو من اقربھم الی اللہ زلفیٰ۔

عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا ہم نے حضرت حذیفہؓ سے درخواست کی کہ ہم کو کوئی ایسا صحابی بتلائیے جو اپنے عادت واطوار چال ڈھال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہو تاکہ ہم اس کی پیروی کریں اور اس کو کہا مانیں۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے چال ڈھال طور طریق میں سب سے زیادہ قریب عبداللہ بن مسعودؓ تھے یہاں تک کہ اپنے گھر جا کر ہماری نظروں سے او جھل ہو جاتے تھے اور جتنے آنحضرتؐ کے صحابہؓ ہیں جو محفوظ ہر الزام سے بچے ہے ہیں سب جانتے ہیں کہ

[illegible]

۱؎ الترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود جلد ۲ ص ۱۲۱ ۲؎ ترمذی مناقب عمار بن یاسرؓ ص ۲۲۰

۳؎ ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث تھوڑے سے لفظ کے اختلاف کے ساتھ بخاری شریف میں بھی ہے۔

جو شخص اتنا قدیم الاسلام ہے کہ اسلام کے سابقین میں اس کا چھٹا نمبر ہو[1]۔ آنحضرت کے ساتھ ہر وقت رہتا ہو۔ بیس سال سے زیادہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بعد سے وفات نبوی تک جس نے آپ کے ساتھ پوری زندگی گذاری خلوت و جلوت میں اس کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہو۔ باہر سے آنے والے صحابہؓ اس کو اور اس کی والدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات کی شبانہ روز خدمت اور کثرت حاضری کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والا سمجھتے ہوں[2]۔ اس کے متعلق خیال کر لینا کہ وہ ایسے مسائل کو بھول گیا انسان کی فہم سے بالاتر بات ہے۔

(۲) اور کبھی بڑے لوگوں کی ناواقفیت کو بھی ادباً نسیان سے تعبیر کرتے ہیں۔ بے خبر کہنا بے ادبی سمجھتے ہیں۔ اس معنی میں بھی نسیان کی نسبت ایسی ہستی کے متعلق صحیح نہیں ہو سکتی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام ہی میں فرما چکے تھے: انک علیم معلم۔ اما انز لعمر ابن مسعود فما فیہم واحد[3]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کے متعلق یہ فرماتے ہیں: کنیف ملئ علما۔ جس کے متعلق اہل کوفہ کو آپ نے لکھا ہو کہ اپنی ضرورت کو قربان کر کے تمہاری ضرورتوں کے خیال سے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ ایسے صاحب علم بزرگ ہستی کے متعلق یہ گمان کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان مسائل میں ثابت شدہ سنت کو بھول گئے۔

دنیا کو معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان ہستیوں میں شمار تھا جن کو

---

[1] فتح الباری ج ۷ مناقب ص ۹۰ وقد روی ابن حبان من طریقہ انہ کان سادس ستۃ فی الاسلام۔
[2] بخاری شریف۔ ترمذی۔ مناقب عبداللہ بن مسعودؓ حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ۔
[3] ترمذی، جلد ۲، مناقب ابن مسعودؓ۔

تھا مطلب فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نماز میں مجھ سے سمجھ دار وفہمیدہ لوگ قریب رہیں۔ اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی آپ کے قریب ہو کر صف اول میں نماز پڑھی بلکہ حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی صفِ اوّل میں ان ہی کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے جو عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کیا کرتے تھے اور دن میں سترہ بار فرض میں اور سنت و نفلوں میں اس سے زیادہ بار عمل کرتے تھے۔ کیا ابن مسعودؓ اس کو بھول سکتے ہیں؟ جن کے وفور علم کے قائل حضرت عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ ہوں وہ کیسے بھول سکتے ہیں۔!

حضرت معاذ بن جبلؓ جو واقعتاً جبل علم تھے اور جن کا انتقال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ ہی دنوں پہلے ہوا ہے، ان کے انتقال کے وقت لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ ہم کو کچھ وصیت کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بٹھاؤ بیٹھنے کے بعد فرمایا۔

العلم والایمان مکانھما	علم اور ایمان کے چشمے ہوتے ہیں جو ان
من ابتغاھما وجدھما التمسوا	چشموں کو تلاش کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔
العلم عند اربعة عند عویمر ابی	تم ان چار بزرگوں سے علم حاصل کرو۔
الدرداء وعند سلمان الفارسی	(۱) ابو الدرداءؓ۔ (۲) سلمان فارسیؓ (۳)
وعند عبد اللہ ابن مسعود و	عبداللہ بن مسعودؓ (۴) عبداللہ بن سلامؓ
عبد اللہ بن سلامؓ	

جن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

سلہ مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳

وكان من علماء الصحابة
وممن اشتهر علمه
بكثرة اصحابه
الآخذين عنه۔

صحابہ میں آپ کا شمار علماء میں تھا اور
آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے علم خوب
پھیلے چونکہ آپ کے شاگرد اور استفادہ
کرنے والے بہت تھے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

وانہ لشدۃ ملازمتہ
لاجل ھذہ الامور ینبغی
ان یکون عندہ من العلم
ما یستغنی طالبہ عن
غیرہ۔[2]

چونکہ آپ بڑی پابندی سے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور بہت
سی خدمتیں سب انجام دیتے تھے، تو آپ سے جتنا
علم حاصل ہو سکتا تھا تو آپ کا شاگرد ہی علم کی
وجہ سے دوسرے صحابی کا نیاز مند نہیں رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کا شاگرد اور آپ سے علم سیکھنے والا دوسرے عالم کے علم سے بے نیاز ہے۔ یہ بات خود نہیں کہتے جلیل القدر صاحب علم صحابی حضرت ابوالدرداءؓ سے نقل کرتے ہیں اور حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دوسروں کے علم کا محتاج بنا دیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک شخص سے یہ سن کر غصہ ہوتے ہیں کہ کوفہ میں ایک شخص آزادانہ تفسیر کرتا ہے۔ بلا کر سزا دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ واقعہ بیان کرنے والا جب عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیتا ہے تو نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے بلکہ تفسیر بیان کرنے میں اپنے برادران کی فوقیت کے حق کا اقرار کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں ایسے جلیل القدر عالم صحابی پر مجہول جانے کے اعتراض کی جسارت! نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں تک جائز ہے۔

---

[1] فتح الباری، ص ۳۰ مناقب [2] فتح الباری ج ۷، ص ۸۲۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اعتراضات کی تنقیح

اور

ان کے جوابات

بحث کے اختصار کے لیے ابوبکر احمد بن اسحاقؒ کے تمام اعتراض ایک جگہ نقل کیے جاتے ہیں اور پھر ان کا جواب دیا جائے گا۔ ہم نے جواب میں اختصار سے کام لیا ہے۔

قال ابوبکر بن اسحاق: ولیس فی نسیان ابن مسعود لذلک ما یغرب قدرنسی ابن مسعود من القرآن مالم یختلف المسلمون فیہ بعد وهی المعوذتان ونسی ما اتفق العلماء علی نسخه کالتطبیق ونسی کیف قیام الاثنین خلف الامام ونسی مالم یختلف العلماء فیه ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی الصبح یوم

ابوبکر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے بھول جانے پر حیرت نہ کی جائے کیونکہ (۱) قرآن میں وہ ایسی چیز بھول چکے ہیں جس کو متفق طور پر مسلمان قرآن قرار دیتے ہیں، اور وہ معوذتین ہے۔ (۲) جو آپ تطبیق کا نسخ بھول گئے جس کے نسخ پر سارے علماء کا اتفاق ہے۔ (۳) جب دو مقتدی ہوں تب امام

النحر في وقتها ونسي كيفية جمع النبي صلى الله عليه وسلم بعرفة ونسي ما لم يختلف العلماء فيه من وضع المرفق والساعد على الارض في السجود ونسي كيف كان يقرأ النبي صلى الله عليه وسلم وما خلق الذكر والانثى[1]

کہاں کھڑا ہو یہ بھی بھول گئے (۴) حضرت نبی کریم کی ازواج میں فجر کی نماز وقت پر پڑھی اور آپ نے روایت کر دیا کہ وقت سے پہلے نماز پڑھی (۵) عرفہ کے دن آپ نے دو نمازوں ظہر و عصر کو کس طرح جمع کیا یہ بتلانا بھی بھول گئے (۶) سجدہ میں کہنی زمین پر لگا دی جائے یہ روایت کر دی حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ فعل ہے نہ قول (۷) نیز آپ نے وما خلق الذکر والانثی کا پڑھنا بھول گئے۔

ان سات باتوں میں بعض باتیں تو بالکل بے سروپا ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف ان کی نسبت صحیح نہیں۔ اعتراض نمبر ۱، ۴، ۵، ۶ ایسے ہی ہیں۔ اسی ذیل میں اعتراض نمبر ۷ کو بھی رکھئے کہ اختلاف قراءت کا نام نسیان رکھ دیا ہے صرف دو مسئلوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دوسرے صحابہ سے اختلاف عملی خود حدیثوں کے اختلاف کی بناء پر ہے ایک ہی دینی بات میں ایک صحابی ایک حدیث پر عمل کرتا ہے اور دوسرا صحابی دوسری حدیث پر لیکن یہ قابل اعتراض بات نہیں ہے (اعتراض ۲، ۳) ان دونوں کی یہی شکل ہے صرف ابوبکر ابن اسحاقؒ نے اپنی تعبیر سے انہیں اعتراض کی شکل میں پیش کیا صحیح تعبیر سے ان مسئلوں پر اعتراض کا کوئی غبار باقی نہیں رہتا۔ ایک صحابی پر دوسرے صحابی کی حدیث نہ جاننے کی وجہ سے یا دوسرے صحابی کی حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کوئی الزام لگایا جا سکتا ہے؟ یا یہ کہا جائے گا کہ وہ بھول گیا۔

ایک راوی کی روایت یا استنباط دوسرے راوی کی روایت یا استنباط

---

[1] السنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲، تا ص ۸۰۔

سے صادر ہو تو اس کو اعتراض کا نام دینا بڑا ظلم ہے۔ ان میں سے بعض اعتراض ایسے ہیں کہ دین میں کسی بات کے رواج کی بنا پر کسی سنت کے متعلق ایک معین شکل سمجھی ہوتی ہے۔ ایک صاحب علم صحابی بتلا دیتا ہے کہ اس مسئلہ کی دوسری شکل بھی سنت ہے تو کیا اس صاحب علم صحابی پر الزام لگایا جائے گا کہ وہ بھول گیا۔ صرف حافظ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ نے ایک نیا اجتہاد کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رفع یدین کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمل کی جو روایت کی ہے چونکہ یہ روایت حافظ ابوبکر کی خواہش کے خلاف ہے اس لئے اس کو نسیان پر محمول کر دیا۔ اس کے ساتھ چند اور باتیں بھی شمار کر دیں۔ صرف ایک عالم محمد بن عبدالہادیؒ نے ان کے اس اجتہاد کو تسلیم کیا ہے۔ ان سے قبل اور بعد کے علماء نے ان کے اس اجتہاد کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ علامہ بیہقیؒ ایسے وسیع النظر محدث پر تعجب ہے کہ سنن کبریٰ میں ان کے اس اجتہاد کو نقل کر دیا اور غور نہیں کیا کہ اس سے جلیل القدر صحابی پر الزام آتے ہیں جس میں سے کئی بجائے خود بھی صحیح نہیں ہیں۔ ایک محدث ہونے کی حیثیت سے ایک جلیل القدر صحابی کی طرف جو غلط نسبت ہو رہی تھی اس کا دور کرنا ان کا دینی فرض تھا اور ایک محدث نا قد زیر دارسی بھی جیسا کہ علامہ شوق نیمویؒ نے آثار السنن میں اس فرض کو ادا کیا ہے اور ان سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں نقل کیا ہے۔

ولا سبیل الی معرفة ان عبد اللہ بن مسعود علمه ثم نسیه بل العقل یستغربه ولا یجوز مال الحق ان ننسب النسیان الی عبد اللہ بن مسعود ولا تخلو من اساءة ادبؓ۔

فتح الملہم جلد ۲ ص

علامہ ترکمانی الجوہر النقی میں لکھتے ہیں۔

وحمله حديث ابن مسعود في الاقتصار على الرفع مجرد احتمال بعيد ولا يلزم من نسخ الاقتصار على الرفع في التكبيرة الاولى ولا دليل عليها ولا طريق الى معرفة ان ابن مسعود علم ذلك ثم نسيه الادب في هذه الصورة ان نسب نيها النسيان ان يقال لم يبلغه۔ اس کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف بھول کی نسبت کرنا بڑی بے ادبی اور جرأت و خلاف تہذیب ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے صرف ایک مرتبہ رفع یدین بیان کیا باقی رفع یدین بھول گئے۔ اس بات کو سچائی سے کوئی واسطہ نہیں تطبیق کا نسخ ہو گیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صرف ایک مرتبہ کے رفع یدین کا بھی نسخ ہو گیا ہو۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس کو جانتے تھے۔ پھر بھول گئے۔ ادب کی بات یہ ہوتی کہ یہ کہدیا جاتا کہ رفع یدین کی حدیث ان کو نہیں پہنچی۔

محدث بیہقی کو رفع یدین کے مسئلے میں جو غلو تھا تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ ایک صحابی پر نسیان کا الزام لگائیں۔ موصوف الزام رکھنے میں احتیاط کی یہ شکل اختیار کرتے ہیں کہ الزام رکھنے کا جرم اپنے اوپر نہیں لینا چاہتے۔ حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق کا نام آگے کر دیتے ہیں۔ علمی دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو باتیں ابوبکر سے نقل کر رہے ہیں اس میں ہر ایک کی تحقیق کر لیں کہ کون صحیح ہے اور کون نہیں۔ چہ جائے کہ ان میں سے ایک جگہ بھی نسیان کا الزام صحیح نہیں جس ترتیب سے اعتراض میں جواب اس سلسلے کے نمبر سے دیا جائے تو بعض باتیں بار بار دہرائی جائیں گی تکرار سے جو ملال خاطر ہو گا اس سے بچنے کے لئے جواب میں

وہ ترتیب اختیار کی گئی ہے جس میں مضمون کی تکرار نہ ہو۔ اب ہر ایک اعتراض کو پڑھیے اور اس پر جو تنقید ہے اس پر غور کیجیے کہ وہ اعتراض ہے بھی یا نہیں اگر اعتراض ہے تو کس درجہ کا اور جہاں جواب کی ضرورت ہے تو جو جواب پیش ہے وہ تسلی بخش ہے یا نہیں۔

اعتراض نمبر (۱) کا جواب دوسرے نمبر پر ہے۔ اعتراض (۲) کا جواب چھٹے نمبر پر ہے۔ اعتراض نمبر (۳) کا جواب سب سے آخر نمبر (۸) پر ہے۔ اعتراض نمبر (۴۔ ۵۔ ۶) کا جواب (۴۔ ۳۔ ۶) پر ہے۔ اعتراض نمبر (۶) کا جواب سب سے پہلے نمبر (۱) پر دیا جاتا ہے۔ اعتراض نمبر (۷) کا جواب نمبر (۵) پر ملاحظہ کیجیے۔

(۱) ایک نسیان جس کا تذکرہ علامہ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ نے کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے وہ سجدہ کی حالت میں کلائی اور کہنی سجدہ میں زمین پر نہ رکھی جائے اور عبداللہ بن مسعودؓ نے کہنی اور کلائی کے زمین پر رکھنے کا فتویٰ دیا ہے یا حکم دیا ہے: "نسی من وضع المرفق والساعد علی الارض فی السجود" اس کی بنیاد آپ کی ایک روایت ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ص ۷۵۔ ۷۶ پر ہے۔

ابو اسامہ اعمش سے اور وہ المسیب بن رافع سے روایت کرتے ہیں کہ۔

ابواسامة عن الاعمش عن المسيب بن رافع عن علقمة ابن عبدة عن عبدالله بن مسعود قال قال هيئت عظام ابن آدم للسجود فاسجدوا حتی بالمرافق	علقمہ ابن عبدہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ انسان کی ہڈیاں سجدہ کے لیے بنائی گئی ہیں تم سجدہ کرو یہاں تک کہ اگر کہنیوں سے مدد لینی پڑے تو ان سے مدد لو۔

ے اس عظام کو بنیت بھی پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں نرم کی گئی ہیں ہڈیاں سجدہ کے لیے۔

وکیع عن شعبۃ عن	وکیع شعبہ سے اور وہ عبدالملک سے اور وہ
عبد الملک عن ابی	ابی الاحوص سے روایت کرتے ہیں کہ ابن
الاحوص قال قال عبد اللہ	مسعودؓ فرماتے تھے کہ جب تم سجدہ کرو تو سجدہ
فاسجدوا حتی تسجدوا	کرو یہاں تک کہ کہنیوں سے مدد لو یعنی
بالمرافق یعنی بمرفقیہ۔	دونوں کہنیوں سے۔

ان دونوں روایتوں سے ابو بکر احمد بن اسحاقؒ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ کلائی اور کہنی زمین پر رکھے۔ اب سوال یہ ہے کہ سجدہ میں کہنیوں سے کام لیا جاتا ہے یہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ خاص صورت کہ کہنیوں کو زمین سے لگا دو کس لفظ سے متعین ہوتی ہے پھر معلوم نہیں کہ یہ مسئلہ کس بنیاد پر کہہ دیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں کہنی اور کلائی زمین پر لگا دو۔ اس کے بعد ان پر نسیان کا الزام لگایا گیا صحاح ستہ میں نہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کوئی حدیث اس بارے میں ہے اور نہ مسئلہ کی مختلف صورتیں جو محدثین و علماء نقل کرتے ہیں نہ ان علماء میں سے کسی نے یہ مسئلہ کہ سجدہ میں کہنیاں اور کلائی زمین سے لگا دو۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو ترمذی، المغنی، شرح الکبیر، مبسوط سرخسی، برہان، البحر الزخار، اعلام الموقعین، بدایۃ المجتہد، جو مصنفین صحابہ کا اختلاف بیان کرتے ہیں نہ ان میں کسی نے یہ مسئلہ حضرت کی طرف منسوب کر کے لکھا نہ کسی نے یہ لکھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ کہا ہے کہ علامہ بیہقیؒ ایسے وسیع النظر محدث سے تعجب ہے کہ انھوں نے صرف حافظ ابو بکر ابن اسحاق کے نقل کرنے سے یہ تسلیم کر لیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہنی اور کلائی کو زمین پر لگانے کو سنت بتا دیا ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے بلکہ

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ (طبع ملتان) ص ۲۷۱

پھر نسیان کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف کس طرح صحیح ہو سکتی ہے
بالکل یہی سوال کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کیا تھا۔

سأل رجل ابن عمر اضع	ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے
مرفقی علی فخذی اذا سجدت	سوال کیا کہ سجدے میں اپنی کہنیاں اپنی
فقال اسجد کیف تیسر	رانوں سے لگا دوں تو آپ نے فرمایا سجدہ
علیک۔	کرو جیسے بھی ہو سکے۔

اگر کوئی بڑھاپا یا بیماری یا ضعف کی حالت میں کہنی کھڑی نہ کر سکے تو کیا
وہ کہنیوں سے ملا دے تو اس کا جواب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ دیا کہ جس طرح
طرح بھی ممکن ہو سجدہ کرو۔ اس سے صرف سجدہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ
بلا ضرورت سجدہ کی جو مسنون حالت ہے اس سے گریز کی اجازت دی ہے۔
اسی طرح دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں ہے۔

عن عثمان بن ابی عیاش شکوا	عثمان ابن عیاش روایت کرتے ہیں کہ
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
الادعام والاعتماد فی الصلاۃ	نماز میں ٹیک لگانے کی شکایت کی آپ نے
فرخص لهم ان یستعین	اجازت دی کہ آدمی اپنی دونوں کہنیوں
الرجل بمرفقیه علی رکبتیه	سے اپنے دونوں گھٹنوں سے یا دونوں
او فخذیه۔	رانوں پہ مدد لے۔

بغیر بڑھاپا یا بیماری کی مجبوری کے کوئی کیوں نماز میں ٹیک لگائے گا۔ البتہ
سہارا لے کر مجبوری کے وقت اجازت ہے۔ پھر ان روایتوں کی وجہ سے کیا کسی
نے عبداللہ بن عمرؓ پر نسیان کا الزام لگایا؟ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر کیوں الزام
لگایا جاتا ہے۔

(۲) وقد نسی من القرآن وهی المعوذتان۔ | بیشک آپ بھول گئے معوذتین قرآن میں ہے۔

ابوبکر احمد بن اسحاقؒ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کا قرآن ہونا بھول گئے۔ کیونکہ ان کے مصحف میں یہ دونوں سورتیں نہیں تھیں اور وہ ان سورتوں کو اپنے مصاحف سے مٹا دیتے تھے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حافظ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ نے مصحفِ عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا ہے؟ اور کیا اُنھوں نے اس میں ان سورتوں کو نہیں پایا۔!

علامہ نیشاپوری نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کو دیکھا اور اس میں سورۃ فلق اور سورہ ناس کو نہیں پایا۔ دوم یہ کہ اگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کا مصحف دیکھا اور اس میں معوذتین کو لکھا ہوا نہیں پایا تو یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ سورۃ فلق اور سورۃ ناس کو قرآن کا جزء نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ اس میں نہیں لکھی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ سورہ فاتحہ کو قرآن ہی کا حصہ سمجھتے تھے۔ اور اسے نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے تھے۔ شاگردوں کو قرآن پڑھاتے تھے تو سورہ فاتحہ پڑھاتے تھے۔ نہ لکھا جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ سورہ فلق و ناس کو قرآن کا جزء نہیں سمجھتے تھے۔ آپ سے تو صرف ان کے مصحف میں نہ لکھے جانے کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ بڑی ہستیاں بھی تھیں جو قرآن کو کتابی صورت میں لکھے جانے کے سرے سے مخالف رہے۔ مصحف میں

ؔ الفہرست ابن الندیم میں ہے کہ مصحف ابن مسعودؓ کا ایک نسخہ جو تقریباً دو سو سال کا ہوگا اس میں سورۃ فاتحہ بھی لکھی ہوئی تھی۔ ابن الندیم خود چوتھی صدی کے ہیں۔ الفہرست ص ۴۰ طبع مصر ۱۳۴۸ھ

اگر ان دو سورتوں ہی کے لکھنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہی رائے جو اس سے بڑی سہتوں کی پوری قرآن کے مصحف میں لکھے جانے کے متعلق تھی تو اس سے یہ رائے کیسے قائم کر لی جائے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا جز نہیں سمجھتے تھے۔ اس نسبت کو محققین نے صحیح نہیں پایا۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں۔

كل ما روي عن ابن مسعود من ان المعوذتين وام القرآن لم يكونا في مصحفه فكذب موضوع لا يصح وانما صحت عنه قراءة عاصم عن زر بن حبيش عن ابن مسعود فيها ام القرآن والمعوذتان[1]

عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایات کی گئی ہے کہ معوذتین اور سورۃ فاتحہ ان کے مصحف میں نہ تھیں، یہ جھوٹ ہے اور گھڑی ہوئی روایت ہے ہرگز صحیح نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد زر بن حبیش عاصم کے استاد ہیں اور آج دنیا میں انہی کی قرأت پھیلی ہوئی ہے، جس میں سورۃ فاتحہ بھی ہے۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

اجمع المسلمون على ان المعوذتين والفاتحة من القرآن وان من جحد منهما شيئا كفر وما نقل عن ابن مسعود باطل ليس بصحيح[2]

تمام مسلمانوں کو اتفاق ہے کہ معوذتین اور سورۃ فاتحہ قرآن کا جزء ہیں اور جو اس کا انکار کرے گا وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اور جو عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ جھوٹ ہے ہرگز صحیح نہیں۔

---

[1] المحلی ابن حزم ج۱ ص ۱۳

[2] ترمذی حدیث مناقب ابن مسعودؓ۔ ناقلا عن النووی فی شرح المہذب۔

علامہ جزری نے آپ کے تیرہ شاگردوں کا نام گنایا ہے جنہوں نے پورا قرآن آپ کو سنا کر صحیح کیا ان سب حضرات کو آپ سے سند تھی۔ آج ہم کو جو قرآن پہنچا ہے وہ ان قراء ہی کے سلسلے سے ملا ہے جس میں سورہ فاتحہ اور معوذتین سب موجود ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ کے شاگردوں کا شمار تو نہیں کیا گیا البتہ ان تیرہ کے نام یہ ہیں۔

(۱) الاسود بن یزید النخعی (۲) تمیم بن حذلم (۳) الحارث بن قیس (۴) زربن حبیش (۵) عبید بن قیس (۶) عبید بن نضلۃ (۷) علقمہ (۸) عبیدۃ السلمانی (۹) عمرو بن شرحبیل (۱۰) ابوعبدالرحمٰن السلمی (۱۱) ابوعمرو الشیبانی (۱۲) زید بن وہب (۱۳) مسروق۔

قرآن سے آپ کو اس قدر عشق تھا اور آپ میں اس قدر مہارت تھی کہ آپ رمضان میں تین دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے اور رمضان کے علاوہ جمعہ سے جمعہ تک قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ ابن ابی لیلیٰؒ نے بتلایا کہ آپ کے احباب جمع ہوتے تھے اور وہ قرآن کھول کر بیٹھ جاتے تھے اور قرآن شریف پڑھتے تھے تو آپ تفسیر فرمایا کرتے تھے۔ مسروق کہتے ہیں کہ ہم کو حضرت مسجد میں قرآن پڑھاتے تھے پھر ہم بعد میں بیٹھ جاتے تھے تو لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ثم نجلس بعد منثبت الناس۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ تو پورے قرآن کی کتابت ہی کے خلاف تھے حضرت زیدؓ بھی قرآن کی کتابت و جمع کی رائے سے اتفاق نہیں رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تو صرف معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن میں داخل نہیں سمجھتے تھے یا بھول گئے تھے ایسے جلیل القدر صحابیؓ کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے معوذتین کو قرآن سے خارج سمجھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حامل وحی سے خود قرآن سیکھا اور ان کے متعلق

فرمانِ رسولؐ یہ ہے کہ اگر کسی کو قرآن سیکھنا ہو تو ان چار آدمیوں سے سیکھے جن میں سب سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا۔ اس طرح مسلمانوں میں سب سے پہلے معلمِ قرآن ہونے کا مرتبہ آپ کو حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اقرأوا علیٰ ابن مسعود فما اقرأوا[1] پھر ان کے متعلق یہ قیاس آرائی خیال و گمان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی کہ آپ حضورؐ کے مخصوص صحابی ہیں جو خلوت و جلوت ہر موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ بلا اجازت کاشانۂ نبوت میں جا سکتے تھے۔ اور حضورؐ جو ہر سال ماہ رمضان مبارک میں قرآن کا دور فرماتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہ مقرب صحابی ہیں کہ اس میں شریک رہتے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے سال رمضان کے مہینے میں قرآن کے جو دو دور فرمائے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس میں حاضر تھے۔[2]

قال ابن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرض علیہ القرآن فی کل عام فی کل شہر رمضان فلما کان العام الذی مات فیہ عرضہ علیہ مرتین فشھد عبد اللہ ما نسخ وما بدل۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن ہر سال پیش کیا جاتا تھا میرا خیال ہے کہ ہر رمضان میں لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی نے اس سال دو بار قرآن کا مقابلہ حضرت جبریلؑ نے کرایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موجود تھے جو منسوخ ہو گیا جس میں تبدیلی ہوئی اس سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ واقف ہیں۔

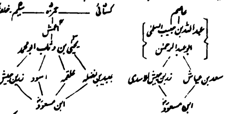
---

[1] ترمذی حدیث حذیفہ۔ مناقب ابن مسعود۔

[2] مستدرک ص ۲۳۰ ج ۲ نیز الطحاوی ص ۲۰۱

حضرت ابی ظبیانؓ کی روایت ہے کہ ان سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا
کہ تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ابن ام عبدؓ کی قرات پڑھتا
ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہی اخیر قرات ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا
ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کو بھول گئے یا ان کے قرآن کا جزو ہونے کا آپ کو
علم نہ تھا اور اب آپ کو اس سے انکار ہے۔

ابن مسعودؓ سے بہ تواتر ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا جز کہتے
ہیں اور آئمہ قرارۃ نے بہ تواتر اپنی اسناد کو ابن مسعودؓ تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ حفاظ
وقراء قرآن سے عاصمؒ، حمزہؒ، کسائیؒ اور خلفؒ جو مشہور قراء سے ہیں اور ان کی صحت
سند پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اور تمام بلاد اسلامیہ میں ان کی سندیں سینکڑوں
ہزاروں حفاظ کے پاس ہیں۔ ان چاروں کو اسی قرآن کی سند جس میں معوذتین
ہیں ابن مسعودؓ سے ہے ہر ایک کی سند ملاحظہ ہو۔



اب ان سندوں کے مقابلہ میں جو متواتر ہیں اور صحت کا اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں
دوسری ضعیف روایتوں کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالبؓ
اور ابی بن کعبؓ سے بھی حفاظ قرآن اور قراء کے پاس اسی قرآن مرتب کی ایسی سندیں
ہیں جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اور جو درجہ تواتر اور صحت کے اعلیٰ ترین

پر ہیں۔ ان کے مقابلے میں وہ روایات جن سے حضرت علیؓ یا حضرت ابن مسعودؓ یا حضرت ابی بن کعبؓ کی تالیف اور ترتیب اس قرآن کے خلاف ثابت ہوتی ہے معتبر نہ ہو گی۔ اسی لئے علماء نے اور مسلمانوں نے ایسی روایتوں کو جعلی اور بے اصل واہی کہا ہے یہاں ہم ایسے چند علماء کے نام لکھتے ہیں۔ ابن حزمؒ کی محلی اور اتقان کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اب ان کے علاوہ دوسرے علماء کی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں۔

عربی	اردو
(۱) واما قولهم ان مصحف عبد الله بن مسعودؓ خلاف مصحفنا فباطل وكذب وافك مصحف عبد الله ابن مسعود انما فيه قراءته بلا شك وقراءته من قراءة عاصم المشهورة عند جميع اهل الاسلام في مشرق البلاد ومغربها نقرءها كما ذكرنا[۱]	اور یہ بات کہ ابن مسعودؓ کا قرآن ہمارے قرآن موجودہ کے خلاف ہے محض بہتان، افترا اور جھوٹ ہے۔ البتہ ان کا قرآن ان کی قراءت کے مطابق لکھا ہوا تھا اور ان کی قراءت وہی ہے جو قراء سبعہ میں سے عاصم کی قراءت ہے اور اس وقت تمام دنیا میں مشہور ہے یعنی محض قراءت کا فرق ہے نہ کہ ترتیب کا۔
(۲) اجمع المسلمون على ان المعوذتين والفاتحة من القرآن وان من جحد منها شيئا كفر وما نقل عن ابن مسعود غير صحيح[۲]۔	تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں اور اس کا منکر کافر ہے۔ ابن مسعودؓ سے اس کے متعلق روایات جعلی اور واہی ہیں۔

---

۱ کتاب الفصل جلد ثانی ص ۷۷ ابن حزم

۲ امام محی الدین نووی قال النووی فی شرح المهذب۔

(۳) لم یصح عنه انها لیست بقرآن ولا حفظ عنه[۱]

معوذتین کا انکار صحیح طور سے ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہوا ہے۔

(۴) ولا یغلب علی الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل باطل[۲]

ابن مسعودؓ سے معوذتین کے متعلق جو الحاد نقل ہے وہ باطل ہے۔

(۵) نسبة انکار کونهما من القرآن الیه غلط فاحش ومن اسند الانکار الی ابن مسعود فلا یعبأ بسنده عند معارضة هذه الاسانید الصحیحة بالاجماع المتلقاة بالقبول عند العلماء الکرام بل والامة کافة کلها فظهر ان نسبة الانکار الی ابن مسعود باطل[۳]

عبداللہ بن مسعودؓ کو معوذتین کا منکر بتانا نہایت فحش غلطی ہے۔ اس روایت کی سند اس قابل بھی نہیں کہ اس کی طرف توجہ کی جائے کیونکہ یہ روایت ان صحیح سندوں کے خلاف ہے جس کی صحت پر اجماع ہے اور تمام علماء کرام کے نزدیک مقبول ہیں۔ بس یہ روایت غلط ہے۔

(۶) بل امر ترتیب السور فالمحقق[ب] علی انه من امر الرسول صلی الله علیه وسلم فهو لیس هذا الترتیب باجتهاد من الصحابة واستدل علیه ابن فارس باختلاف المصاحف فی ترتیب السور فی مصحف

محققین علماء کے نزدیک سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے نہ یہ کہ بعد بقول کر صحابہؓ نے اپنی رائے سے ترتیب دی اور اس پر دلیل لاتا کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ کے قرآنوں کی جو ترتیب تھی وہ قرآن کی اس ترتیب کے خلاف تھی معلوم

---

۱ قاضی ابوبکر ۲ امام فخر الدین رازی۔

۳ بحر العلوم شرح مسلم الثبوت مصری ج ۲ ص ۱۲۔

علی کان علی ترتیب النزول
ومصحف ابن مسعود علی
غیر ھذا الذی الآن والحق
ھو الاول وھذہ الروایات
مزخرفۃ مموھۃ ولم توجد
فی الکتب المعتبرۃ ولا یعبأ بھا فی
مقابلۃ التوارث الذی جری
من لدن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم الی الآن وایضا فھو
من ھذا ان الترتیب الذی
یقرء علیہ القرآن ثابت
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فان القراء العشرۃ
باسانیدھم الصحاح
المجمع علی صحتھا نقلوا
عن رسول اللہ علیہ وسلم
وتواتروا علی ھذا الترتیب و
نقلوا عن شیوخھم انھم
اقرؤھم ھکذا وشیوخ
شیوخھم اقرؤھم ھکذا
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہوتا ہے کہ ترتیب خود صحابہؓ نے دی تھی
اور ان صحابہؓ کی ترتیب کے خلاف نہ ہوتی
یہ قول اور دلیل صحیح نہیں ہے ہاں پہلا قول
صحیح ہے اس لئے جن روایتوں سے معلوم
ہوتا ہے کہ ان صحابہؓ کی ترتیب اس قرآن کے
خلاف تھی وہ تمام جعلی اور خیالی ہیں واقعیت
سے کچھ بھی تعلق نہیں کسی معتبر کتب میں ایسی روایات
نہیں اس لئے یہ روایات ہرگز اس قابل نہیں
کہ ان پر توجہ کی جائے خصوصاً ایسی حالت میں
کہ قرآن کی یہ ترتیب تمام امت نے آج تک نقل کی
اور تمام اکابر کا اس پر اتفاق ہے۔ بہاں سے معلوم
ہوا کہ قرآن کی یہ موجودہ ترتیب آنحضرتؐ کی دی ہوئی
ہے کیونکہ ان دس قاریوں نے جن کی سندیں متواتر ہیں
اس قرآن کو اپنی سندوں سے آنحضرتؐ تک پہنچایا اور
اس کا آنحضرتؐ سے سماع ثابت ہے اور ان قاریوں کی یہ
سندیں نہایت ہی اعلیٰ درجہ میں صحیح ہیں اور تمام
امت نے ان کی صحت پر وثوق کیا ہے۔ اور تمام
کا اس پر اتفاق ہے اور ہر ایک قاری اس کو بھی نقل کرتا
ہے کہ میں نے اپنے استاد سے اس طرح قرآن کو سنا
اور پھر یہ استاد اپنے استاد سے اسی طرح سماع بیان کرتا ہے
یہاں تک کہ یہی سلسلہ آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے۔

ك شرح مسلم بحر العلوم ۲۵ ص ۱۰۔

(۳۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ایک الزام یہ بھی ہے۔

ودنوی عالم مخالف العلماء فیہ	اور آپ بھول گئے جو بات کہ سب علماء میں
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اتفاق ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو آپ نے
صلی الصبح یوم الجمع فی وقتها۔	صبح کی نماز اپنے وقت پر پڑھی۔

ابوبکر احمد بن اسحاقؒ کا اشارہ اس عبارت سے اس حدیث کی طرف ہے جو صحیحین میں مروی ہے۔ صلی الفجر قبل میقاتها آپ نے وقت سے پہلے نماز فجر پڑھی یہاں تو کوئی اعتراض کی بات ہی نہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بات کا منشا نہیں سمجھا اور بہایت جرأت سے "نسی" کا حکم لگا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا منشا یہ ہے کہ صبح کی نماز معمولاً جس وقت آپ پڑھتے تھے اس دن اس وقت سے پہلے آپ نے پڑھی جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

ثم صلی الفجر حین طلع الفجر	پھر آپ نے نماز پڑھی جب فجر طلوع ہوگئی
والقائل ان یقول لم یطلع	اور اتنا سویرا تھا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا
الفجر۔	کہ ابھی صبح نہیں ہوئی۔

آپ نے نماز فجر طلوع ہوتے ہی پڑھی مگر اتنا قبل وقت تھا کہ کسی کو شک ہوسکتا تھا کہ فجر ابھی طلوع نہیں ہوئی ہے یعنی اس سے پہلے کبھی آپ نے ایسے وقت پر نماز نہیں پڑھی کہ فجر ہوگئی ہو لیکن لوگوں کو فجر ہونے میں اشتباہ ہو۔

ابوبکر احمد بن اسحاقؒ بخاری ہی کے چند باب دیکھ لیتے تو اس میں حین طلع الفجر" اور فلما طلع الفجر اور حین بزغ الفجر ان کو مل جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو وہ ہستی ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما حدثکم ابن ام عبد فصدقوه[1]	عبداللہ بن مسعودؓ حدیث بیان کریں اس کی تم تصدیق کرو۔

---

[1] ترمذی مناقب عمار بن یاسرؓ ۲

دوسرا ارشاد ہے

رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد۔[1]	جس بات سے عبداللہ بن مسعودؓ خوش ہیں اس سے میں بھی خوش ہوں۔
(۴) دفی کیفیۃ جمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ	اور آپ بھول گئے کہ حضورؐ نے عرفہ کے دن نمازوں میں کس طرح جمع کیا جائے۔

اور حج ہی کے سلسلے میں جس طریقے سے معترض نے یہ لکھا کہ مزدلفہ کی صبح کی نماز کا وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بتلانا بھول گئے۔ اسی طرح عرفہ میں جمع کرنے کی کیفیت بھول جانے کا الزام بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر لگایا ہے یہ دونوں واقع ایک ہی دن کے ہیں۔ دو نمازیں آپ نے ظہر کے وقت پڑھیں اور دو نمازیں عشاء کے وقت آپ نے پڑھیں۔ مگر عشاء و مغرب کی نمازیں مزدلفہ میں پڑھیں۔ جس میں جمع تاخیر فرمائی شافعیہ جس کی تائید کرتے ہیں اس حصّہ کو چھوڑ کر جس مسئلے میں تمام شافعیہ اتفاق نہیں کرتے اس کا تذکرہ بھی ابوبکر احمد بن اسحاقؒ نسی ہی سے کرتے ہیں اب ان سے کون پوچھے کہ جمع تاخیر کو کیوں النسیان نہیں فرمایا۔ ہم خوش ہیں کہ ایک صحابی کی غلطیوں کی تعداد کم کرتی اس الزام کی حقیقت یہ ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن ظہر وعصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھی۔ اس میں ظہر کی نماز تو اپنے وقت پر پڑھی تھی مگر بالکل اول وقت اور عصر کی نماز ظہر سے بالکل متصل بہ نماز وقت سے بہت پہلے پڑھی گئی پھر مغرب کا وقت ہو جانے کے بعد آپ میدان عرفات

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۳۱۹

سے روانہ ہوئے اور پھر چل چل کر جب مزدلفہ پہنچے ہیں تو یقیناً مغرب کا وقت ختم ہو گیا تھا مزدلفہ پہنچ کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی نماز پڑھی تو جس طرح ظہر کی نماز وقت پہ آپ نے پڑھی تھی اسی طرح یہاں عشاء کی نماز وقت پہ پڑھی لیکن مغرب کی نماز وقت کے بہت بعد پڑھی۔ اس لئے اس کا تذکرہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کیا کہ مغرب اپنے وقت سے ہٹا کر پڑھی اور آپ کی کبھی عادت نہیں تھی کہ کوئی نماز بغیر کسی مجبوری کے قضاء کر کے پڑھیں۔ اس لئے اس دن جو دو باتیں خلاف عادت ہوئی تھیں ان کا تذکرہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنی اس حدیث میں کیا۔

ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ کبھی فجر کی
صلی الفجر لغیر میقاتھا	نماز بے وقت پڑھی ہو مگر یہ کہ مغرب و عشاء جمع کر
الا صلاتین جمع بین	پڑھی اور مغرب کا وقت چلا گیا تھا اور صبح کی نماز تب
المغرب والعشاء وصلی	جس وقت پڑھا کرتے تھے اس سے بہت اوّل
الفجر قبل میقاتھا[1]	وقت پہ پڑھی۔

لیکن اس دن آنحضرتؐ نے جو عصر کی نماز پڑھی تو نہ وقت ادا تھا نہ وقت قضا اس کا تذکرہ آپ نے نہیں کیا۔ وجو نماز وقت آنے پہ پڑھی جائے تو وہ ادا ہوتی ہے، عرفات کے دن جس وقت پہ آپ نے عصر کی نماز پڑھی اس دن بھی عصر کی نماز کا وقت اس وقت نہیں آتا اور جب وقت نہیں آیا تو ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وقت گذر گیا۔ تو ہمارا یہ کہنا کہ نہ وہ وقت ادا تھا نہ وقت قضا بالکل صحیح ہے۔ یہ حج کا خاص حکم تھا۔ اس لئے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے عادت

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۴۰۰۔

کے خلاف ہوتا جہاں بیان کیا ہے۔ وہاں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے۔ ہو سکتا ہے کہ جن دو نمازوں کے وقت کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اپنے وقت سے بدل گئیں وہ دو نمازیں عصر کی نماز عرفہ میں اور مغرب کی نماز مزدلفہ میں مراد ہوں کیونکہ یہی دو نمازیں اپنے وقت اصلی سے ہٹ کر ادا کی گئیں۔ فجر کی نماز مزدلفہ میں اپنے وقت ہی پر ادا کی گئی بے وقت ادا نہیں کی گئی۔ یہ ضرور ہوا کہ عادتاً جس وقت ادا کی جاتی تھی اس سے بہت پہلے ادا کی گئی تو گویا یوں تھا۔

مارایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	نہیں دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ
وسلم صلی صلاۃ بغیر میقاتہا	وقت معین کے سوا اور بے وقت نماز پڑھی ہو
الا صلاتین صلاۃ العصر	مگر دو نمازیں عصر کی نماز عرفہ میں اور مغرب کی
بعرفۃ والمغرب بمزدلفۃ۔	نماز مزدلفہ میں۔

کیونکہ یہی دو نمازیں درحقیقت اپنے اوقات پر ادا نہیں کی گئیں بلکہ وقت سے بہت پہلے ایک وقت کے بہت بعد۔ ہاں فجر کی نماز کا تذکرہ کر کے یا راوی نے ان دونوں نمازوں کے ساتھ عصر و مغرب کی نماز جو قبل الوقت اور بعد از وقت پڑھی گئی تھیں ان کے تذکرہ کے ساتھ صبح کی نماز کا بھی تذکرہ کر دیا۔ گو وہ نہ قبل الوقت تھی نہ بعد از وقت۔ صرف عادتاً جس وقت حضور اکرمؐ پڑھا کرتے تھے اس سے ضرور پہلے ادا کی گئی تھی۔ اس کی مثال حدیث میں ایک سے زیادہ ہیں۔ جیسے کہ مسلم کی حدیث "ترکت فیکم امرین" سے کتاب و سنت مراد ہے اس کے بعد آپ نے اہل بیتؓ کا ذکر کیا تو بعض راویوں نے خیال کر لیا کہ "امرین" سے

---

[1] اس مقالے کے پانچویں حصے کے شروع میں یہ حدیث جتنے صحابیوں سے روایت ہوئی ہے ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔

مراد کتاب واہل بیتؓ ہیں۔ اس قسم کا اختصار اور حدیثوں میں بھی پایا جاتا ہے جیسے وفد عبد القیس کی حدیث جس میں چار باتوں کے حکم کا تذکرہ کیا ہے اور باتیں پانچ مذکور ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ ایک ایمان باللہ کا تذکرہ کیا اور تین باتیں ذکر نہیں کیں۔ اس ایک بات کی تفصیل میں پانچ باتیں ہیں۔

(۵) ایک اور نسیان کا تذکرہ کیا ہے کہ سورۃ واللیل میں "وما خلق الذکر والانثیٰ" کے بجائے ابن مسعودؓ "والذکر والانثیٰ" پڑھتے تھے حالانکہ دیکھا جائے کہ اس کا نام اختلاف قراءت ہے بھول چوک سے اس کا تعلق نہیں۔ بخاری شریف ص ۵۰ پر ہے کہ حضرت ابو درداءؓ نے علقمہؓ سے سوال کیا کہ تم کیا پڑھتے ہو جب علقمہ نے والذکر والانثیٰ پڑھا تو ابو درداءؓ نے فرمایا ہے۔

انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ	میں نے سنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے سے
وسلم ھکذا الذکر والانثیٰ	پڑھتے تھے مگر لوگ چاہتے ہیں میں پڑھوں
واللہ لا اتابعھم[1]	وما خلق الذکر والانثیٰ خدا کی قسم میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔
واللہ لقد اقرأنیھا رسول اللہ	خدا کی قسم مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم من فیہ الی فی۔	نے ورد بدو اس طریقے سے پڑھایا ہے

الجوہر النقی ج ۲ ص ۸۲ پر ابن جنی کی المحتسب سے نقل کیا گیا ہے والذکر والانثیٰ صرف عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت نہیں ہے بلکہ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی یہی پڑھا ہے۔ ان میں سے کسی کے متعلق نسی

---

[1] بخاری شریف ص ۲۹ روایت ابو درداءؓ۔

نہیں فرمایا گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق کیوں کہا جائے کہ وہ بھول گئے حافظ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ کو یہ خیال نہیں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے متعلق خاص طور پر ارشاد فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرؤا القراٰن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعودؓ (فبدأ بہ) وسالم مولی ابی حذیفۃ وابی بن کعب ومعاذ بن جبلؓ[1]

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ آپ نے حکم دیا کہ ان چار آدمیوں سے قرآن شریف پڑھو۔ (۱) عبداللہ بن مسعودؓ (۲) سالم مولی ابی حذیفہؓ۔ (۳) ابی بن کعبؓ۔ (۴) معاذ ابن جبل۔

اس ارشاد میں سب سے پہلا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا لیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرو بن الحارثؓ کی حدیثیں ہیں۔

من سرہ ان یقرأ القراٰن غضا فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبدؓ۔[2]

جو اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ تر و تازہ قرآن شریف پڑھے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت سے پڑھے۔

من احب ان یقرأ القراٰن غضا فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبدؓ[3]

جو چاہتا ہے کہ تر و تازہ قرآن شریف پڑھے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت سے پڑھے۔

(۶) ایک الزام عبداللہ بن مسعودؓ پر یہ ہے کہ وہ معنی ما اتفق العلماء علی نسخہ کا التطبیق" اس مسئلہ کی پہلے تفصیل پیش کی جاتی ہے پھر اس الزام کی کیا حیثیت ہے وہ خود بخود ناظرین پر واضح ہو جائے گی۔ مسلم شریف میں جہاں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے "باب الندب

---

[1] بخاری کتاب المناقب۔ [2] احمد ص ، والطیالسی ص ۴۲ [3] احمد ج ۲ ص ۲۷۹

علی وضع الایدی علی الرکب۔ وہاں یہ حدیث ہے۔

عن علقمة والاسود انهما دخلا
علی عبد الله فقال اصلی من خلفکم؟
فقالا نعم فقام بینهما وجعل
احدهما عن یمینه والآخر عن
شماله ثم رکعنا فوضعنا
ایدینا علی رکبنا فضرب ایدینا ثم
طبق بین یدیه ثم جعلهما
بین فخذیه فلما صلی قال
هكذا فعل رسول الله صلی الله
علیه وسلم۔ وفی روایة کأنی انظر الی
اختلاف اصابع رسول الله صلی الله
علیه وسلم۔

علقمہ اور اسود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس
آئے آپ نے پوچھا کیا ان لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے ان دونوں
نے کہا جی ہاں۔ آپ دونوں کے درمیان کھڑے ہوگئے ایک
کو اپنے دائیں طرف کیا اور دوسرے کو بائیں طرف، پھر
ہم نے رکوع کیا رکوع میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر
رکھے آپ نے ہمارے ہاتھوں پر مارا، پھر اپنے
ہاتھوں سے تطبیق کی اور دونوں ہاتھ اپنی
رانوں کے بیچ میں رکھے اور نماز کے بعد فرمایا کہ
حضور اکرمؐ نے ایسا ہی کیا تھا اور مجھے اچھے
طریقے سے یاد ہے اور حضور اکرمؐ تطبیق کی
حالی انگلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رکوع میں جاکر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنے نہیں پکڑے بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملاکر اپنے دونوں گھٹنوں کے بیچ میں رکھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ آپ کی ساری عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا اس ایک مرتبہ کے واقعہ سے یہ قیاس قائم کرنا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو پکڑنے کی سنت سے ناواقف تھے یا اس کو بھول گئے، کسی طریقہ سے صحیح نہیں ہوسکتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت سیدنا علیؓ بھی اس کے قائل[1] تھے۔ ابن ابی شیبہ عاصمؒ بن ضمرہ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۲۔ ص ۲۲۷۔

قال فان شئت تلت هكذا — اگر تم چاہو ایسے کرو اگر تم چاہو تطبیق کرو
يعنى وضعت يديك على ركبتيك — اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں کے
وان شئت طبقت. — بیچ میں رکھو۔

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کی سند کو حسن بتلاتے ہیں یعنی حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ رکوع میں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے یا تطبیق کرے یہی رائے عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق کیوں نہیں قائم کی جاتی کہ وہ بھی رکوع میں تطبیق کے جائز ہونے کے قائل تھے اور جائز بتلانے کے لئے ایک مرتبہ عمل کر کے تطبیق بھی بتلا دی۔ کیا تنوت و تشہد میں الفاظ کا اختلاف نہیں ہے؟ اذان و اقامت میں اختلاف نہیں ایک قسم کے الفاظ یا ایک طریقے کی روایت کرنے والے کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ دوسرے طریق اقامت، اذان اور تشہد سے ناواقف تھا یا اسے بھول گیا تھا۔

مختلف مسئلوں میں دو دو سنتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں وہاں ایک مسلمان کو اختیار ہے کہ جس سنت کو چاہے اختیار کرے اس لئے حافظ ابن حجرؒ کو سید نا علیؓ کے روایت تطبیق کے بارے میں یہی فیصلہ کرنے ہیں۔

وهذا التاويل هو المتعين[۱] — اور یہی تاویل متعین ہے۔

کیونکہ حافظ ابن حجرؒ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دن میں سترہ بار فرض نمازوں میں اور اس سے زیادہ دوسری نمازوں میں دیکھا کرتے تھے کہ رکوع میں اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑتے تھے

---

[۱] فتح الباری ج ۱، ص کتاب الصلوٰۃ۔

پھر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی یہی کرتے دیکھا پھر یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کو بھول گئے تھے اور ان کے کسی رفیق نے ان کو یاد دلایا کہ تطبیق کے علاوہ یہ بھی سنت ہے۔ اب یہ سوال علامہ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ سے بے موقع نہ ہوگا کہ ہم ان سے دریافت کریں کہ صحابیوں میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے ایسی روایت کی ہے کہ وہ روایت دوسرے صحابی سے مروی نہیں ہے۔ تو کیا کسی عالم نے یا محدث نے یہ کہا کہ وہ بھول گئے ہم یہاں ایک ایسا واقعہ نقل کرتے ہیں جو تطبیق کے مسئلے سے بڑی مماثلت رکھتا ہے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

جمیع ما فی هذا الکتاب هو معمول به وبه اخذ اهل العلم ما خلا حدیثین عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم جمع بین الظهر والعصر بالمدینة والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر وحدیث النبی صلی الله علیه وسلم انه قال اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فی الرابعة فاقتلوه۔[1]

اس کتاب کی سب کی سب حدیثوں پر امت کا عمل ہے معمول بہا ہیں، بجز دو حدیثوں کے ایک عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کہ آپؐ نے مدینہ میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء میں دو دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھا، مدینہ میں جمع بین الصلوٰتین کیا، حالانکہ سفر نہیں تھا، خوف نہیں تھا اور بارش بھی نہیں تھی (یعنی کوئی جمع کرنے کا عذر نہیں تھا)، اور دوسری حدیث جس میں حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ جو شراب پئے اس کو کوڑے لگاؤ پہلی بار دوسری بار تیسری بار اور چوتھی بار پئے تو اس کو مار دو۔

---

[1] ترمذی، کتاب العلم۔

پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کتاب الصلوٰۃ ص ۲۶ باب الجمع بین الصلاتین میں ہے، اور دوسری روایت باب الحمد ص ۹۴، ایں ہے تو کیا اس بنا پر کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق یہ کہا کہ وہ بھول گئے یا حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ کہا کہ وہ بھول گئے۔ عجب بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر آسانی سے الزام لگا دیا گیا۔

۷. ایک الزام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر یہ ہے کہ نفی قیام الاثنین خلف الامام کہ جب دو مقتدی ہوں تو امام کہاں کھڑا ہو۔ امام آگے ہو دو مقتدی پیچھے ہوں جس طریقے سے دو سے زیادہ مقتدیوں کی صورت میں امام آگے ہوتا ہے اور سب مقتدی پیچھے ہوتے ہیں یا امام بیچ میں ہو اور ایک مقتدی بائیں ہو اور ایک دائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس مسئلہ کو بھول گئے کہ امام کو آگے ہونا چاہئے اور مقتدیوں کو پیچھے اور وہ بھی اس صورت میں امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہی صحیح خیال کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے اس طرح نماز ادا کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت بھول نہیں ہے بلکہ ذہنی جولانیت بلکہ اس مسئلہ کی ایک رائج شکل کے سوا دوسری جائز شکل کا جو انہیں علم تھا وہ علم بھی آپ نے اپنے شاگردوں کو پہنچایا اور آپ نے اس کی اپنے عمل سے اپنے شاگردوں کو تعلیم دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہترین زمانے میں کسی مسلمان کے لئے شاذ و نادر ہی یہ صورت پیش آتی ہو گی کہ جماعت سے وہ نماز نہ پڑھ سکے یا صرف دو مقتدیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع ہے۔ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طریقے سے نماز پڑھتے دیکھ لیا تو کیا تعجب ہے کیونکہ جس قدر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باشی کا التزام تھا کسی دوسرے صحابی کی نسبت یہ التزام ہم

حدیث کے ذخیرہ میں نہیں پاتے۔

حضرت اسود بن یزیدؒ اپنا جو واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے چچا علقمہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس دوپہر کے وقت گئے اور ظہر کی نماز انھیں کے ساتھ اس طرح سے ادا کی کہ ایک کو داہنی طرف کھڑا کیا اور دوسرے کو بائیں طرف اور بعد فراغ نماز یہ فرمایا کہ اسی طرح حضورؐ پڑھا کرتے تھے جبکہ امام کو ملا کر تین مصلی ہوتے تھے۔[۱] اس واقعہ سے صراحتاً یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسودؒ اور علقمہؒ دونوں آپ کے بالکل برابر تھے بلکہ حدیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں کے امام آگے تھے اور دونوں آپ کے پیچھے تھے۔ ہاں وہ دونوں اس طریقہ سے پیچھے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بچوں بیچ میں تھے گو آگے تھے ہو سکتا تھا کہ راوی نے الفاظ ادا کرنے میں احتیاط نہ برتی۔[۲] ابن سیرینؒ امام کے وسط میں کھڑے ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا قیام مسجد میں تنگ جگہ پر تھا جہاں مقتدی پیچھے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔[۳] اس مسئلہ کی ایک شکل یہ ہے کہ امام کو اس وقت بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے جبکہ مقتدیوں میں ایک بچہ ہو اور ایک بڑا ہوا۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے۔

وعن انسؓ صلیت خلف	انسؓ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کے پیچھے نماز پڑھی اور ہمارے خاندان کا ایک چھوٹا بچہ
الیتیم انا وام سلیم خلفنا۔	اور تھا اور حضرت ام سلیمؓ ہمارے پیچھے تھیں۔

---

[۱] مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۹، ابوداؤد باب اذا کانوا ثلثۃ تعلیق مغنی موجود ص ۹۱ مختصراً، مبتداً میں پوری حدیث گذر چکی۔ [۳] سنن بیہقی ج ۳ ص ۹۹ ص ۱۰۱۔

علامہ ابن قیم البدائع میں لکھتے ہیں۔

هو السنة التي ثمة المستمرة	اور یہی مستقل سنت ہے جب دونوں مقتدیوں
اذا كان احد المامومين صبيًا	میں سے ایک مقتدی نابالغ ہو۔

ابن قیمؒ لڑکے کے صف میں بڑوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی ممانعت کے بیان میں لکھتے ہیں۔

فالامام مخير بان يقف في	امام کو اختیار ہے کہ بیچ میں کھڑا ہو اور دوسرا
وسطهما الرجل عن يمينه	آدمی دہنے طرف اور بچہ بائیں طرف اور
والصبي عن يساره وبين	یہ بھی اختیار ہے کہ دونوں کے دونوں
ان يقفا جميعا عن يمينه	دہنے طرف کھڑے ہوں اگر فرض نماز
ان كانت الصلاة فرضا	ہے۔ اور اگر نفل ہے تو جائز ہے کہ دونوں
وان كانت نافلة جازان	پیچھے کھڑے ہوں اس کی تنصیص کی ہے اور
يقفا خلفه نص عليه نقل	کہا ہے کہ جب ایک آدمی ہو اور ایک
اذا كان رجل غلام لم يدرك	نابالغ لڑکا اور فرض نماز میں امام دونوں
في صلاة الفريضة فليقم	کے بیچ میں کھڑا ہو جیسا کہ عبداللہ بن مسعوؓد
الرجل وسطهما بينهما كما	فرض نماز میں بیچ میں کھڑے ہوئے
فعل ابن مسعودؓ في الفريضة	تھے۔

ؔ ابن القیم۔ بدائع الفوائد، ج ۳، ص ۸۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وحدیث سے فقہ کا تعلق

فقہا کے کام میں تفقہ کی ضرورت کی اہمیت

اس کے رہنما اصول کیا ہونے چاہئیں

اب اس مقالہ کا پانچواں حصہ شروع ہوتا ہے جو مقالہ کا اہم جزو ہے مختلف فقہی مسائل کے بارے میں آپ کے فقہی اقوال جو پہلے گزرے وہ بصیرت دینی کی نظیر یا کسی اور سلسلے میں تھے۔ یہاں آپ کے بیان کردہ مسائل اور فتوے فقہی ترتیب سے جمع کئے گئے ہیں جتنا استیعاب ہوسکا اس کی کوشش کی گئی ہے۔

(الف) اس سلسلے میں پہلا سوال تو یہ ہے کہ صاحب فتویٰ صحابی تو ایک سو تیس ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ کو ریسرچ کا موضوع بنانے کے لئے کیوں منتخب کیا گیا۔!

یہ سچ ہے کہ یوں تو ایک سو تیس[۱۳۰] صحابی صاحب فتویٰ ہیں لیکن ان میں سے سات بزرگوں کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ اصابہ میں اور ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ سات صحابہ کے فتووں کی تعداد زیادہ ہے اور ان سات میں سے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خصوصیت کے ساتھ

ہستیاں ہیں جن کے ذمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فتویٰ کی خدمت سپرد کردی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمریں خوب سوجھ بوجھ کی تھیں۔ رزم ہو یا بزم ہر ایک میں تینوں شریک ہوتے تھے۔ قرآن اور سنت کے علم میں بھی یہ حضرات ایک دوسرے کے لگ بھگ تھے۔ ان سے جو مسائل و فتوے نقل کئے گئے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے اور کیا عجب ہے ان تینوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے فتوے سب سے زیادہ ہوں۔ یوں ان تینوں سے جو کم عمر صحابہ ان کے بعد رہ گئے تھے ان کے فتوؤں کی کثرت کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے مگر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدت تک جو حضرات فتوے کا کام کرتے رہے وہ یہی تین ہیں جو ۲۴؁ھ میں اور اس کے بعد بھی زندہ رہے، اس لئے ابتداء میں یہ اندازہ قائم کیا گیا کہ آپ کے مسائل زیادہ ملیں گے۔ آپ کی فقہ اگر جمع کی جائے تو صحابہؓ کے زمانہ کی فقہ کا کام زیادہ سے زیادہ سامنے آجائے گا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ کو ریسرچ کا موضوع بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ کو جمع کرنے میں بہت سی کتابوں کو پڑھا گیا صرف اہم کتابوں کا اور جن سے فقہ مرتب کرنے میں کام لیا گیا ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہدایہ کو پڑھا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ کی کتاب الام پڑھی گئی، حنفی فقہ میں امام سرخسی کی مبسوط کی تیس جلدیں اور شافعی محدثین میں محدث بیہقی کی السنن الکبریٰ کی دس جلدوں اور حنبلی فقہا میں ابن قدامہ کی المغنی اور الشرح الکبیر[1]

---

[1] یہ امام ابوالقاسم عمر بن الحسین الخرقی کے فقہی متن کی شرح ہے شارح علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ ہیں وفات پائی ان کے بھتیجے مؤرخ شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابی عمر محمد بن احمد ابن قدامہ نے فقہ حنبلی کے ایک مشہور متن المقنع کی شرح کی بارہ جلدوں کی کتاب، کتاب المغنی سے بہت استفادہ کیا۔ بعض بعض اندازے کی ہیں ان کی وفات ۶۸۲ھ میں پچیاسی کے ہاں اسّی سال تو ہے۔

بارہ بارہ جلدوں میں سے مسائل وفتوے جمع کئے گئے ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور اور مصنف عبدالرزاق سے بھی مواد حاصل کیا گیا زیدی فقہا کی کتاب البحر الزخار فی فقہ علماء الامصار کی پانچ جلدوں سے بھی مواد حاصل کیا گیا۔ ابواب فقہ پر آپ کے اقوال اور فتووں کے مرتب کرنے میں کتب مندرجہ ذیل کو کافی پایا گیا کثرت سے ان ہی کتابوں میں سے مواد مہیا ہو گیا ہے اس کے علاوہ باقی کتابوں کے تذکرہ سے بھی فہرست کو طویل نہیں بنایا گیا جو مسئلے ان کتابوں میں تھے دوسری کتابوں سے بھی ان کو نقل کیا جاتا تو بے فائدہ ضخامت بڑھتی۔ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کے نسخے قلمی تھے۔ ان سے مواد بالاستیعاب جمع کرنا مشکل تھا۔ صحاح ستہ پیش نظر رہیں۔ بعض مسائل میں سنن ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں کا حوالہ بھی آپ کو ملے گا۔ مختلف مکاتب فکر کی فقہ کی کتابوں پر جو اہل علم حضرات وسیع نظر رکھتے ہیں وہ اس مختصر فہرست کی قدر کریں گے۔ اس مقالہ میں صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بتلائے ہوئے مسائل اور فتوے جمع کئے گئے ہیں۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کے تمام مسائل کا استیعاب ہو گیا ہے اور آپ کا کوئی مسئلہ چھوٹنے نہیں پایا۔ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، کی طباعت کی طرف کچھ عرصہ سے حدیث کا ذوق رکھنے والے سنت کے شیدائی برصغیر افریقہ کے حضرات متوجہ ہیں۔ میرے والد صاحب نے فرمایا کہ ان علم دوست حضرات کی بے دریغ دریا دلی سے میرے علم میں ہندوستان میں بڑے بیش بہا علمی کام ہو رہے ہیں۔ جن میں سے سب سے بلند و مفید تر کام وہ ہے جو حضرت مولانا ابوالمآثر محمد حبیب الرحمٰن الاعظمی انجام دے رہے ہیں۔ یہ ہے مصنف عبدالرزاق کی تصحیح کا کام۔ مصنف عبدالرزاق کی تکمیل و طباعت کا کام متعدد پہلوؤں سے بہت بلند ہے۔

(۱) ایک تو ایسے بڑے محدث کی کتاب کا کام ہے جو صحاح ستہ کے مصنفین کے شیوخ و اساتذہ میں سے ہیں۔

(۲) مذہب حنفی کے مآخذ سے جو حضرات ناواقف ہیں اور جن کو اس مذہب کے متعلق غلط فہمی ہے کہ مذہب حنفی صرف قیاسات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں سنت سے بڑی بے نیازی برتی گئی ہے مصنف کی تصحیح اور اشاعت کا کام جس طریقہ سے ہو رہا ہے اس سے اس ناواقفیت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

(۳) جس طریقہ سے اس مصنف کو حنفیہ ایک مستند کتاب جانتے ہیں دوسرے مختلف فقہی مکاتب خیال کے حضرات بھی اس کو مستند ہی سمجھتے ہیں۔ اس طریقہ سے طرفین کی علمی مستند معیاری کتاب کی اشاعت باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے اتحاد کی راہ کھولے گی۔ اس کام کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے یہ کام بین الاقوامی و عالمگیر حیثیت کا بھی حامل ہے، یہ بات بھی اس کام کی رفعت کو بلند قرار دیتی ہے۔

(۴) یہ کام مولانا ابو المآثر محمد حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی[1] انجام دے رہے ہیں اس کام کا آپ کے ہاتھ میں ہونا اس کے معیاری ہونے کا ضامن ہے یہ بیش قیمت علمی

---

[1] اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہندوستان میں فن حدیث پر کام کرنے والے کم نہیں ہیں اہل اس فن میں جن حضرات کی تالیف و تصنیف کی اشاعت ہو چکی ہے ان کی کتابوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا ممدوح کو اس فن میں جو وسیع ملکہ اور دقت نظر حاصل ہے وہ ان کو دور حاضر حدیث پر کام کرنے والوں سے ممتاز بناتی ہے اس فن میں مولانا کی تحریریں جو سامنے آئی ہیں وہ مولانا کو اگلے محدثین کے شمار میں شمار کا مستحق قرار دیتی ہیں اس زمانے کے مصر کے ایک بڑے محدث احمد محمد شاکر نے مسند امام احمد کی جو تصحیح کی ہے اور اس پر جو حاشیے لکھے ہیں اس کی تصحیح اور حاشیوں پر جو مولانا نے تنقید کی ہے وہ محدث محمد شاکر نے بڑی شکر گزاری کے ساتھ چھاپی ہے۔ مولانا کی تصنیفیں محققانہ شان کی ہیں۔ محدثین کے اصول پر کونسی سند حجت بنتی ہے۔ اور کس نوعیت کا کثرت طرق حدیث کو قوت پہنچاتا ہے اور کس حدیث میں کون سی خامی ملحق ہے جو اس کی صحت سے ہے۔ اس سے مولانا ایک محدث کی خوب واقف ہیں۔

سرمایہ طبع ہو کر آجائے تو فقہ ابن مسعودؓ پر نظر ثانی اور تکمیل میرا دینی اور علمی فریضہ ہوگا اور بڑی خوش قسمتی بھی ان دونوں مصنفوں سے کامل استفادہ کے بعد فقہ ابن مسعودؓ کو مکمل کیا جائے تو دعویٰ قریب قریب صحیح ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فقہ کے ہر ہر مسئلہ میں کون سی حدیث محدثین کے اصول پر قابل حجت ہے حنفیہ کے مسلک کے خلاف جن حدیثوں سے دلیل پیش کی جاتی ہے ان پر محدثین کے اصول سے کیا تنقید ہو سکتی ہے حنفی مسلک پر حنفیوں نے اپنے سے اچھا کیا ہے۔ فقہ حنفی کی بعد کی تنقیح اس شان سے ہو تو اس کی ابتدا تو علامہ شوق نیموی عظیم آبادی نے اپنی کتاب آثار السنن میں کی تھی یہ کام کتاب الصلوٰۃ تک ہو چکا تھا کہ حضرت علامہ کے انتقال کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حنفیہ سے جن فقہاء و محدثین کا خلاف ہے اور جو حضرات اپنے مسلک کی تائید میں جو حدیثیں پیش کرتے ہیں خود محدثین کے اصول پر کیا تنقید ہو سکتی ہیں اس طرز سے استدلال اور تنقید کی ابتدا علامہ شوق نیموی ہی نے اپنی کتاب آثار السنن اور دوسری تصنیفات میں کی۔ ان کے بعد علامہ مفتی عبداللطیف صاحب رحمانی نے اپنی شرح ترمذی میں اسی طرز کی تنقید و استدلال کا ہر مسئلہ میں التزام کیا اور جہاں حنفیہ کی حجت میں حدیثیں پیش کی ہیں اس میں بھی یہ بات پیش نظر رکھی ہے کہ وہ محدثین کے اصول پر قابل استناد ہوں اب اس طرز سے حدیثوں پر نظر رکھنے والی اور ان اصولوں کو برتنے والی ہستی مولانا ہی کی ہے ہندوستان میں اعظم گڑھ ہی میں دوسری ہستی مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی کی ہے ان کی شرح مشکوٰۃ میں بھی فتح الباری کے التزامات بہت پائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی دین ہے حنفی محقق اور سلفی محقق، دونوں اعظم گڑھ ہی کی خاک سے اس وقت اٹھے ہیں۔ پاکستان سے مولانا یوسف صاحب بنوری کی شرح (معارف السنن) شائع ہوئی ہے اس سے بھی اس قسم کے درک حدیث کا پتہ چلتا ہے اور دوسری ہستی مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی ہے لیہ ی ثم الپاکستانی کی ہے۔ کثر اللہ امثالہم و بارک اللہ فی علومہم و عملہم مولانا مصنف عبدالرزاق کی تصحیح میں جو کام انجام دے رہے ہیں ان کی اجمالی کیفیت

یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ آپ کے ہم پایہ جو صحابہؓ ہیں ان کے فقہی اقوال کا موازنہ آپ کے فقہی اقوال سے اس طرح کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کونسا بہتر ہے اور کونسا اس سے کم درجہ پر کیونکہ اس قسم کے موازنہ کے دو ہی اصول ہیں ایک یہ کہ اس موازنہ کا معیار عقل کو قرار دیا جائے دوسرے یہ کہ روایت کردہ حدیثوں کو اس کا معیار بنایا جائے ان دونوں معیار کے مطابق جو بحثیں پیدا ہوتی ہیں وہ بڑی طویل بحثیں بن جاتی ہیں پھر اگر ان کے فیصلے کئے جائیں تو یہ فیصلے بھی مدلل پیش کرنے ہوں گے مقالہ خود طویل ہو چکا ہے اس کو طویل تر کرنا مجھ ایسی ریسرچ اسکالر پر بہت بار ڈالنا ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتوؤں کی دلیلیں پھر ان کے مقابل دوسرے صحابہ کے فتاویٰ کی دلیلیں، پھر ان میں سے ہر ایک فتوے کا جو فیصلہ کیا جائے اس کے وجوہ لکھنے ہوں گے۔

(ب) دوسری بحث جو دینیات کے ریسرچ اسکالر کے لئے بے حد اہم ہے وہ یہ کہ بعض مکاتب خیال کے حضرات وہ ہیں جو فقہ کو دینی علم ہی تسلیم کرنے سے

(بقیہ حاشیہ سابقہ) قلمی نسخوں میں غلطیاں بہت ہوتی ہیں سند میں بھی اور متن میں بھی مولانا نے بڑی محنت سے الفاظ اور اسماء کی تصحیح کی اور حاشیہ میں اس کو ذیل انجام دیئے۔ (۲) الفاظ مشکلہ کی شرح (۳) جہاں الفاظ مغلق کی شرح سے مطلب واضح نہ ہو سکا وہاں توضیح کے لیے حسب ضرورت چند سطریں بڑھا دی گئیں (۴)، معنی یا سند پر کوئی شبہ ہے تو اس کا ازالہ کیا گیا ہے (۵)، حنفیہ کے مسلک کی تائید کی جہاں ضرورت تھی وہ تائید کی گئی اسی طرح جہاں معترضین کے اعتراض تھے اس کے جوابات دیئے گئے (۶)، احادیث و آثار کی تخریج (۷)، ان راویوں کے حالات سے جو صحاح ستہ کے رواۃ کے علاوہ ہیں (۸)۔ یہ مولانا کا علمی احسان ساری علمی دنیا پر ہے کہ مصنف کے کسی شارح و محشی نے اگر کوئی غلطی اپنی کتاب میں کی ہے اور وہ لفظ یہاں آگیا ہے تو اس کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس غلطی پر تنبیہ فرما دی ہے (۹)۔ مصنف ابن ابی شیبہ کا جس قدر قلمی یا مطبوعہ نسخہ مولانا کے پاس ہے وہ پورے کا پورا مصنف عبدالرزاق کے ذیل میں دے دیے گئے

انکار کرتے ہیں تو پہلے اس امر کی تنقیح کی جائے کہ ان کا نظریہ کس درجہ درخود اعتناء ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ دین نام ہے اللہ تعالیٰ کی ان ہدایتوں کا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہنچائی ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا[1] بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ
(مسلم شریف ابواب الحج، حدیث جابر بن عبداللہ والبوداؤد، کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبی نسائی، ابن ماجہ ابن ابی شیبہ وابن الجارود والبیہقی فی حدیثہ الطویل فی حجۃ الوداع)

میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے جس کو تم اگر مضبوطی سے تھام لوگے تو اس کے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب ہے۔

---

[1] یہ حدیث حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے والد امام محمد باقرؒ کے ذریعہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے حضرت جابرؓ کی حدیث میں صرف کتاب اللہ ہی ہے اور اس کے اعتصام کی تاکید۔ البتہ امام ترمذی نے اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے والد حضرت امام محمد باقرؒ سے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی جو روایت کی ہے اس میں کتاب اللہ کے بعد "وعترتی اہل بیتی" کا اضافہ کر دیا ہے۔ ترمذی میں امام جعفر صادقؒ سے اس زیادتی کا روایت کرنے والا زید بن الحسن الانماطی ہے جو ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ یاد رہے کہ ترمذی کی کسی روایت میں عترتی اہل بیتی ضرور ہے مگر متفقین یا امرین۔ اس جیسا کوئی لفظ نہیں ہے علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے "وقد سئل عنہ احمد بن حنبل فضعفہ وضعفہ غیر واحد من اہل العلم وقالوا لا یصح"۔ دوسری جگہ لکھا ہے "وقد طعن غیر واحد من الحفاظ فی ہذہ الزیادۃ وعترتی اہل بیتی وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض) وقال انہا لیست من الحدیث"۔ علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول مسلک الامام احمد میں دیکھا جائے۔

قرآن کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ قرآنی مطالب کی تفسیر و توضیح آپ کا منصب رسالت تھا۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (سورہ نحل) — ہم نے تم پر قرآن نازل کیا تاکہ ان کے نازل شدہ قرآن کی آپ توضیح کریں۔

اس تفسیر و توضیح کا نام حدیث و سنت ہے تو دین کے دو جزو ٹھہرے۔ قرآن و سنت امام مالکؒ فرماتے ہیں۔[1]

---

[1] یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ بات امام مالکؒ نے بغیر سند فرما دی ہے کیونکہ جن علماء نے موطا کی شرح لکھی ہے انہوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ امام مالکؒ کے تمام بلاغات و بغیر سند بیان کی ہوئی روایتیں سب مرفوع ہیں بکثرت طرق کے ساتھ ان جیسا یہ نہیں ہے۔ اس بلاغ کے متعلق ابن عیینہؒ فرماتے ہیں ان جلتم صحیح (زرقانی شرح موطا جزء ۴ صفحہ ۲۴۶) علامہ ابن عبدالبر نے تجرید میں لکھا ہے۔ ھذا الحدیث محفوظ مشہور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند اھل العلم شھرۃ یکاد یستغنی بھا عن الاسناد۔ (زرقانی جزء ۴ کتاب القدر صفحہ) میں اس مرسل حدیث کی یہ سند ہے کہ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ۔ اس سند سے حدیث متصل ہوگئی ابو نعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان جزء اول صفحہ ۱۰۳ میں یہ سند لکھی ہے۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد احمد بن الخطاب حدثنا طالوت بن عباد حدثنا ھشام بن سلیمان عن یزید الرقاشی عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ترکت فیکم بعدی ما ان اخذتم بہ لن تضلوا۔ کتاب اللہ وسنۃ نبیکم۔ یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس فی حجۃ الوداع الی قولہ ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ الحدیث۔ (مستدرک حاکم کتاب العلم جزء ۱ ص ۹۳) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضورؐ نے فرمایا میں تمہارے اندر دو چیزیں
قال ترکت فیکم امرین لن	چھوڑ رہا ہوں جب تک ان پر عمل کرو گے
تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ	گمراہ نہ ہو گے یہ دونوں چیزیں کتاب اللہ
وسنۃ نبیہ۔	اور سنت رسول ہیں۔

(موطا باب النھی عن القول فی القدر، تنویر الحوالک جزء ۲ ص طبع دار احیاء الکتب العربیہ مصر)

بقیہ حاشیہ سابقہ، السنن الکبریٰ بیہقی باب آداب القاضی جزء ۱۰ ص ۱۱۴، کنز العمال الجزء الاول، الباب الثانی فی الاعتصام بالکتاب والسنت حدیث نمبر ۹۴۲۔ ۹۹۵ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (مستدرک حاکم کتاب العلم جزء ۱ ص ۹۳) السنن الکبریٰ البیہقی باب آداب القاضی جزء ۱ ص ۱۱۴ کنز العمال الجزء الاول الباب الثانی فی الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۸۷۶۔ ۸۸۰۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ الترغیب والترھیب للمنذری ۱ ص ۴۳

لطیفہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی جو حدیث مجمع الزوائد میں مسند بزار کے حوالے سے اہل بیت کے فضائل کے باب میں ہے سنتی کا لفظ کسی کاتب کی سہو نظری سے یا کسی راوی کی ساحت سے نسبی بن گیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث فضائل اہل بیت کے باب میں داخل کر دی گئی۔ اس غلطی کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت کے راوی صالح بن موسیٰ ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے تذکرہ میں اس روایت میں سنتی کا لفظ درج کیا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم اور مسند ابن حنبل جزء ۴ ص ۳۶۶۔ ۳۶۷ میں زید بن ارقمؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں قرآن کی اہمیت بتائی گئی ہے البتہ ان دونوں کی اس روایت میں ثقلین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر صرف ایک ثقل کی تعیین اور تصریح کی گئی ہے اور اختصاراً دوسرے ثقل کا کسی راوی نے تذکرہ نہیں کیا۔ صحیحین میں اس کی مثال عبد القیس کے وفد کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "امرکم باربع" فرمایا اور حدیث میں صرف ایک چیز کا بیان ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے بعد پھر فقہ کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے اس سوال کے وزن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایک حقیقت جو آپ کے اور ہمارے سامنے ہے اس سے آنکھیں بند کر لینا بھی عقل سے بہت بعید بات ہے۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) باقی تین چیزوں کا بیان نہیں۔ اسی طرح ثقلین کی حدیث میں ایک ثقل کا ذکر ہے دوسرے ثقل دامر) کا ذکر رہ گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت انسؓ کی حدیثوں میں ہے کہ دوسرا امر جو بیان ہوا ہو وہ سنت ہے تو حدیث ثقلین میں جو دوسرا امر متروک ہو گیا ہے اس کو بھی سنت ہی سمجھنا قرین قیاس ہے اس کی تائید بکثرت آیات قرآنی سے ہوتی ہے۔ ثقلین کی حدیث ذیل میں درج ہے۔

عن زید بن ارقم قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا بماء یدعی خما بین مکۃ والمدینۃ فقال اما بعد ایہا الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربنا فاجیب ربی وانی تارک فیکم ثقلین اولہما کتاب اللہ فیہ الہدی والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہ فحث علی کتاب اللہ ورغب فیہ ثم قال واہل بیتی اذکرکم اللہ فی اہل بیتی۔ (صحیح مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۶-۳۶۷)

جیسا کہ حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث میں ثقلین کے دوسرے ثقل کی تعیین حضرت زید ابن ارقم کی خود اس روایت کے کیوں نہیں کی جاتی۔ اس میں اہل بیت کا تذکرہ موجود ہی ہے اور دوسری حدیثیں جن میں ثقلین کو کھول بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض میں عترۃ کا لفظ موجود ہے تو متروک شدہ دوسرا ثقل عترۃ کیوں نہ سمجھا جائے۔ تو عرض ہے کہ قرآن و سنت کے تمسک و اعتصام کے معنی کھلے ہوئے ہیں کہ ہم قرآن و سنت کے احکام کی پابندی یکساں طریقے سے کریں اگر اہل بیت یا عترت سے اعتصام کو مترادف مان لیا جائے تو اولاً حدیث میں اضطراب ہو گا اور حدیث کا اضطراب حدیث کو ضعیف بناتا ہے ثانیاً سنت سے اعتصام کی تائید قرآن سے ہوتی ہے اور عترت سے اعتصام کی تائید قرآن سے نہیں ہوتی ثالثاً اس اضطراب سے قطع نظر بھی کر لیں تو پھر عترۃ اور اہل بیت سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآن میں بہت سی عبادتوں کے احکام ہیں بعض بعض عبادتوں کے ایک سے زیادہ اجزا بیان کئے گئے ہیں ان عبادتوں کے اجزاء کی ترتیب اور ان کی تمام کیفیتوں کا مفصل ذکر قرآن میں نہیں ہے بہت سے معاملات کے حکم آپ کو قرآن میں ملیں گے۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) اعتصام کے کیا معنی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا وہ محمل تلاش کرنا اور وہ معنے لینا جن پر عمل ہو سکے اس سے بہتر ہے کہ ایسا محمل اختیار کریں جو کہ ناقابل فہم ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہو۔

کیا عترت کے علم کو ہم اپنے مسائل کی دلیل بنائیں یا ان کے عمل کو۔ ظاہر بات ہے کہ سنت کے دفتر میں جو ہمہ گیری و جامعیت ہے وہ عترت کے علم و عمل میں ہم کو نہیں مل سکتی ان عترت سے جو مسائل نقل کئے گئے ہیں یا ان کے عمل سے جو مسائل مستنبط ہو سکے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں ان سے پورے دین کی تشریح نہیں ہو سکتی اور سنت تو ہماری زندگی کے تمام اجتماعی و انفرادی احکام پر حاوی ہے یہ بات بھی نظر انداز کی جانے کے قابل نہیں ہو سکتی کہ اہل بیت تو قرآن اور عرف عام کی اصطلاح میں امہات المومنین ہی ہیں جن کا دور حضرت ام سلمہؓ پر ختم ہو گیا ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا۔ اور اگر عترت کے معنی عشیرۃ کے لیے جائیں جیسا کہ مجمع الزوائد کی اس روایت میں عترتی کے بجائے خیلتی کا لفظ ہے تو کسی خاص مدت تک آپ کے اہل خاندان مراد ہوں گے یا قیامت تک۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ کے خاندان کا ہر فرد خواہ اسے دین کا علم ہو یا نہ ہو علم دین میں ماہرانہ امتیاز رکھتا جیسا کہ سکتا ہو مراد نہیں ہو سکتا اور نہ قیامت تک جو آپ کی اولاد ہوتی ہے اس کا اعتصام ہم پر ضروری ہے لا محالہ آپ کی اولاد کے کچھ مخصوص افراد کو کسی دلیل کی بنیاد پر متعین کرنا ہوگا مگر اس تخصیص کی تو کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

اس طرح یہ مطالبہ بھی صحیح نہیں کہ حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت جو صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے اور اس میں عترۃ کا لفظ بھی ہے یا حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اخلاقی ہدایتیں بھی قرآن میں کم نہیں ہیں بلکہ جو جو اخلاقی کتابیں کبھی جاتی ہیں ان سب سے زیادہ اخلاقی ہدایتیں قرآن میں ملیں گی۔ حدیث میں بھی یہ تمام باتیں ہیں گو

(بقیہ حاشیہ سابقہ) اس سے دوسرے نقل کی تعیین عترۃ سے کی جائے کیونکہ وہ سب ضعیف روایتیں ہیں اور عقیدہ کے لئے روایت کا صحیح ہونا بھی کافی نہیں بلکہ متواتر ہونے کی شرط ہے اس سے کم درجہ کی روایت سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اس پر بھی آپ غور کیجئے کہ یہ سب سادات باقی روایتوں میں بھی ہوں گے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ ان کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں اہل بیت کی جو تفسیر زید بن ارقمؓ سے روایت کی گئی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جن کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں اس تفسیر سے بھی سادات بالاصل نہیں ہوتے۔

کتاب اللہ کے ساتھ عترتی کا لفظ ذیل کی دو صحابہؓ کی روایتوں میں بھی ہے۔ بڑی تلاش سے دو صحابہ کی روایتوں کا پتہ چلا ہے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان سے زیادہ صحابہ کی روایتیں کسی معتبر کتاب میں نہیں مل سکتیں تو اس کا رد کرنا ہرگز آسان نہیں۔ بہرحال آپ روایتوں کے حالات پڑھیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی جو حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں ہے اس میں حجۃ الوداع کے خطبہ میں صرف کتاب اللہ ہے دیکھئے کنز العمال ج ۱۔ الکتاب الاول فی الایمان والاسلام الباب الثانی فی الاعتصام بالکتاب والسنۃ حدیث نمبر ۱۰۰۸، ۱۰۷۰، ۹۵۰ ترمذی میں وعترتی اہل بیتی کا اضافہ ہے اس کا راوی زید بن الحسن الانماطی ہے۔ یہ منکر الحدیث ہے یعنی اس کی روایت قابل قبول نہیں یہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

(۲) حضرت زید بن ارقمؓ (ترمذی) انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (کنز العمال حدیث نمبر ۸۷۴، ۹۹۸) ان دونوں میں سے کسی کی صراحت نہیں ہے کہ وہ سارا امر عترتی ہے عترتی و اہل بیتی کا تذکرہ ضروری ہے جیسا کہ مسلم اور مسند احمد سے نقل کر چکی ہوں۔ حدیث نمبر ۹۹۸ میں صرف اہل بیتی آیا ہے "عترتی"

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملیں گی لیکن قرآن و سنت کے جو واضح احکام ہیں صرف ان ہی پر عمل کی اجازت دیں اور باقی امور سے روک دیں تو پھر ہمارے لئے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں اور ان دونوں طرح کے طرز زندگی میں اسلام دوسرے مذہبوں سے

(بقیہ حاشیہ سابقہ) نہیں آیا مسلم والی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث ۹۵۱، ۹۴۷، ۹۵۰ میں کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی کے الفاظ ہیں جب عترۃ سے مراد اہل بیت ہیں تو وہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حدیث ۹۴۸ بالکل حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث کے مماثل ہے مستدرک حاکم میں جو زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے اس میں عترتی نہیں ہے۔ ترمذی و مجمع الزوائد میں جو زید بن ارقمؓ کی روایت ہے اس میں واللہ عترتی کا لفظ ہے۔ انھما لن یتفرقا عنھما حتی یردا علی الحوض مگر اس کے راوی حکیم ابن جبیر ہیں جن کو علامہ الہیثمی نے ضعیف تبلایا ہے (ج ۹ ص ۱۶۴) حدیث نمبر ۹۵۴ میں احدھما اکبر من الاخر کا لفظ بڑھا ہوا ہے اور ظاہر بات ہے کہ کوئی چیز کتاب اللہ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی یہ جملہ حدیث کو ضعیف قرار دینے کی بڑی دلیل ہے ۹۵۴ میں عظم کا لفظ ہے۔

(۳) عن زید بن ثابتؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم خلیفتین کتاب اللہ عزوجل و عترتی اہل بیتی۔ دیکھئے کنز العمال حدیث ۹۴۶، ۹۴۷، ۱۶۶۹ ان کی روایت مسند امام احمد بن حنبل میں بھی ہے اس کے راوی شریک بن عبد اللہ النخعی القاضی ہیں جو قاضی ہو جانے کے بعد کثیر الخطاء اور سیئ الحفظ ہو گئے تھے یہ مدلس بھی ہیں انھوں نے سماع و تحدیث کی تصریح بھی نہیں کی اور پھر عقیدہ میں یہ حدیث بھی دلیل نہیں بنتی۔

(۴) عن ابی سعید خدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین احدھما اکبر من الاخر کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی وانھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امتیاز ختم ہو جاتا ہے وہ دو صورتیں یہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم معطل ہو کر زندگی گزاریں زندگی کے ہنگاموں کے کاروبار سے راہبوں کی طرح کنارہ کش ہو جائیں اور اس طرح انسانیت پر بار بنیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ہم مذہب سے بے نیاز ہو کر من مانی زندگی گزاریں جس کام اور جس طریقہ میں

(بقیہ حاشیہ سابقہ) رواہ الطبرانی (مجمع الزوائد جزء ۹ ص۱۶۳) دیکھئے کنز العمال حوالہ بالا حدیث نمبر ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۵۰، ۹۵۲ ان کی جو روایت ترمذی و مسند احمد میں ہے اس کا دار و مدار عطیہ بن سعد العوفی پر ہے۔ یہ شیعہ ہے اور شیعہ کی حدیث جو اس کے مذہب کی تائید میں ہو قبول نہیں کی جا سکتی یہ مدلس بھی ہے اور بہت غلطی کرتا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایتوں کا ایک راوی ابو اسرائیل الملائی ہے۔ اس کا حافظہ خراب ہے اور بہت غالی شیعہ ہے اور کثیر الغلط بھی عطیہ سے اس کو روایت کرتے ہیں وہ شیعہ ہے اور ضعیف الروایت بھی۔ عبد الملک بن ابی سلیمان العرزمی بھی اس کے راوی ہیں۔ وہ بھی غلطی کرتے ہیں حدیث نمبر ۹۵۰ میں یہ جملہ بڑھا ہوا ہے احدھما اکبر من الآخر۔ حدیث نمبر ۹۵۱ کے الفاظ احدھما افضل من الآخر ہیں کتاب اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز افضل نہیں ہو سکتی۔ سند کی کمزوری کے ساتھ ساتھ متن میں اس جملہ کا ہونا حدیث کو ضعیف قرار دیتا ہے حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث نمبر ۹۵۰ میں صرف کتاب اللہ ہے۔

(۵) حذیفہ بن اسید الغفاری سوانی سائلکم عن الثقلین فانظروا کیف تخلفونی فیہما الثقل الاکبر کتاب اللہ عزوجل سبب طرفہ بید اللہ عزوجل وطرفہ بایدیکم فاستمسکوا بہ لا تضلوا ولا تبدلوا وعترتی اہل بیتی۔ رواہ الطبرانی (مجمع الزوائد ص ۱۶۴، ۱۶۵) دیکھو کنز العمال حدیث ۹۵۹ اس کا راوی زید بن الحسن الانماطی ہے اس پر جرح نقل ہو چکی ہے۔

(۶) عن علی بن ابی طالبؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی مقبوض وانی قد ترکت فیکم الثقلین یعنی کتاب اللہ واہل بیتی وانکم لن تضلوا بعدھما اس کے راوی ہیں الحارث جو ضعیف الروایۃ ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دنیا کا نفع یا حظِ نفس پائیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر ان کو کرلیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے بھی یا نہیں اس کی پرواہ نہ کریں مگر ہدایتیں موجود ہیں تو ان کی پائمالی سے ہمیں ذرہ برابر بھی ملال نہ ہو۔

دوسرے مذاہب پر اسلام کے امتیاز کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں زندگی کے ہر مرحلہ کی ایسی ہدایتیں ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا کا کام آگے بڑھانے میں کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ غلط ہو جائے گا خواہ ان دو صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جائے۔ تو اب یہی ایک صورت ہے کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرلیں کہ قرآن و حدیث کے صریح احکام کے سوا! ان دونوں سے جو اصول و کلیات اخذ کئے گئے ہیں ان سے استنباط کئے ہوئے کچھ احکام ایسے بھی ہیں کہ دشواری و مشکلات میں ان پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی زندگی کے ہر قسم کے کام انجام دے سکتے ہیں ان اصول و کلیات سے مستنبط کئے ہوئے احکام پر عمل بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی پر عمل مانا جائے گا۔ ان پر عمل سے ہم اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہیں ٹھیریں گے بلکہ شریعت الٰہیہ پر عمل کا ہم کو اجر ملے گا ان دو باتوں کی

(بقیہ حاشیہ سابقہ) دیکھئے مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۶۳۔

ان چند رواتیوں میں اس جملہ کا اضافہ ہے وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض

یہ قرآن کے ساتھ سنت ہو تو صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن کے ساتھ عترۃ یا اہل بیت ہو تو اس جملہ کا مطلب انسانی کی عام فہم سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ قرآن کا عترۃ کے ساتھ یہ اجتماع کہاں کہاں پایا جاتا رہا۔ اس واقعہ کا اگر ہم سے تاریخی طور پر سوال کیا جائے تو اس اجتماع کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی تو ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے عجز کا اعتراف کریں اور کہہ دیں کہ قرآن و عترت کے اجتماع کے زمانے نہیں بتلائے جا سکتے۔

طرف توجہ فرمائی جائے. اگر آپ نے توجہ کی تو آپ پر علم کا غور و فکر کا جو حق ہے وہ بھی ادا ہوگا اور ہمارے اس دعوے کی صحت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ اسلام ہر موقع و محل پر نہ صرف رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ رہنمائی کرتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن و حدیث میں جو احکام ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ شمار کر لیے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ محدود احکام ہی شمار کئے جا سکتے ہیں اگر قرآن و حدیث کے احکام کو غیر محدود کہا جاتا ہے تو پھر شمار میں نہیں آ سکتے. لیکن ہمارے علماء صاف صاف اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ محدود ہیں ملا جیون تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ ان آیتوں کی گنتی کا شمار کر لیا گیا ہے جو بمشکل ڈیڑھ سو تک پہنچتا ہے جن سے احکام قرآن مستنبط ہوتے ہیں حدیثوں کا بھی یہی حال ہے کہ مشکل سے پانچ سو حدیثیں احکام کی ہیں. قرآن و حدیث میں کچھ اصول کلی بھی ہیں جن سے ہم بہت سے جزئیات یعنی خاص خاص واقعات کا حکم معلوم کر سکتے ہیں بہرحال ہم یہ سب تسلیم کرتے ہیں لیکن بڑی زبردستی کی بات ہوگی اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ہر نئے واقعہ کا حکم قرآن و حدیث یا ان دونوں سے جو کلیات مستنبط ہیں ان تینوں میں سے کسی ایک میں ضرور مل جاتا ہے کیونکہ نت نئے ان گنت واقعات پیدا ہوتے جاتے ہیں تو اب جس پیش آنے والے واقعہ کا حکم ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ حکم نہ قرآن و حدیث کے صریح احکام میں ملتا ہے نہ ایسے اصلی و کلی احکام ہیں، تو اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جن باتوں کا حکم ہمیں بتایا گیا ہے ان کے ذریعہ سے اس نئے واقعہ کا حکم معلوم کرنے کی سعی کریں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

وکانت الحوادث لاتقف لاتحصر — واقعات کسی حد پر ختم نہیں ہو جاتے اگلے علماء نے

بالجملہ لکن ما انعقد الاجماع کا فیا — جو فتووں کے جواب دیئے تھے وہ تمام نئے نئے واقعات

لجميع الحوادث فاندفعوا الى التخريج على نصوصهم ثم جمع الفتاوى والواقعات ثم ترجيح بعض الاقوال والوجوه على بعض[1]

کے لئے کافی نہیں ہو سکتے تو ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان پچھلے فتوؤں کی روشنی میں اس نئے واقعہ کا حکم معلوم کریں اور اس سلسلے میں نتیجہ جمع کئے جائیں فتوؤں کی صورت میں ترجیح دے کر فتویٰ دیا جائے۔

ان حالات میں ہمارے لئے بس یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہر نیا واقعہ جو ہمارے سامنے آئے ہم دیکھیں کہ وہ ان پرانے واقعات میں سے کس سے زیادہ قریب ہے اور اس نئے واقعہ کے حالات ان پرانے واقعات میں سے کس سے زیادہ ملتے جلتے ہیں نیز یہ بھی دیکھیں کہ ان دونوں واقعات میں سے کوئی امر مشترک نکلتا ہے یا نہیں یا جو فرق ان دونوں واقعات کے حالات میں ایک دوسرے سے ہو اس کی تاثیر دیکھیں کہ اس کے حکم پر کس درجہ تک ہو سکتی ہے۔ ان تمام باتوں پر پوری طرح غور کر کے جو حکم نکالیں گے اس کا نام اجتہاد ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو ہدایت نامہ (احکام قضاء) بھیجا تھا اس میں ایسے نئے واقعات کے متعلق لکھا ہے۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة، اعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها الى الله واشبهها بالحق فيما ترى[2]

اس مسئلہ میں خوب اچھی طرح سوچ سمجھ سے کام لو جس میں تم کو اطمینان نہ ہو اور قرآن و سنت سے بھی کوئی حکم معلوم نہ ہو سکے تو اس طرح کے ملتے جلتے واقعات پر خوب غور و فکر کرو پھر اجتہاد سے کام لو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس حکم کو پسند کرے گا اور حق سے قریب تر کونسا نتیجہ ہوگا۔

سیدنا عمرؓ کے اس قول سے اجتہاد کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ جس واقعہ کے حکم کا

---

[1] العلم المکتوم، ص ۹۵۔ [2] دارقطنی، ص ۵۱۲

قرآن و سنت میں پتہ نہ چلے صرف وہاں عقل سے کام لیا جائے۔ عقل سے کام لینے کی کیا صورت ہو اس کی رہبری بھی حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس طرح فرمائی کہ اس واقعہ سے ملتے جلتے واقعات کا پتہ چلایا جائے پھر دیکھا جائے کہ ان واقعات کے قرآن و سنت میں جو احکام ہیں ان میں سے اس واقعہ کے متعلق کونسا حکم حق سے قریب تر ہے اور اس موقعہ پر جس کا نفاذ اور اجراء اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث رہے گا، تمہارا فتویٰ وہی ہو۔

الاسلام یجمع بین الدین والشریعۃ اما الدین فقد استوفاہ اللہ کلہ فی کتابہ الکریم ولم یکل الناس الی عقولہم فی شئ منہ اما الشریعۃ فقد استوفی اصولہا ثم ترک للنظر الاجتہاد فی تفصیلہا۔[1]

اسلام میں جو چیزیں ہیں ان میں ایک تو دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں پورا پورا بیان کر دیا اور اس میں انسانی عقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی۔ دوسری چیز شریعت ہے اس کے اصول بیان کر دیئے تاکہ انسان سوچ بچار کر کے ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کر سکے اللہ تعالیٰ نے شریعت میں لچک رکھی ہے کیونکہ حالات زندگی تبدیلی کے طالب ہوتے ہیں اگر زمانہ کے تقاضے کو پورا کرنے کی لچک نہ رکھی جائے تو لوگوں کا دین پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے اجتہاد ضروری قرار پایا ہے۔

دوسری بات جو غور و خوض کی طالب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے نماز کا حکم دیا اور سنت نے اس کی شکل متعین کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نماز میں ہم جو جو عمل کرتے ہیں کیا ان میں ہر ایک کا ایک ہی درجہ ہے؟ کیا نماز کا ہر جزو ایک ہی اہمیت کا حامل ہے۔ مختلف اوقات کی فرض نمازوں سے قبل و بعد سنت و نفل کی رکعتیں جو مختلف تعداد میں روایت کی گئی ہیں کیا سب ایک ہی درجہ کی ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی یہ دعویٰ نہیں

---

[1] کتاب الاعتصام، علامہ شاطبیؒ

کر سکتا۔

فقہانے یہی کام کیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ اس معین شکل میں کون کون سے حصے فرض ہیں اور کون سے واجب۔ کون سے سنت ہیں اور کون سے مستحب اور اصولیوں نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ اُن نفل رکعتوں میں کس نفل کا کیا درجہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا کہ کن باتوں سے ہماری نماز درست نہیں رہتی اور کن باتوں سے نماز کا ایسا نقص پیدا ہوتا ہے کہ جس کی تلافی کی شکل ہم کو سنت میں مل جاتی ہے اور کن باتوں سے نماز اپنے اعلیٰ درجہ سے گر جاتی ہے اور اس گرنے کے بھی کئی درجے ہیں ان میں سے بعض کے دور کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی سوائے توبہ و استغفار کے اور کوئی صورت نہیں۔ یہ درجہ بندی فقہانے اجتہاد ہی سے کی ہے۔ بہت سی عبادات، معاملات اور اخلاق کی درجہ بندی فقہ ہی کی رہین منت ہے۔

ایک مثال ہے کہ قرآن نے ہم کو بیع کی اجازت دی ہے سنت نے اس کے لئے ایجاب و قبول اور خاص طرز ادا کو ضروری قرار دیا ہے لیکن بیچنے والے اور خریداران میں سے ہر ایک کے لئے ایجاب و قبول کے الفاظ کا خود ان کی زبان سے ادا کرنا ضروری قرار نہیں دیا۔ اس طرح بیع کے معاملہ کی تکمیل کے لئے دو گواہ ضروری قرار نہیں دیئے، یعنی سنت سے اس کے کچھ اجزا ضرور معلوم ہوئے لیکن کون سے اجزاء اس کے لئے بیحد ضروری ہیں اور کون سے اجزاء کی اہمیت اس سے کم درجہ پر ہے اور کن اجزاء کی اہمیت اس سے بھی کم درجہ پر ہے، ان درجوں کا تفاوت ہم کو فقہ ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

معاملات میں ایک معاشرتی معاملہ نکاح کا ہے بیع میں جس طرح ایجاب و قبول ضروری ہے، نکاح میں بھی ایجاب و قبول لازمی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ

ایجاب وقبول کا استعمال تو یہاں ان کے قائم مقام کی زبان سے ادا ہونا ضروری ہے ان میں سے کوئی ایک بھی اگر اس کو نہ ادا کرے اور جب تک دو گواہ نہ ہوں تو نکاح منعقد نہ ہوگا حالانکہ بیع کی تکمیل کے لیے ایجاب وقبول کافی ہے اور بیع میں ایجاب وقبول کی علامتیں بھی اکثر موقعہ پر ایجاب وقبول کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ انعقاد بیع کے لئے دو گواہ تو کیا ایک گواہ بھی ضروری نہیں۔ یہ تمام باتیں فقہا ہی طے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں نماز، روزہ، زکوٰۃ حج، بیع، شرا، رہن، ہبہ، نکاح اور عدت وغیرہ میں ملتی ہیں ان میں قرآن وحدیث کی خاص و عام ہدایتوں کے باوجود زندگی کے بہت سے مرحلے ہیں جن میں ہم کو ہدایت کی تشنگی اور حاجت باقی رہ جاتی ہے جس کو قرآن وسنت کی روشنی ہی میں فقہ نے دور کیا ہے۔ حدیث وقرآن کے صریح مسائل اور اجتہاد و استنباط والے مسائل کو فقہ ایک درجہ پر بھی نہیں رکھتی بلکہ قرآن وحدیث ماخوذ مسئلے اور اجتہاد سے مستنبط مسائل کے درجوں میں ایمان وعمل دونوں ہی کے لحاظ سے فرق کرتی ہے۔

فی صدر العهد العباسی تمکن الاستنباط واستقرات اصوله وجعل لفظ الفقه ینتهی بالتدریج الی ان یکون غیر مقصور علی المعنی الا صل الی الاستنباط من الادلة التی لیست نصوصا۔[۱]

عہد عباسی تک حدیث وسنت کے علاوہ اجتہاد کے جن مسائل کا حکم دیا جاتا تھا صرف اس کا نام فقہ ہوتا تھا مگر اب فقہ صرف اجتہادی مسائل کا نام نہ رہا بلکہ عملی احکام خواہ وہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں یا ان سے مستنبط کئے ہوئے ہوں سب کا نام فقہ ہو گیا۔

---

[۱] مصادر التشریع الاسلامی، ص ۲۰۴

چنانچہ بعد میں یہ ہوا۔

والفقه هو نصوص القرآن — فقہ قرآن و سنت کے واضح احکام ہے

والسنة الظاهرة المتبعة وما — صحابہ نے جو باتیں اختیار کی ہیں جو

ارتضاه كبار الصحابة فصار رأيا — دوسرے صحابہ نے ان کو روایت کیا ہو

لهم وغيرهم من الصحابة او ما — تھوڑے سے ان کی رائے کر فتوے

سمعوه وقليل من الفتوى — جو کچھ اجتہاد کے بعد امتوں نے دیئے

صادر عمن اراده بعد — یہ سب چیزیں فقہ میں داخل ہیں۔

الاجتهاد والبحث۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے خوشی خوشی اس کی ہدایتوں کو قبول کر کے اپنی زندگی ان ہدایتوں کے مطابق بنائیں اسی لئے کثرت سے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ اس سے آخر میں دل نشین پیرایہ اور بڑی شیریں زبان میں قرآن اتارا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خواہش بڑی شدت کے ساتھ تھی کہ اللہ کے بندے اس کے در اجابت پر جھکیں، حریص علیکم۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں ہدایتوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی نفسیاتی غذائیں بھی مہیا کی گئی ہیں جو انسان میں اللہ کی ہدایتوں پر عمل کا جذبہ اور شوق بھی پیدا کرتی ہیں اور جن سے انسان عمل کی عظمت سے ان ہدایتوں کا جویا ہو جاتا ہے جن کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے مگر ہر شخص کو اتنی فرصت نہیں ملتی اور نہ ہر شخص کے عقل و فہم کی رسائی یہاں تک ہے کہ قرآن و حدیث کے بحر بیکراں سے وقت کے وقت اپنے کام کی ہدایتیں کو چن لے۔ علمائے امت نے امت پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ان کے لئے عبادات، معاملات اور اخلاق کی جو ہدایتیں ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک جگہ کر دیا۔ پھر باب وار تقسیم سے ہر نوع کے مسائل جدا جدا جمع کر دئے پھر کس وقت کون سا

عمل اہمیت کے لحاظ سے کس درجہ پر ہے اس کی درجہ بندی اس طرح کردی کہ اب ہم اپنی ضرورت کے مسائل بآسانی اپنے مختصر سے وقت میں معلوم کرسکتے ہیں۔ فقہائے اُمت نے خاص طور پر عبادات و معاملات کی یہ درجہ بندی اس لئے کردی کہ ہمارے لئے یہ معلوم کرنا آسان ہوجائے کہ ہمیں کس وقت کس ہدایت پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اور عمل کی اس درجہ بندی سے ہمارے لئے یہ آسان ہوگیا کہ معلوم کرلیں کہ یہ عمل ہم پر فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ اُنھوں نے ان کے موانع و شرائط کی نشاندہی بھی کردی اور یہ بھی واضح کردیا کہ کون کون سی باتیں اس عمل کی حسن و خوبی کو بڑھاتی ہیں اس طرح جو فن یہ سب کام انجام دیتا ہے اسی کا نام فقہ رکھا۔[1]

---

[1] فقہ کے معنی پھاڑنے اور کھولنے کے ہیں بعد میں یہ لفظ پھاڑنے اور کھولنے کا نتیجہ یعنی تدبر یعنی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ والفقه فی الاصل الفهم واشتقاقه من الشق والفتح (نہایہ ابن اثیر جز ۳ ص ۲۰۴) والفقه العلم بالشیٔ والفهم له۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۴۱۰) فقہ درحقیقت دین کے احکام میں تہہ تک پہنچنے کا نام ہے اور یہ سعادت بغیر تطہیر قلب و تزکیۂ نفس کے حاصل نہیں ہوتی۔ اجتہاد کی تشریح کا بیان جہاں آرہا ہے وہاں اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ذکر معنی هذه اللفظة فی عشرین موضعا من القرآن تسعة عشر منها تدل علی ان المراد به نوع خاص من دقة الفهم والتعمق فی العلم الذی یترتب علیه الانتفاع به (جز ۲ ص ۲۲۱)"

علامہ رشید رضا نے اس کی سند حکیم ترمذی سے نقل کی ہے۔ وذکر حکیم الترمذی هذا واستدل به علی ان الفقه بالشیٔ وهو معرفة باطنه والوصول

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اہلِ علم اس کام کو انجام دیں تو یہ دینی کام شمار ہوگا یا نہیں۔ اس فیصلے کے لئے چار باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الی اعماقه فمن لم یعرف الا ظواهر الاشیاء لا یسمی فقیهاً" الفقه بالشئ" یعنی فقہ نام ہے کسی شے کی حقیقت کے علم کا اور اس شے کی گہرائیوں میں پہونچ جانے کا جو اشیاء کی صرف اوپر کی باتوں کو جانتا ہے اسے فقیہ نہیں کہیں گے۔

ان دونوں حضرات کا خیال اس لئے زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے کہ لغت اور تفسیر کے امام علامہ راغب اصفہانی تحریر فرماتے ہیں۔ الفقه هو التوصل الی علم غائب بعلم شاهد فهو اخص من العلم۔ (المفردات ص ۳۹۱) "فقہ ظاہری علم سے باطنی کے علم تک پہنچنا ہے، وہ علم کی ایک خاص نوع ہے۔

اس لئے فقہاء نے فقیہ کی تعریف کی: الفقیه من یدقق النظر۔ الفقیه العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقها ویفتح ما استغلق منها۔ (طحاوی حاشیہ الدر المختار مقدمہ ص ۲۵ القاہرہ) فقیہ دقیق النظر کو کہتے ہیں۔ فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام حق حق بیان کرتا ہے پھر ان حقائق کی کھوج لگاتا ہے۔ اس میں جو اسرار نہاں ہیں ان کو کھولتا ہے۔

اس تیسری منزل پر فقہ کے معنی کی ترقی رکی نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہوتا گیا بس فقہ اس علم کا نام ہوگیا جس میں دقیقہ رسی ہو اور جس علم کا مقصد اس پر عمل کرنا ہو اور یہ بات علم دین ہی پر صادق آسکتی ہے۔ وغلب علی الدین لسیادته وشرفه وفضله علی سائر انواع العلم (لسان العرب ص ۱۰۸ ج۱) فقہ کثرت سے علم دین کو کہنے لگے کیونکہ دین کا علم تمام علوم پر فضیلت وشرف رکھتا ہے بندگی اس علم دین ہی کو حاصل ہے۔

وجعله العرف خاصا بعلم الشریعة وتخصیصها بعلم الفرع منها

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) اجتہاد کسے کہتے ہیں (۲) کیا شریعت نے اجتہاد کی اجازت دی ہے (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے اجتہاد کے سلسلے میں کس مسلک کا پتہ چلتا ہے (۴) کن مواقع پر اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) (نہایہ جزء ۳ ص ۲۲۳) عرف میں شریعت کے علم کا نام فقہ ہو گیا۔ اس میں بھی جزئیات کے علم کو فقہ کہا جانے لگا۔

ردمختار میں بھی یہ مضمون ہے بحر الرائق میں فقہ کے لغوی معنی کے بعد ہے۔ وھو الوقوف علی معانی نصوص الشریعۃ واشاراتھا ودلالاتھا ومضمراتھا ومقتضیاتھا والفقیہ اسم للواقف علیھا (جزء ۱ ص ۱) "فقہ شریعت کے نصوص (قرآن وسنت) سے واقف ہونے کا نام ہے۔ پھر ان نصوص کے اشارات ومضمرات ومقتضیات سے واقفیت بھی فقہ ہی میں شمار ہونے لگی اور جو ان باتوں سے واقف ہو اس کو فقیہ کہنے لگے۔

ان عبارات بالا سے فقہ کی جو حقیقت معلوم ہوئی اس میں قرآن وسنت سے کہاں منافات وغیرت ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے فقہ کی حیثیت اس طرح سے منکشف کی ہے جس سے قرآن وحدیث کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ان الفقہ معقول من منقول قرآن وسنت کی بالکل کو علی طور پر بیان کر دینا فقہ ہے (الاشباہ والنظائر جزء ۱ ص ۵)۔

اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے معنی مرور زمانہ سے بدلتے رہے جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

ان الناس تصرفوا فی اسم الفقہ فخصصوہ بعلم الفتوی والوقوف علی دلائلھا وعللھا واسم الفقہ فی العصر الاول کان مطلقا علی علم الآخرۃ ومعرفۃ دقائق النفوس والاطلاع علی الآخرۃ وحقارۃ الدنیا۔

علماء نے فقہ کے معنی بدل دیئے ہیں فتوی اور جن بنیادوں اور اسباب کی بناء پر فتوے دیئے جاتے ہیں ان سب کو فقہ کہا جانے لگا۔ پہلے زمانے میں آخرت کے علم کا نام فقہ تھا نفس کی گہری تہوں کو پہچاننا اور اس کا رخ آخرت کی طرف پھیر کر آخرت ہی کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے اور دنیا کو حقیر جاننے کو فقہ کہتے تھے۔

(۱) اجتہاد کے متعلق بہت سی بحثیں ہو سکتی ہیں۔ کچھ نئے سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں فقہ دینی علم ہے یا نہیں۔ اس کے فیصلے کے لئے صرف ان چار باتوں پر روشنی ڈالنی کافی ہے اس لئے مزید بحثوں سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

سُنّت پر عمل پیرا ہونے کا سب سے زیادہ دعویدار ایک طبقہ بڑے شدومد سے قیاس ہی کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ جس پر اجتہاد کی بنیاد ہے۔ اس لئے قرآن مجید سے اس کی اجازت کا جو پتہ چلتا ہے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اجتہاد کے واقعات پیش کئے جا رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اس کی تائید میں دیگر صحابہ کا متفقہ عمل پیش کیا جا رہا ہے تاکہ سب سے زیادہ اتباع سنت میں امتیاز کا دعویدار طبقہ اس سنت کو رد کرنے کی بجائے مستحق عمل سمجھنے میں تامل نہ کرے اصل اتباع روح شریعت کو سمجھ کے شریعت پر عمل کرنا ہے اور جہاں صریحاً کوئی حکم شریعت میں نہ ملے تو پھر جو حکم دینی اصول کے اتباع میں روح شریعت کے زیادہ قریب ہوگا۔ اس پر عمل کو دین سے خروج یا دین پر اضافہ نہیں کہہ سکتے فقہ کی تاریخ میں صحابہؓ کا عمل ملاحظہ فرمایئے۔

بینا انھم کانوا (الصحابۃ) یعملون	ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ اجتہاد و قیاس
فی الفتوی بالرأی ان لم یکن ھناک	سے اس موقعہ پر فتویٰ دیتے تھے جہاں نص
عندھم فی الحادثۃ نصٌ من القرآن	قرآن و سنت ان کو نہ ملے ہاں! وہ عمل طے
والسنۃ والرأی عندھم انما کان للعمل	کرتے تھے جس میں مصلحت ہوتی تھی اور
بما یرونہ مصلحۃ واقرب للروح العام للتشریع	روح شریعت سے جو قریب ترین ہوتی تھی
الاسلامی من غیر نظر الی ان یکون ھناک	اس کا حکم دیتے تھے پھر وہ نہیں دیکھتے تھے

لہ اصول اجتہاد، شرائط اجتہاد، مراتب اجتہاد اور شرائط مجتہد۔

اصل معین للحادثة او لا یکون[1] — کہ قرآن و سنت میں اس کا کوئی حکم ہے یا نہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے اصول فقہ کا متفقہ فیصلہ ہے۔

وجملة القول ان التشریع فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم کان یقوم کما بینا آنفا علی الوحی من الکتاب والسنة وعلی الرأی من النبی صلی الله علیه وسلم ومن اهل النظر والاجتهاد من اصحابه بدون تدقیق فی تحدید الرأی وتفصیل وجوهه وبدون تنازع والاشتقاق بینهم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تشریع کا مدار وحی (کتاب و سنت) پر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں جو اہل نظر و اجتہاد کے قابل تھے ان کی رائے پر مدار تھا رائے کے معنی کی کوئی حد بندی نہ تھی اور نہ رائے کے طریقوں کی تفصیل تھی اور اس بارے میں کوئی اختلاف تک نہ تھا۔

ومضی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وجاء بعده عهد الخلفاء الراشدین من سنة ٦٣٢ الی ٦٦٠ وقد اتفق الصحابة فی هذا العهد علی استعمال القیاس فی الوقائع التی لا نص فیها من غیر نکیر من احد منهم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گزر گیا پھر خلفائے راشدین کا عہد ۶۳۲ء سے ۶۶۰ء تک گزر گیا اور بالاتفاق ان سب زمانوں میں قیاس سے ان تمام مسئلوں میں کام لیا جاتا رہا جن مسئلوں میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت نہ تھی۔

(۱) اجتہاد کیا ہے اسے پہلے معلوم کیجئے۔

علامہ ابو الحسن علی ابن علی بن محمد بن سالم الثعلبیؒ الملقب بسیف الدین الآمدی (المتوفی ۶۳۱ھ) کہتے ہیں۔

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی بشیخ محمد خضری۔

اما الاجتهاد فهو في اللغة عبارة عن استفراغ الوسع في تحقيق امر من الامور مستلزم مكلفة والمشقة ولهذا يقال: اجتهد فلان في حمل حجر البزارة ولا يقال اجتهد فلان في حمل خردلة وفي اصطلاح الاصوليين فمخصوص باستفراغ الوسع في طلب الظن بشيء من الاحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه۔[1]

لغت میں اجتہاد کسی کام میں اتنی طاقت خرچ کرنے کو کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ خرچ کرنا بس میں نہ ہو جس میں انسانی کلفت و مشقت محسوس کرے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ پتھر نیچے والے کی گھڑی اٹھانے میں فلاں نے محنت اٹھائی، نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے رائی کے اٹھانے میں محنت اٹھائی۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے اس نقطۂ نظر کا یہ جلا یا جس نقطۂ نظر کی بنا پر ایک طبقہ کو قیاس و اجتہاد کے نام سے وحشت ہوتی ہے اور آپ نے اجتہاد کے متعلق جو غلط فہمی ہو سکتی تھی اس کا ازالہ ان الفاظ میں کر دیا ہے۔

اعلم ان الاجتهاد ما هو ان تحدث حكما، هذا غلط، انما الاجتهاد الشروع في طلب الدليل من كتاب وسنة او اجماع او فهم عربي الى اثبات حكم في تلك المسئلة بذلك الدليل الذي اجتهدت في تحصيله والعلم به في زعمك هذا هو الاجتهاد۔[2]

تم سمجھتے ہو اجتہاد کیا ہے؟ کیا کوئی نیا حکم ہے؟ یہ غلط ہے اجتہاد کسی واقعہ کی بابت حکم کی جستجو کرنا ہے خواہ اس کی دلیل قرآن میں یا سنت میں یا اجماع میں ہو قرآن و حدیث کے لغت عربیہ کی دلیل بہم پہنچائے تو ہم اس واقعہ کیلئے وہ حکم بیان کر دیں جسے ہم نے اجتہاد کے بعد حاصل کیا ہے! یا ہمیں اپنے خیال میں اس کا علم ہو جائے اجتہاد کی یہی حقیقت ہے۔

---

[1] الاحکام، جز ۱، ص ۱۸۰ [2] فتوحات مکیہ، جز ۳، ص ۳۵۹

(۷) کیا شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔؟

تو عرض ہے اجتہاد کی اجازت قرآن سے بھی ہے قاضی آمدی کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر (۱) والمشاورۃ انما تکون فیما یحکم فیہ بطریق الاجتہاد لا فیما یحکم فیہ بطریق الوحی۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے "معاملات میں مشورہ کرو" تو مشورہ ان ہی معاملات میں ہو سکتا ہے جن میں قرآن کا حکم نہ ہو انسانی معاملات میں کوئی سے ہر شخص رائے دے سکتا ہے جن معاملات میں وحی آ گئی اس میں مشورہ کا کیا موقع ہے!

اور اجتہاد کی دلیلیں حدیثوں سے تو بے شمار ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں سب سے پہلے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات پیش ہیں۔ قاضی آمدی کی الاحکام ہی سے یہ تمام واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

وروی الشعبی انہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی القضیۃ وینزل القرآن بعد ذلک بغیر ما کان قضی بہ فیترک ما قضی بہ ویحکم بغیرہ القرآن ولا یکون الا باجتہاد۔

(۱) امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک فیصلہ فرماتے تھے اور اس کے بعد قرآن کا حکم اس کے خلاف نازل ہوتا تھا آپ اپنا فیصلہ ترک فرما دیتے تھے یقیناً پہلا فیصلہ اجتہاد ہی سے ہوتا ہے۔

وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فی مکۃ لا یختلی خلاھا ولا یعضد شجرھا فقال العباس الا الاذخر فقال علیہ السلام الا الاذخر ومعلوم ان الوحی لم ینزل علیہ فی تلک الحالۃ فکان الاستثناء بالاجتہاد۔

(۲) مکہ کی حرمت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اس کا درخت بھی نہ اکھاڑا جائے حضرت عباس نے درخواست کی کہ اذخر کو مستثنیٰ فرما دیجئے تو آپ نے اسی وقت اذخر کو مستثنیٰ کر دیا تو یہ استثنا اجتہاد ہی سے تھا۔

کیونکہ اس سلسلہ میں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ وحی نازل ہوئی.

وايضاً فقد روي عنه عليه السلام انه قال العلماء ورثة الانبياء وذلك يدل على انه كان متعبداً بالاجتهاد والا لما كان علماء امته ورثة له في شرعه وهو خلاف الخبر[1]

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء پر وحی تو آتی نہیں علماء اجتہاد ہی کے کام میں آپ کے وارث ہو سکتے ہیں.

ومما احتج به وقوع الاجتهاد من النبي صلى الله عليه وسلم انه لما قالت له الجارية الخثعمية وقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابي ادركته فريضة الحج شيخاً زمناً لا يستطيع ان يحج شيخاً زمناً لا يستطيع ان يحج ان حججت عنه اينفعه ذلك؟ فقال لها: ارأيت لو كان على ابيك دين فقضيته اكان ينفعه ذلك؟ قالت نعم قال فدين الله احق بالقضاء ووجه الاحتجاج به انه الحق دين الله تعالى بدين الآدمي في وجوب القضاء ونفعه ونفعه وهو عين القياس

(۴) قبیلہ خثعم کی ایک لڑکی نے دریافت کیا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہو گیا ہے حج نہیں کر سکتا اگر میں اس کی طرف سے حج کر لوں تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا. آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرے باپ پر اگر قرض ہو تو اس کو ادا کرے تو ادا ہو گا کہ نہیں اس نے کہا کہ ضرور ادا ہو جائیگا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض بھی ضرور ادا ہوگا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے قرض کو آدمی کے قرض پر قیاس کیا اور جب آدمی کے قرض پر قیاس کیا جب آدمی کے قرض ادا کرنے میں نیابت جائز و فائدہ مند ہے تو آپ کا قرض اگر نائب ادا کرے گا تو کیا وہ ادائیگی جائز و فائدہ مند نہ ہو گی؟

---

[1] الاحکام، جز ۴، ص ۲۲۲-۲۲۴

وايضاً ماروى عنه عليه السلام انه قال لام سلمةؓ وقد سئلت عن قبلة الصائم هل اخبرته انى اقبل وانا صائم؟ وانما ذكر ذلك تنبيها على قياس غيره عليه۔

(۵) حضور علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ شوہر روزہ میں بیوی کا پیار لے تو روزہ خراب تو نہ ہوگا حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا خراب نہ ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کو بتایا کہ میں روزہ کی حالت میں پیار کرتا ہوں یا نہیں انھوں نے کہا کہ میں نے بتلایا تو آپ کا یہ سوال اس وجہ سے تھا کہ سائل کو قیاس کرنے میں آسانی ہو۔

وايضاً ماروى عنه عليه السلام انه علل كثيرا من الاحكام والتعليل موجب لاتباع العلة اينما كانت وذلك هو نفس القياس۔

(۶) آپ نے بہت سے احکام کے وجوہ و اسباب پر روشنی ڈالی ہے تو علت کی وجہ سے پہلو حکم دوسری جگہ جاری کرنے کا نام قیاس ہے۔

ومن ذالك قوله عليه السلام نهيتكم عن لحوم الاضاحى لاجل الدافة فادخروها۔

(۷) آپ نے خود فرمایا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زاید رکھنے کی ممانعت تو قحط گرانی کی وجہ سے کی تھی اب وہ حالت نہیں ہے اب اجازت ہے کھاؤ اور ذخیرہ بھی کرلو۔

وقوله نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها فانها تذكر بالآخرة۔

(۸) تمہیں قبروں پر جانے سے روک دیا تھا اب اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ آخرت کی زندگی یاد آجائے۔

ومنها قوله لما سئل عن بيع الرطب بالتمر اينقص الرطب اذا يبس؟ قالوا

(۹) تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے پوچھا کہ سوکھنے کے بعد وزن کم ہوجاتا ہے لوگوں نے کہا وزن کم ہوجاتا ہے

نعم: قال فلا اذن۔

توحضرت آپ نے اس تبادلہ کو ناجائز قرار دیا۔

ومنها قوله في حق محرم وقصته به ناقته الا تخمروا راسه ولا تقربوه طيبا فانه يحشر يوم القيامة ملبيا۔

(۱۰) ایک شخص کو احرام کی حالت میں اونٹنی نے گرا دیا تھا آپ نے اس کے کفن کے کپڑوں کو خوشبو دینے سے منع فرمایا، خوشبو اس کے نزدیک کرنے سے بھی روک دیا کہ وہ قیامت کے روز تلبیہ کہتا ہوا اٹھے۔

ومنها قوله في حق شهداء احد زملوهم بكلومهم ودمائهم يحشرون يوم القيامة واوداجهم تشخب دما واللون لون الدم والريح ريح المسك۔

(۱۱) احد کے شہدا کے دفن کے متعلق آپ نے حکم دیا کہ ان کو اپنے زخموں اور خون سمیت کفنی پہنایا جائے کہ قیامت میں جب وہ جمع ہوں تو ان کی رگوں سے جو خون بہے گا اس کا رنگ قدرتی طور پر ضرور خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔

ومنها قوله في الهرة انها ليست بنجسة انها من الطوافين عليكم والطوافات،

(۱۲) بلی کے منہ ڈالے ہوئے پانی کے متعلق فرمایا کہ اس کا جھوٹا ناپاک نہیں وہ تو بکثرت تمہارے پاس آنے والا جانور ہے۔

وقوله اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده في الاناء حتى يغسلها ثلاثة فانه لا يدري اين باتت يده۔

(۱۳) نیند سے جو بیدار ہوئے منع کیا گیا کہ بغیر ہاتھ دھوئے پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ معلوم نہیں کہ رات میں ہاتھ کہاں کہاں رہا۔

وقوله في الصيد فان وقع في الماء فلا تاكل

(۱۴) فرمایا شکار کیا ہوا جانور پانی میں گر کر مر جائے تو اسے نہ کھاؤ ہو سکتا ہے کہ پانی

منه لما الحكم كان على قبله — کہ بھی اس کے تحت میں داخل ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ.

وايضا قوله انما اقضي بينكم بالرأى فيما لم ينزل فيه وحي والرأي انما هو تشبيه شيء بشيء وذلك هو القياس الى غير ذلك من الاخبار المختلف لفظها المتحد معناها التي نزل جملتها منزلة التواتر وان كان كل واحد منها آحاداً[1].

(۵) میں تم لوگوں میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں اور رائے کے معنی یہی ہیں کہ ایک چیز کو دوسرے پر قیاس کیا جائے اور حکم لگایا جائے اس قسم کی متعدد حدیثیں ہیں ان سب کا مطلب ایک ہی ہے اور یہ سب مل کر تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی مثالوں میں ذیل کے واقعات سے اغماض کیجئے یہ خالص حدیث سے اجتہاد کے اجازت کی دلیلیں ہیں۔

واستدل ايضا على وقوع القياس من النبي صلى الله عليه وسلم بما نقل من قوله لرجل سأله حين قال: في بضع احدكم صدقة فقال أيقضي احدنا شهوته ويوجر عليها. فقال أرأيت لو وضعها في حرام أكان عليه وزر. فقال نعم. قال فكذلك اذا وضعها في حلال كان له اجرا.

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنسی جب مباشرت کرتے ہو اس میں ثواب ہے صحابہ نے پوچھا ہم اپنی شہوت کو پورا کریں اور ثواب ملے یہ کیسے ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناجائز جگہ اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس کو گناہ نہ ہوگا۔ صحابہ نے کہا یقیناً گناہ ہوگا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب حلال جگہ اپنی خواہش پوری کرے گا تو یقیناً ثواب ملے گا۔

---

[1] الاحکام الآمدی جز ۴ ص ۴۲-۴۵

وقال لمن انكر ولده الذى
جاءت به امرأته اسود هل
لك من ابل؟ قال نعم،
قال فما الوانها. قال حمر،
قال فهل فيها من اورق؟ اى لونه
كلون الرماد، قال نعم فقال
من اين؟ قال لعله نزعه
عرق. فقال وهذا لعله
نزعه عرق.

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس کی بیوی کے سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا تھا اور اس وجہ سے اس نے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، پوچھا کہ تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں، آپ نے دریافت کیا کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا سرخ رنگ کے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان میں کوئی بھورے رنگ کا بھی ہے جس کا رنگ بالکل راکھ کے رنگ کا سا ہو؟ اعرابی نے جواب دیا کہ ہے تو آپ نے دریافت کیا کہ سرخ اونٹوں میں بھورا رنگ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا شاید کسی رگ نے اس رنگ کو کھینچ لیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے بچے میں بھی کسی رگ نے اس کا رنگ کھینچ لیا ہوگا۔

وقال لعمر وقد قبل امرأته
وهو صائم ارأيت لو تمضمضت
بماء.

(۱۸) حضرت عمرؓ نے بیوی کا بوسہ روزہ میں لے لیا۔ اور آپ گھبرائے کہ شاید روزہ جاتا رہا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم کلی کر دو تو۔ روزہ میں پانی پینے سے روزہ نہیں جاتا اسی طرح اگر کسی عضو کا حصہ منہ میں لیا جائے تو اس سے بھی روزہ نہ جائے گا۔ گو خاتمہ بخش ولذت وہ کیوں نہ ہو

وقال يحرم من الرضاع ما يحرم
من النسب، وهذه الاحاديث
ثابتة فى دواوين الاسلام وقد
وقع منه صلى الله عليه وسلم قياسات

(۱۹) دودھ سے وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں یہ سب حدیثیں اسلام کے دفتر میں ثابت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے قیاس ثابت ہیں الناسخ المبلی

كثير حتى صنف الناصح الحنبلي   نے آپ کے قیاسات کو ایک جزء میں جمع
جزأ في اقيسته[1]   کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہؓ نے جو اجتہاد کیا اس میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے وہ واقعات جن میں وحی ان کی رائے کے مطابق نازل ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حضرت عمرؓ کی رائے سن کر یہ نہیں فرمایا کہ نبی کے موجود ہوتے ہوئے تمہارا اجتہاد غلط عمل ہے یا تم وحی الٰہی کے منتظر رہو۔ ہاں بعض موقعوں پر اپنے اجتہاد کو ترجیح دے کر اس پر عمل فرمایا یہ بالکل صحیح تھا کیونکہ ہر مجتہد اجتہاد کے فیصلہ پر عمل کرنے کا مکلف ہے لیکن وحی الٰہی کا ان کے اجتہاد کے مطابق نازل ہونا اس کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ عمل (اجتہاد) بالکل حق و صحیح عمل، تھا

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہؓ کو احزاب میں بنو قریظہ روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پڑھنا۔

وقد اجتهد الصحابة في زمن النبي صلى الله عليه وسلم في كثير من الاحكام ولم يعنفهم كما امرهم يوم الاحزاب أن يصلوا العصر في بني قريظة فاجتهد بعضهم فصلوها في الطريق وقال لم يرد منا التأخير وانما اراد سرعة النهوض فنظروا الى المعنى واجتهد آخرون	صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے احکام میں اجتہاد فرمایا جیسے کہ یوم احزاب کے موقعہ پر فرمایا کہ جاؤ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنا بعض صحابہؓ نے غور و فکر سے معنی کا لحاظ کر کے کہ حکم کا مقصد جلد پہنچنا ہے نماز راستہ میں پڑھ لی اور بعض صحابہؓ نے الفاظ کے ظاہر پر عمل فرمایا۔ اور بنی قریظہ میں پہنچ کر رات کو نماز عصر پڑھی یہی حضرات اہل ظاہر میں ہیں اور وہ

---

[1] علامہ شوکانی۔ ارشاد الفحول، ص ۲۷۸۔ ۲۷۹۔

واخترو ھا الی ابن عمر فغلبۃ فصلتوھا حضرت اصحاب المعنی والقیاس ہیں۔
لیلأ تنظروا الی اللفظ وھو آخذ بہ اہل الظاہر واولٰئک سلف اصحاب المعنی والقیاس۔

نصب الرایہ میں علامہ زیلعیؒ نے قیاس و اجتہاد کے متعلق روایتیں بڑی کثرت سے جمع کردی ہیں ان میں سب سے زیادہ مفصل حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث[۱] ہے۔

---

[۱] حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس حدیث پر کچھ گفتگو کی جاتی ہے مگر اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جس سے اس حدیث کا قابل حجت ہونا ذرا بھی مخدوش ثابت کیا جاسکے۔ اس پوری گفتگو کے حصے علیحدہ علیحدہ ہم بیان کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ جواب بھی ملاحظہ ہو۔

اس روایت میں الحارث ابن عمرو الثقفی نے حضرت معاذؓ کے خصوصی دوستوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذؓ کی گفتگو نقل کی ہے الحارث ابن عمرو نے ان اصحاب معاذؓ کا نام نہیں بتلایا تو اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس روایت کا راوی مجہول ہے اور مجہول کی روایت قابل حجت نہیں اس اعتراض کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔

راوی مجہول وہ راوی ہے جو اپنے استاد کا تعارف نہ کرائے جس طرح تعارف استاد کا نام لے دینے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ بہتر تعارف کا طریقہ یہ ہے کہ روایت کے حجت قرار پانے میں راوی کے جن اوصاف کو دخل ہے استاد کے ان اوصاف کا ذکر کر دیا جائے جیسا کہ اس روایت میں حارث بن عمرو الثقفی نے کیا۔ من رجال من اصحاب معاذ بن جبل من اہل حمص۔ روایت کرنے والے ملک شام کے شہر حمص کے رہنے والے ہیں (۲) حضرت معاذ سے خصوصیت رکھتے ہیں (۳) تعداد میں زیادہ ہیں۔ تعارف کی یہ تمام باتیں محض استاد کے نام لے دینے سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ حضرت معاذؓ متقی ہیں بھی صحابہ کی جماعت میں شہرت رکھتے تھے۔ اور علم کے ذریعہ فیض رسانی بھی وہ اپنی زندگی کے آخر وقت تک کرتے رہے۔ ایسی حالت میں ان سے خصوصیت رکھنے والے اہل علم و متقی حضرات ہی ہوسکتے ہیں صرف ایک[۲]

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قد اخرج ابو داؤد والترمذی والدارمی عن معاذ بن جبلؓ بالفاظ مختلفة انه لما بعثه النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن قال له النبی علیه السلام کیف تقضی؟ قال اقضی بما فی کتاب اللہ قال فان لم یکن فی کتاب اللہ قال فبسنة رسول اللہ قال فان لم یکن فی سنة رسول اللہ قال اجتهد رائی ولا آلو فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضاہ رسول اللہ۔ (رواہ ابوداؤد باب اجتہاد الرای فی القضاء کتاب القضاء)

ابو داؤد، ترمذی اور دارمیؒ نے معاذ بن جبلؓ سے یہ روایت مختلف الفاظ میں بیان کی ہے کہ حضور نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کروں گا فرمایا اس میں نہ ملے تو فرمایا سنت رسول اللہ میں فرمایا اگر یہ بھی نہ ملے تو کہنے لگے پھر اپنی رائے سے عمل کروں گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) راویوں کے نام لینے سے جو تقاضت ہوتا اور اس سے روایت کی جو جہالت ہوتی جس سے روایت قابل حجت نہ تھی۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر اس طریقہ روایت سے جو تعارف ہوا ہے وہ ثقہ راوی کے محض نام لے دینے کے تعارف سے بہت بڑھ کر ہے۔

ہاں اگر کوئی راوی صرف حدثنی رجل یا حدثنی فلاں کہدے تو ایسی روایت ضرور مجہول ہوگی امام مالکؒ نے قسامۃ کی روایت میں کہا اخبرنی رجال من کبراء قومہ تو اس روایت کی سند کو مجہول نہیں کہا جاتا۔ اس طریقہ سے امام بخاریؒ نے عروۃ البارقی کی حدیث میں سمعت الحی یحدثون عن عروۃ کہا تو کسی محدث نے بھی اس روایت کو مجہول نہیں قرار دیا، پھر کس طریقے سے عن رجال من اصحاب معاذ من اہل حمص کہنے سے روایت کو مجہول کہا جا سکتا ہے! صحیح بخاری میں امام زہریؒ نے "وصلی علی جنازۃ فلہ قیراط" والی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے حدثنا ابا ہریرۃ یقول من تبع جنازۃ کہہ کر نقل کی ہے اور اس روایت میں من اصحاب معاذؓ

(۳) دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کا اجتہاد کے معاملہ میں کیا مسلک رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جہاں اجتہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہہ کر ان کے علم و تقویٰ کی طرف اشارہ کیا گیا بلکہ "من اہل حمص" کہہ کر مزید تعارف کرایا گیا۔ تو اس طریقے سے تو یہ روایت مجہول نہیں قرار پا سکتی بلکہ معروف تر روایت قرار دی جا سکتی ہے چنانچہ ابوبکر ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذیؒ (شرح ترمذی) میں لکھتے ہیں۔

وانما یدخل فی المجهول اذا کان واحدا او لا یکون الرجل صاحبا حتی یکون له به اختصاص فکیف وقد زید تعریفا بهم ان اضیفوا الی بلد۔

علامہ ابوبکر رازیؒ نے اصول فقہ میں لکھا ہے۔

فان قیل انما رواہ عن قوم مجهولین من اصحاب معاذ قیل له لا یضرہ ذلك لان اضافة ذلك الی رجال من اصحاب معاذ توجب تاکید ما ذکر لانهم لا ینسبون الیه بانهم من اصحابه الا وهم ثقات مقبول الروایة، من جهة اخری ان هذا الخبر قد تلقاه الناس بالقبول واستفاض واشتهر عندهم من غیر نکیر من احد منهم علی روایة ولا رد له۔

ابن قدامہ محدث حنبلیؒ لکھتے ہیں:-

انه حدیث مشهور فی کتب اهل العلم رواه   اہل علم میں یہ حدیث مشہور ہے۔
سعید بن منصور والامام احمد وغیرهما وتلقاه العلماء بالقبول وجاء من اصحابه ما یوافقه (المغنی کتاب القضاء ج ۱۱ ص ۳۹۱)

خطیب بغدادی اپنی کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں لکھتے ہیں۔

وقول الحارث بن عمرو (عن الناس من اصحاب معاذؓ) یدل علی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا اس کی چند مثالیں آپ کی نظروں سے گذریں ۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ۔ مشورہ کے بعد آپؐ نے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) : شہرۃ الحدیث وکثرۃ رواتہ وقد عرف فضل معاذؓ وزھدہ والظاھر من حال اصحابہ الدین والثقۃ والزھد والصلاح۔

حارث بن عمرو کا من رجال من اصحاب معاذؓ بغیر کسی کا نام لئے ہوئے کہدینا اس وجہ سے ہے کہ یہ حدیث بہت مشہور ہے ۔ یہاں تک کہ امت نے اس کی تلقی بالقبول کر لی ہے چنانچہ علامہ ابوبکر ابن العربیؒ لکھتے ہیں ۔

اختلف الناس فی ھذا الحدیث	اس حدیث میں اختلاف ہے بعض اصولیوں
فمنھم من قال انہ لا یصح ھل	اور یہ اس کو صحیح نہیں کہتے بعض محدثین نے
مصطلحھم ومنھم من قال	صحیح کہا ہے اور یا ظاہر یہ فیصلہ ہے کہ
ھو صحیح ، والذی ادین بہ القول	یہ حدیث صحیح ہے ۔ یہ مشہور حدیث ہے ۔

بصحۃ فانہ حدیث مشھور یرویہ شعبۃ بن الحجاج رواہ عنہ جماعۃ من الفقھاء والائمۃ ۔

(اور شعبہ جس حدیث کو روایت کر دیں وہ تنقید سے بالا ہو جاتی ہے) اور شعبہ سے اس حدیث کو فقہا اور آئمہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ۔

ابن خزیمہ اپنی تاریخ میں ۔ امام بخاریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ علی بن الجعد کی روایت میں شعبہ کے یہ الفاظ ہیں ۔

سمعت الحارث بن عمرو ابن اخی المغیرۃ بن شعبۃ یحدث عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن معاذ بن جبلؓ

(مقالات الکوثری من تاریخ ابن ابی خیثمہ جامع بیان العلم از علامہ ابن عبدالبر ، ج ۲ ص ۵۰

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اجتہاد ہی سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اور عقبہ بن عامر الجہنیؓ کا واقعہ ہے کہ جس میں آپ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم فلاں، مقدمہ میں فیصلہ کرو۔ اگر تم نے صحیح فیصلہ کیا تو دس گنا ثواب ملے گا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

حضرت معاذؓ کے علم و تقدس کی شہرت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ نے بھی ان سے فیض اٹھایا۔ اصحاب معاذؓ سے اگر تابعین ہی مراد ہوں تو جب تک ان تابعین پر کوئی اعتراض ثابت نہ ہو وہ خود حجت ہیں اور اگر وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ان کا حجت ہونا اور زیادہ یقینی ہے۔ اسی طرح "الفقیہ والمتفقہ" میں خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ عبادہ بن نسیؓ نے اس کو عبدالرحمٰن ابن غنمؓ سے اور انہوں نے حضرت معاذؓ سے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

وهذا اسناد ورجاله معروفون	یہ متصل سند ہے اس کے راوی قابل اعتماد
بالثقة على ان اهل العلم قد	و ثقہ سے بالا ہے اہل علم نے اس کو قبول
تقبلوه واحتجوا به فوقفنا	کر لیا ہے اور اسے قابل حجت قرار دیا ہے
بذلك صحته عندهم۔	اس سے ہم اس کی صحت سے باخبر ہوئے۔

یہ سند علامہ شمس الحق صاحب نے عون المعبود میں ذکر کی ہے عبدالرحمٰن بن غنم کے متعلق مزی کا بیان ہے۔ ھو ثقہ یسالہ ادرک الاسلام لا؟

عبدالرحمٰن بن غنم زیادہ عمر کے ہیں اس بات کا کچھ پتہ نہ چلا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا یا نہیں، امام احمد فرماتے ہیں ادرک ولم یسمع ابو حاتمؒ کہتے ہیں جاهلی لیست له صحبة ابو عبد البرؒ بھی کہتے ہیں کان فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یره ابن سعد ان کو رؤس التابعین میں شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے بہت سے صحابہؓ سے روایت کی ہے۔ ابو الدرداءؓ سے بھی روایت ہے حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ وہ حضرت معاذؓ کے ساتھ ان کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر تم دونوں نے غلطی کی پھر بھی اجتہاد کا اجر ملے گا۔ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ، انتقال کے وقت تک سے تو اب ان دونوں طریقوں سے یہ حدیث مرفوع و متصل صحیح ہوگئی اور حدیث کے ثبوت ہونے کے لئے یہی شرطیں ہیں اب اس حدیث کے انقطاع کے اعتراض کے جواب کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی اس حدیث پہ یہ دوسرا اعتراض تمادہ بھی رد ہوگیا۔

(۲): اس حدیث پہ دوسرا اعتراض الحارث بن عمرو الثقفیؒ کے مجہول ہونے کے مفروضہ پہ ہے حالانکہ وہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مجہول نہیں کیونکہ شعبہ بن الحجاج کہتے ہیں کہ وہ المغیرہ ابن شعبہ کے بھتیجے ہیں وہ تو نہ اپنی شخصیت سے مجہول ہیں اور نہ راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے مجہول ہیں کیونکہ وہ ابو عون الثقفی (المتوفی ۱۱۶ھ) کے استاد ہیں۔ اس لئے وہ یقیناً کبار تابعین میں سے تھے۔ جس طرح صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں اسی طرح کبار تابعین کے متعلق محققین کا فیصلہ ہے کہ جب تک ان پر کوئی مؤثر جرح نہ ہو وہ مقبول الروایت ہوں گے جب تک تابعین پہ جرح مؤثر نہ ہو ان کی بھی روایتیں مقبول ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم سے تابعین بھی مشہود لھم بالخیر ثابت ہوئے ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے عقیلی ابو العرب ابن الجارود ان کو مجہول کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توثیق کا انھیں علم نہیں ہوا حالانکہ کبار تابعین کے لئے بالکل اس کی ضرورت نہیں خود ان کے طبقہ کے لوگ ان کی توثیق کریں ان کی روایت کے قبول کرنے اور ان کو عادل ثقہ بنانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے محدثین میں سے کسی نے ان پر مؤثر جرح نہ کی ہو اور الحارث ابن عمروؒ پر کوئی جرح ہی نہیں کی گئی۔ بخاریؒ کے بعد سے راوی ہیں کہ صراحتاً ان کی توثیق کسی سے نقل نہیں کی گئی لیکن چونکہ ان پر جرح بھی کسی سے نقل نہیں کی گئی اس لئے ان کو مقبول الروایت مانا جاتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اس بات کی جگہ جگہ تصریح کی ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وسن الرسول الولاة في الامصار ان
يجتهدوا برأيهم حين لا يجدون
نصاً وحكماً في القرآن نفسه باحكام
كلف بها المسلمون على ان يكون
سبيلهم في طلبها الاسترشاد بالعقل
كما في مسألة التوجه الى القبلة للبعيد عن الكعبة (جامع بیان العلم وفضلہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ولاۃ کو ہدایت فرمائی
تھی کہ اگر وہ کسی مسئلہ میں نص نہ پائیں تو اپنی رائے سے
عمل کریں قرآن میں نفس مسائل ہی بیان ہوتے ہیں
ان پر عمل نور عقل کی روشنی میں ہوگا جیسے تحری
الی القبلہ کا مسئلہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) (۳) تیسرا اعتراض اس حدیث پر یہ ہے کہ ابو عون محمد بن عبید اللہ الثقفی اکیلے اس کو الحارث ابن عمرو الثقفیؒ سے روایت کرتے ہیں کوئی دوسرا ان کا ہم نوا نہیں ہے۔ اس پر اصولی گفتگو تو یہ ہے کہ روایت میں غیر مجروح راوی کا منفرد ہونا اس حدیث کو مردود نہیں کرتا بغرض کا وجہ سے روایت کا مردود ہونا اہل سنت کا مذہب ہے اور نہ اہل حق کا اصول۔

ابو عون محمد ابن عبید اللہ الثقفیؒ کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ وہ صحیحین کے راوی ہیں ان کے شاگردوں میں اعمشؒ، امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، ابو اسحاق شیبانیؒ، مسعرؒ، شعبہؒ وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے بڑے لوگ ہیں اور ابو عونؒ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں ابو اسحاق الشیبانیؒ بھی ہیں (ملاحظہ ہو سنن ابو داؤد کتاب القضاء) ابو اسحاقؒ سے روایت کرنے والے ابو معاویۃ الضریرؒ بھی ہیں اور ان سے روایت کرنے والے سعید ابن منصورؒ اور ابن ابی شیبہؒ ہیں۔

ابو عونؒ سے اس کو روایت کرنے والے شعبہ ابن حجاج بھی ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ ابن ابی خیثمہ) شعبہ ابن حجاجؒ کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ وہ روایت میں بہت محتاط ہیں۔ اور جو راوی ان کے سلسلۂ روایت میں آجائے وہ یقیناً ثقہ ہے وہ مجہول نہیں ہو سکتا۔ شعبہ سے اس روایت کے راوی بڑے بڑے محدثین ہیں (۱) یحییٰ بن سعید القطانؒ (۲) عثمان ابن عمرو العبدیؒ (۳) محمد ابن جعفرؒ (۴) عبد الرحمٰن ابن مہدیؒ (۵) عبد اللہ ابن مبارک (۶) علی ابن الجعدؒ، ابو داؤدؒ (ملاحظہ ہو علی ابن جعدؒ کی روایت تاریخ ابن ابی خیثمہ میں ہے شعبہؒ کا ابو عون الحارث بن عمر الثقفیؒ سے روایت کر لینا دونوں کی روایت کو تمام اعتراضات سے پاک بنا دیتا ہے۔ ۱۰

(اقتباس از مقالات کوثری ذیل الغرقدین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، رحمۃ اللہ باختلاف یسیر)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے چند واقعات درج کئے گئے بعض علماء نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی اعلام الموقعین میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔ اب چند بڑے بڑے صحابہؓ کے واقعات لکھ کر بیان ختم کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اجتہاد کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

(۱) جس قبیلہ نے عہد صدیقی میں زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا اس سے جہاد کا فیصلہ آپ نے اپنے اجتہاد سے فرمایا تھا۔ اور جس قبیلہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ زکوٰۃ نہ ہم امیر المومنین کو خود لا کر دیں گے اور نہ ان کے مقرر کردہ عامل کو دیں گے بلکہ اپنے صواب دید سے خود خرچ کریں گے تو آپ نے اپنے اجتہاد سے ان سے بھی جہاد کا حکم دیا۔ گو اس معاملہ پر جب گفتگو ہوئی تو شروع میں صحابہؓ نے آپ سے اختلاف کیا۔ خود حضرت عمرؓ نے کہا کیف نقاتل من قال لا الٰہ الا اللہ بعد میں تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس اجتہاد کو تسلیم کر لیا۔

(۲) اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو بنایا اور آپ نے لوگوں سے حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا عہد لیا۔ اسے سب نے تسلیم کیا۔

(۳) آپ نے اپنے اجتہاد سے دادی کا حصہ چھٹا حصہ مقرر فرمایا اور صحابہؓ نے اسے تسلیم کیا۔

یہ تین واقعات ہیں جو خلیفہ اوّل کے بیان کر دیئے گئے یوں بھی آپ کا یہ دستور العمل تھا۔

کان ابوبکرؓ اذا سئل عن شیئ اوجاءہ خصم فی قضیۃ من — حضرت ابوبکرؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا یا کوئی مدعی یا مدعی علیہ کسی معاملہ میں

القضايا نظروا اولاً الى القرآن فان وجد فيه حكم الواقعة المطلوب معرفة حكم الله فيها قضى به فان لم يجد لجأ الى ما يعرفه من احاديث الرسول فان وجد طلبه قضى به فان لم يجد ما يريد به فاذا اعياه ذلك في السنة لجأ الى الصحابة فلو وجد عند احد منهم في ذلك شيئاً عن الرسول قضى به وحمد الله ... وان لم يجد الا جمع من يرى من خيار الناس واهل الرأي والعلم فاستشارهم ثم يقضي بما يجتمعون عليه[1]

ان کے پاس آتا تو سب سے پہلے قرآن میں غور کرتے اگر قرآن میں اللہ کا حکم اس واقعہ کے سلسلہ میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ اگر قرآن میں نہ پاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ (حدیث) تلاش کرتے یعنی آپ کے فیصلے دیکھتے۔ اگر ان کا مقصد قرآن یا حدیث میں نہ ملتا تو اہل علم اور صاحب فکر لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے جس بات پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے۔

الغرض جن مسائل میں قرآن و حدیث کا حکم نہ ملتا تو آپ ایسی تمام صورتوں میں اجتہاد فرماتے تھے اس کا خصوصیت سے علامہ ابن قیمؒ یوں ذکر کرتے ہیں۔

ان ابا بكر نزلت به قضية فلم يجد في كتاب الله منها اصلاً ولا في السنة ثم اجتهد برأيه ثم قال هذا رأيي فان يكن صواباً فمن الله وان يكن خطأ فمني واستغفر الله[2]

کہ حضرت ابوبکرؓ کو ایک قضیہ پیش آیا جس کی اصل انہیں قرآن اور سنت رسولؐ میں نہ ملی تب انہوں نے اجتہاد سے کام لیا پھر فرمایا یہ میری رائے ہے اگر ٹھیک ہے تو یہ جانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میری خطا اجتہادی ہے۔ (پناہ بجلا)

---

[1] المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی۔ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ ص۲

[2] اعلام الموقعین جز ۱ ص ۱۹

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں صحابہؓ نے اجتہاد کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قبول فرمایا۔ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) خلیفہ بنانے میں تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس لیے مقدم رکھا کہ دین کے سب سے بڑے کام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو مقدم رکھا تھا، یعنی مقرر فرمایا تھا صحابہؓ نے نماز کی امامت کو امامت کبریٰ کی قیاس بنیاد بنایا۔

(۲) مصحف کی شکل میں پورا قرآن لکھنے و جمع کرنے کا حکم قرآن و سنت نہ تھا صحابہؓ نے اجتہاد ہی سے کام لے کر اس کام کو انجام دیا اور صحابہؓ نے اجتہاد ہی سے طے کیا کہ قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب بھی ایک ہو اور قراءت بھی ایک ہو۔

یہ مثالیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اجتہاد کی ہیں اور اس کے ساتھ ہی تمام صحابہؓ کے اجتہاد کی بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے واقعات تو معلوم ہی ہیں بلکہ یہ وصف تو آپ میں اور بھی بڑھا ہوا تھا۔ مدخل میں ہے:

کان عمر یجمع الصحابة فی استعمال الرأی واشترھم وسعادته — حضرت عمرؓ نے صحابہ کو اپنی رائے سے عمل کرنے کی عادت ڈالی ہوئی تھی۔

وذلك بفضل ما اوتی من نفاذ البصیرة

ودرجات العقل وجودة الرأی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہاد کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) آپ نے شراب فروش کی دوکان ہی جلا ڈالی۔

(۲) آپ نے اس لبستی کو آگ لگادی جس میں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

(۳) حضرت سعد بن وقاصؓ نے اپنے محل پر محافظ رکھا تو آپ نے اس میں آگ لگانے کا حکم دیا۔ محمد بن مسلمہؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ تم جاؤ اور سعد کے محل کو آگ لگا کر سیدھے میرے پاس آجاؤ اور کسی سے کچھ بات نہ کرو۔ محمد بن مسلمہؓ کوفہ آئے ایک تیلی سے لکڑی کا گٹھا خریدا اور اسے اٹھوا کر حضرت سعدؓ کے محل پر پہنچے۔ گٹھا

وہاں ڈال کر اس میں آگ لگوا دی۔ حضرت سعدؓ آئے اور پوچھا یہ کیا کر رہے ہو! انھوں نے جواب میں فرمایا امیر المومنینؓ نے یہ خدمت میرے سپرد کی تھی۔ حضرت سعدؓ نے کچھ نہ کہا بلکہ ان کے لئے کچھ خرچ پیش کیا محمد بن مسلمہؓ نے وہ بھی قبول نہ کیا اور جب حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ خرچ تم نے کیوں نہ لیا تو فرمایا کہ آپ کی اجازت درکار تھی۔

(۴) نصر بن حجاج نے جب اپنے قصیدہ میں عورتوں کی رغبت پیدا کرنے والی باتوں کا تذکرہ کیا (عربی ادب میں اس کا نام تشبیب ہے) تو اس کا سر منڈوا کر اسے مدینہ سے نکلوا دیا۔

(۵) صبیغ بن عسیل نے جب غیر ضروری عقیدوں سے متعلق سوالات کئے اس کے دماغ پر ضرب لگائی کیونکہ وہ سوالات اس کے دماغ ہی کی پیداوار تھے۔

(۶) تحصیلداروں سے ان کی نصف آمدنی بحق سرکار بطور جرمانہ وصول کی کیونکہ ان کے عہدے کے دباؤ کی وجہ سے انہیں وہ آمدنی حاصل ہوئی۔

(۷) ایک آدمی کو سات آدمیوں نے مل کر قتل کیا تو حضرت عمرؓ پر ایک آدمی کے بدلے سات آدمیوں کا قتل بڑا گراں گزرا، تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ ایک شخص کے مال چرانے میں اگر سات آدمی شریک ہوئے ہوں تو ان سات کے ہاتھ کاٹیں گے کہ نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ضرور کاٹوں گا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب ایک آدمی کے قتل میں سات آدمی شریک ہوئے ہوں تو وہ سات کے سات قصاص سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان ساتوں آدمیوں کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ اپنے اجتہاد سے کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے ان کے اجتہاد کو تسلیم کیا۔

(۸) نذاذ شعر بتر عن الزنادقة   حضرت علیؓ کے اجتہاد کی ایک مثال یہ ہے کہ لوگ

الرافضة وهو بخلاف سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في قتل الكافر، لكن لما رأى امرا عظيما جعل عقوبته من اعظم العقوبات ليزجر الناس من مثله ولذلك قال، لما رأيت الأمر امرا منكرا أججت ناري ودعوت قنبرا۔

فیصلہ تھا کہ رافضیوں میں سے جو زندیق ہیں ان کو جلا دیا جائے حالانکہ وہ خوب واقف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافر محارب کے صرف قتل پر اکتفا فرماتے تھے مگر جب رافضی آپ کے الوہیت کا پرچار کرنے لگے تو عبرت کے لئے آپ نے اس سزا کو اپنے اجتہاد سے تجویز کیا جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ جب معاملہ کو میں نے واقعتہً بہت بڑا پایا تو میں نے آگ سلگائی اور قنبر کو بلایا۔

حضرت علی نے تہمت لگانے والوں کی سزا پر قیاس کر کے نشہ پینے والوں کی سزا اسی کوڑے اجتہاد سے مقرر کی۔

ہر ایسی جگہ جہاں قرآن و سنت کا حکم نہ ہو وہاں قیاس و اجتہاد کرنے کا حکم حضرت علیؓ نے دیا۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ بھی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی طرح قرآن و سنت کا حکم نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد فرماتے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے بیماری و تکلیف کی وجہ سے جو شخص مکہ تک نہ جا سکے اسے وہی حکم دیا جو دشمن کے سد راہ ہونے کا حکم ہے۔

قال محمد بلغنا عن عبد الله بن مسعودؓ انه جعل المحصور بالحج

کہا محمدؒ نے ہم کو پہنچا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے تھے جو مرض سے روکا جائے اس کا وہی

لہ ملاحظہ ہو عون المعبود شرح ابوداؤد۔ باب اجتہاد الرائی فی القضاء جزو ۳۔ ص ۳۳

على المحصور بالعدو فسئل عن رجل اعتمر فنهشته حية فلم يستطع المضي فقال ابن مسعودؓ ليبعث بهدي وليواعد اصحابه يوماً من الايام فاذا نحروه فليحل وكانت عليه عمرة مكان عمرته۔

حکم ہے جو کہ دشمن کے سد راہ ہونے کا ہے پھر ایک شخص کے متعلق آپ سے پوچھا گیا کہ جس کو سانپ نے کاٹا تھا اور وہ مکہ جانے کے قابل نہ رہا۔ آپ نے فرمایا ہدی روانہ کردے اور ساتھیوں سے دن مقرر کرلے جب وہ ہدی اس کی نحر کرلیں وہ حلال ہوجائے اور وہ اپنے عمرہ کے عوض میں پھر عمرہ کرے۔

گویا آپ نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ دشمن ہی سد راہ ہو بلکہ جو بھی مجبوری پیش آجائے کہ جس کی وجہ سے عمرہ یا حج کے ارکان ادا کرنے کی قدرت نہ رہے تو یہی کیا جائے گا یہاں آپ نے دو اصول مقرر کئے۔ (۱) کسی خاص موقع پر کوئی ہدایت ہو تو یہ ہدایت اسی خاص موقع پر محدود نہ رہے گی (۲) علت کا اتحاد حکم کے اتحاد پر مؤثر ہوگا۔

جس طریقے سے حضرت عمرؓ نے اجتہاد کے اصول اپنے امراء کو لکھ کر بھیجے آپ نے بھی اجتہاد کے اصول اپنے شاگردوں کو بتلائے یہ بالکل وہی اصول ہیں جو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عمل کے متعلق مؤرخین اور علماء نے لکھا ہے۔

عن عبد الرحمن بن يزيد قال اكثروا على عبد الله ذات يوم فقال عبد الله انه قد اتى علينا زمان ولسنا نقضي

عبدالرحمن بن یزیدؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے بہت باتیں کیں انھوں نے کہا[2] ایک ایسا زمانہ تھا کہ ہم کوئی

---

[1] مؤطا امام محمد ص ۲۰۳ باب المحصر [2] غالب خیال یہ ہے کہ یہ بات آپ نے کوفہ میں اس وقت فرمائی جبکہ آپ کوفہ کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے کیونکہ مدینہ میں جس طرح دوسرے صحابہؓ قضا کا کام انجام دیتے تھے آپ بھی مقدمات سن کر ان کا فیصلہ کرتے تھے مگر آپ اکیلے اس کام کے ذمہ دار نہ تھے مگر کوفہ میں یہ کام آپ کے خصوصی فرائض میں داخل تھا۔

ولسنا هنالك ثم ان الله عزوجل
قدر علینا ان بلغنا ما ترون فمن
عرض له منکم قضاء بعد الیوم
فلیقض بما فی کتاب الله فان
جاءه امر لیس فی کتاب الله
فلیقض بما قضی به نبیه
صلی الله علیه وسلم فان جاءه
امر لیس فی کتاب الله ولا قضی
نبیه صلی الله علیه وسلم
فلیقض بما قضی به الصالحون
فان جاءه امر لیس فی کتاب الله
ولا قضی به نبیه صلی الله علیه
وسلم ولا قضی به الصالحون
فلیجتهد رأیه ولا یقول انی
اخاف انی اخاف فان الحلال
بیّن والحرام بیّن وبین
ذلک مشتبهات فدع ما
یریبک الی ما لا یریبک[1]

حکم نہیں کرتے تھے نہ حکم کرنے کے لائق تھے۔
پھر اللہ جل جلالہ نے جو ہماری قسمت میں لکھا تھا
ہم اس مرتبہ کو پہنچے جس کو تم دیکھتے ہو اب آج کے
بعد سے جس شخص کو تم میں سے فیصلہ کرنے کا موقع
پڑے اسے چاہیے کہ حکم دیوے اللہ کی کتاب کے مطابق
اگر وہ امر اللہ کی کتاب میں نہ ملے تو حکم دیوے
اس کے پیغمبر کے فیصلوں کے مطابق اگر وہ امر اللہ
کی کتاب میں بھی نہ ہو اور اس کے پیغمبر کے فیصلو
میں بھی نہ ہو تو حکم دیوے نیک بخت لوگوں کے
فیصلہ کے مطابق (یعنی خلفائے راشدینؓ اور صحابہ
کرام کے موافق) اگر معاملہ ایسا ہو جو نہ اللہ کی کتاب
میں ملے نہ اس کے رسول کے حکموں میں اور نہ نیک
لوگوں کے فیصلوں میں تو اپنی عقل سے کام لے
اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں میں ڈرتا ہوں
اس لیے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام
کھلا ہوا ہے دونوں اللہ کی کتاب اور اس کے
رسول کی حدیث سے معلوم ہو سکتے ہیں البتہ
ان دونوں کے بیچ میں بعض امر ہیں جن میں شبہ
ہے نہ ان کو حلال کہہ سکتے ہیں نہ حرام، تو چھوڑ دے اس کام کو جو شک میں ڈالے تجھ کو اور کرو
کام جس میں شک نہ ہو۔ امام نسائیؒ نے کہا یہ حدیث جید ہے یعنی صحیح ہے۔

---

[1] امام النسائی۔ کتاب القضاء ص ۵۷۱

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ اجتہاد سے جی نہ چرائے بلکہ اصول پیش نظر رکھ کر اجتہاد ضرور کرے۔

مسند احمد بن حنبلؒ میں آپ کا ایک اور اصول بھی روایت کیا گیا ہے جو نسائی کی اس روایت ہی کی دوسری شکل ہے دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوه سيئا فهو عند الله سيئ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا حضرت عمرؓ کی تعظیم میں شغف بے حد بڑھا ہوا تھا اسلئے کثرت سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں چنانچہ اعلام الموقعین میں ہے۔

هو اشهر من سار على طريقة عمرؓ عبد الله بن مسعودؓ

اس میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی رائے کی بہت پیروی کرتے تھے لیکن ضرورت کے وقت اختلاف بھی فرماتے تھے۔ علماء میں آپ کی رائے زیادہ پسندیدہ سمجھی جاتی۔ علامہ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

عن ابراهيم انه كان لا يعدل	ابراہیم نخعی حضرت عمرؓ و حضرت عبداللہؓ کے متفقہ
بقول عمرؓ و عبد الله اذا اجتمعا	قول ہی کو پسند کرتے تھے ہاں اگر دونوں میں
واذا اختلفا كان قول عبد الله	اختلاف ہوتا تو حضرت عبداللہؓ کے فتوے
اعجب له لانه كان	کی طرف مائل ہوتے کیونکہ حضرت عبداللہؓ بہت
الطف۔	پسند تھے۔

جن مسائل کا حکم نہ ملے وہاں ان میں قیاس و اجتہاد چاروں فقہا ائمہ کا متفقہ عمل درآمد رہا ہے اور ہر فقہی مسلک کے علماء بے تکلف اس کو مانتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ علامہ شاطبی مالکیؒ فرماتے ہیں۔

---

۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ نے متعدد مسائل میں جس طرح اجتہاد سے کام لیا تھا اسی طرح کوفہ میں ان ہی لوگوں کی راہ آپ نے اختیار کی سیدنا عمرؓ کے زمانے میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولا یمکن ان ینقطع (الاجتہاد) یہ کبھی نہیں کہ اجتہاد بند ہو گی الا یہ جب ہی
حتیٰ ینقطع التکلیف وذا لک عند ہو گا کہ عذر دین باقی نہ رہیں۔
قیام الساعۃ[1]

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) جب ملکوں کی فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا اور مختلف مذاہب کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی عادات و اطوار ملک کے آئین و قانون اور رسم و رواج کی بہت سی باتیں ان نومسلموں میں باقی رہیں، مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی بلکہ حق یہ ہے کہ عرب کی سادہ معاشرت والی قوم جب ان ترقی یافتہ معاشرت والی قوموں کے ساتھ مل جل، مگر چہ عربوں کو فاتحانہ فوقیت حاصل تھی لیکن ان کی کثرت تعداد بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکی اور عرب ان کی تہذیب، تمدن، معیشت اور معاشرت سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر ان مفتوح قوموں کی تہذیب و معاشرت کو اختیار کرنے لگے اور دن بدن ان کی اثر پذیری بڑھتی ہی رہی تو اس سے نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے گئے۔ بہت سے ایسے واقعات و حوادث پیش آئے جن کا عہد نبوی اور عہد صدیقی بلکہ اس کے بعد والے عہد میں بھی نام و نشان تک نہ تھا۔ فقہ اسلام کی حدود بڑھتی گئیں اور اس کے احاطہ میں وسعت پیدا ہوتی گئیں اگر عذر و غرض سے شریعت کے مسائل پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے لئے قابل عمل احکام کا استنباط نہ کیا جاتا تو احکام شرعی پر عمل کرنا ان کے لئے ناممکن ہو جاتا، ان حالات میں اندیشہ تھا کہ دین سے گریز کی عادت ان کو آہستہ آہستہ دین سے خارج ہی کر دیتی۔ اس کے لئے محنت اور غور و فکر اور بعد و مدحینی اور بے فتنہ و رسا اندیشی کی ضرورت تھی جو دین کی خاطر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے برداشت کی اور ان نے مسائل کا حل پیش کیا تاکہ جو لوگ دین قبول کر چکے ہیں وہ دین سے نکل جانے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ یہ کھلی بات ہے کہ اس کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اجتہاد کی رفتار کو بہت بڑھا دیا۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ واقعات اس کثرت سے پیش آتے رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] موافقات طبع تیونس ص۲۲

ابن رشید فقیہ فلسفی مالکیؒ فرماتے ہیں :-

عربی	اردو
والنصوص والافعال والاقرارات	اقوال، افعال اور تقریر سب محدود
متناهية ومحال ان يقابل ما	ہیں اور غیر محدود سے محدود کا مقابلہ کرنا
لايتناهى بما يتناهى[1].	ناممکن ہے۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

عربی	اردو
اذا حدث حادثة نظر في كتاب الله	جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ میں
فان وجد ها والا نظر في سنة	تلاش کرو وہاں نہ ملے تو سنت رسول میں جہاں

بقیہ حاشیہ گزشتہ : اجتہاد کرنے پر مجبور رہتے ہیں جس سے آپ کے اجتہادی مسائل کا ذخیرہ بڑھتا ہی گیا کیونکہ دوسرے علاقے کا رہ کر آپ کے شاگردوں نے اس منصب میں آپ کا احتیاط پانے کا بہت بڑا ذخیرہ وسعت کے بہت کام آیا۔ اس وقت فقہ حنفی ہو یا فقہ حنبلی سب آپ کے ذخیرہ سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں یہاں آپ کے مسائل جمع کر کے پیش کئے جا رہے ہیں آپ بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ چاروں فقہ کے ذخیروں میں آپ کے اجتہاد کردہ مسائل کتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

ہاں ! جو لوگ عراق میں بس گئے تھے انھوں نے برملا اس احسان کا اعتراف کیا کہ دوسرے اکابر صحابہؓ سے ہم نے استفادہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کے ذریعہ کیا اور کوفہ میں اقامت اختیار کرنے والے جن صحابہؓ سے براہ راست ہم نے استفادہ کیا ہے، جیسا کہ سیدنا علیؓ وغیرہ ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ استفادہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے کیا۔ ان فقہائے کوفہ کے علوم کے وارث امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد ہوئے اور کثرت سے علم کی اشاعت آپ کے سلسلہ کے شاگردوں میں ہوئی دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں آپ کی فقہ کی اتباع کا سلسلہ پھیل گیا۔ اس سلسلہ کے تلامذہ نے بھی فقہ حنفی کے نام کو باقی رکھنے میں اپنی سعادت سمجھی۔

---

[1] ہدایۃ المجتہد جزء ا صا

رسول مقالنا لم یجز نظرنا فی القیاس[1] — بھی نہ لے تو پھر قیاس کی کیا ضرورت پڑی کہ

امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد امام مزنیؒ فرماتے ہیں۔

الفقہاء من عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا وھلم جرا استعملوا المقاییس فی الفقہ فی جمیع الاحکام[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک تمام فقہاء تمام احکام میں قیاس سے کام لیتے رہے ہیں۔

قیاس واجتہاد اتنی ناگزیر دینی ضرورت ہے کہ اصحاب الظواہر بھی اس کا انکار نہ کرسکے۔

قال ابن حزم نعلم ان الصحابۃ یقولون بآرائھم بعصرہ علیہ السلام فیبلغہ ذالک فیصیب المصیب ویخطئ ویکفینا من ابن حزم الظاھری ان یعترف بوقوع الرای من الصحابۃ کثیرا۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اپنی رائے سے فتوے دیتے تھے اور آپ کو جب اس کی خبر ہوجاتی تھی تو آپ صحیح حکم بتلانے والے کے صحیح ہونے کا اظہار فرمادیا کرتے تھے اور جو غلطی کرتا تھا اس کی غلطی پر تنبیہ فرمادیا کرتے تھے۔ ابن حزم ظاہریؒ بھی کثرت سے صحابہؓ کی رائے سے حکم دینے کا اعتراف کرتے ہیں، یہ ہمارے لئے کافی ہے۔

ان کے بعد دوسرے سلفی عالم علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:-

من لہ مباشرۃ لفتاوی الناس یعلم ان المنقول وان اتسع غایۃ الاتساع فانہ لا یفی بوقائع العالم[3]

جس کو لوگوں کے فتووں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ نئے واقعات کے لئے سابقہ احکام کافی نہیں آتے خواہ وہ سابقہ احکام کتنی ہی کثرت سے کیوں نہ ہوں۔

---

[1] المغنی جز ۱۱ ص ۹۱۹ کتاب القضاء [2] مختصر جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۱۳۳

[3] اعلام الموقعین جز ۲ ص ۲۷۵

اب تک اجتہاد کے متعلق جتنی باتیں آپ پڑھ چکے ہیں وہ اس کا کافی ثبوت ہیں کہ اجتہاد دین کی ایک ناگزیر ضرورت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ نے خود اجتہاد کیا۔ جہاں کسی صحابیؓ نے اجتہاد نہیں کیا تو وہاں دوسرے صحابی کے اجتہاد کو بلا جھجک تسلیم کیا! اجتہاد صرف خیال آرائی اور نکتہ آفرینی نہیں ہے بلکہ روح شریعت کو پیش نظر رکھ کر قرآن وسنت کے احکام پر مکمل حد تک نگاہ رکھتے ہوئے امت کی ضرورت کے وقت بالغ نظری سے دینی رہنمائی کا نام اجتہاد ہے۔ مجتہد افراط و تفریط کے درمیان صراط مستقیم کو اچھی طرح پالیتا ہے۔ حکم شریعت کے منشا کے غور میں اتنی گہرائی میں نہیں جاتا کہ عام فہم انسان اتنے غور و خوض سے الجھن میں گھر جائے یا تھک کر غور و فکر ہی سے دست کش ہو جائے۔ شریعت کے حکم پر عمل کے لیے مجتہد نہ ایسے غلو کی اجازت دیتا ہے جس سے انسانی عام دسترس عاجز ہو یا مہلت وقت پر اس عمل کو کرنا اسے شاق گزرے نہ وہ شریعت کے حکم کی تعمیل میں کسی سہل انگاری سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے روح شریعت پامال ہو جائے اور نہ وہ ایسی بے پرواہی برتتا ہے کہ اس کی سہل انگاری و بے پرواہی سے عمل میں اتنی تاخیر ہو جائے کہ وہ عمل بعد از وقت قرار دیا جائے بلکہ وہ عمل کا ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے عمل کا مقصد فوت نہیں ہونے پاتا۔

اب اجتہاد کے چند اصول و شرائط لکھے جاتے ہیں تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ اجتہاد ایک دینی عمل ہے ان اصول و شرائط کی پابندی سے اجتہاد سے کسی شرعی حکم کی پامالی نہیں بلکہ شریعت پر عمل کرنے کی راہ وسیع تر استوار اور ہموار ہو جائے!

علماء کس کام کو اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور کس قسم کے اجتہاد کو وہ دین کی خدمت

قرار دیتے ہیں اس میں سب سے زیادہ اہم سیدنا عمرؓ کا وہ ہدایت نامہ ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو روانہ کیا تھا۔ علماء نے اس کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کے متعلق جو بحثیں کی ہیں اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے اور اس کا زیادہ حصہ ہماری بحث سے بے تعلق بھی ہے۔ اس لئے اس ہدایت نامہ سے صرف اجتہاد کے مسئلہ کے متعلق جو باتیں علماء نے سمجھی ہیں وہ پیش کی جاتی ہیں۔ ان بحثوں سے اس فیصلہ میں بڑی مدد ملے گی کہ قیاس اور اجتہاد دینی کام ہے۔

فالرأی الذی هو اساس الاجتهاد	جس مسئلہ میں شریعت کا حکم صریح نہ ہو اس
فی ما لانص فیه هو التفکیر بالطرق	میں قیاس سے کام لینا ہی اجتہاد کی بنیاد
التفکیر التی ارشد الیه الشرع	ہے یہی اس فکر و اجتہاد کی بنیاد بنتی ہے
لانها اقرب الی الصواب	جو شریعت کی رہنمائی میں ہو۔ ایسی ہی رائے
وابعد عن الزلل وتقرب	خوب تر ہوتی ہے اور اس میں غلطی کا
الی المصالح العامة الحقیقیة	امکان کم ہوتا ہے جتنی مصلحتیں ایسی ہی فکر کا
وهذا هو الرأی المحمود۔	نتیجہ بنتی ہیں یہی رائے، رائے محمود ہے۔

اس کے بالمقابل وہ اجتہاد ہے جو دینی طریقہ پر نہ ہو اس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

واما الرأی الی التفکیر بغیر الطرق	جس طریقہ کی رہنمائی شریعت نے نہ کی
التی هداها الشرع فهذا انی	ہو اس طریقہ کے مطابق خود فکر محض
الغالب یکون تفکیرا بالهوی	ہوا و ہوس کے تقاضے سے ہوتی ہے
وقریبا من الزلل وهذا	اور اس کا غلط طریقہ پر ہونا زیادہ
هو الرأی المذموم۔	ممکن ہے ایسی رائے مذموم ہے۔
ثم لا یجوز ان یکون الاجتهاد	علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اجازت نہیں

من سلك خارجاً من ضبط الشرع	کہ شریعت کے احکام سے بے نیاز ہو کر اجتہاد
فيجب على المجتهد ان	کیا جائے۔ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ
لا يعين وفي اجتهاده عن هذه	اپنے اجتہاد میں شریعت کے احکام سے تجاوز
الاركان[1].	نہ کرے یعنی بے لگام نہ ہو جائے۔
ان الرأى المذموم هو	یعنی رائے مذموم وہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم
ما لا يكون مشبها	کے نمونے پر نہ ہو آخر میں علامہ بیہقی نے
باصل[2].	فرمایا وعلى هذا يحمل كل ما جاء في ذم الرأي

اگر اس سلسلہ کے چند اصول ذہن میں محفوظ رہیں تو غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے اسلام کے احکام چار قسم کے ہیں (۱)، وہ احکام جو ایسی نص صریح سے ثابت ہوں جن کا ثبوت بھی قطعی ہے اور اس نص کی اپنے احکام پر دلالت بھی قطعی ہے۔ ایسے تمام احکام کا اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے اور کسی مسلمان کو اس میں اجتہاد و رائے زنی کی اجازت نہیں جیسے کہ نماز کی ترکیب و فرضیت، مختلف اوقات کی فرض نمازوں کی تعداد، زکوٰۃ اور روزہ کی فرضیت و احکام حج وغیرہ۔ ان کے لئے یہ اصول طے شدہ ہے۔

لا مساغ للاجتهاد في مورد النص۔

(۲) وہ احکام جو نص سے تو ثابت ہوتے ہیں مگر نص کے معنی میں اختلاف کی گنجائش ہے ان احکام میں اجتہاد کا موقع ہے لیکن اس اجتہاد کی حدود معین ہیں اس نص کی مختلف پہلو سے جو جو باتیں سمجھی جاتی ہیں اسی دائرہ میں اختلاف

---

[1] اللالی والنفس جز ۱ ص ۲۲۸

[2] السنن الکبریٰ جز ۱۰ کتاب القضاء

ہو سکتا ہے نص کے مختلف پہلوؤں سے اجتہاد متجاوز نہیں ہو سکتا مثال کے طور پر (۱) خرید و فروخت کرنے والے کے خیار کا مسئلہ ہے کہ خیار گفتگو کی حد تک باقی رہے گا یا مجلس کی حد تک دراز ہوگا (ب) پورے سر کا مسح فرض ہے یا کم از کم حصہ کا (ج) جانور ذبح کرنے والے نے عمداً بسم اللہ نہیں چھوڑی بلکہ بسم اللہ کہنا بھول گیا تو اس کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام وغیرہ وغیرہ۔

(۳) تیسری قسم کے مسائل وہ ہیں جو نص کے نہیں ہیں نہ نص قطعی کے اور نہ نص ظنی کے مگر ایک زمانہ میں ان پر خلفاء یا ائمہ مجتہدین کا اجماع ہو چکا ہو مثلاً (۱) دادی کو وراثت میں چھٹا حصہ۔ (ب) بچا کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہے (ج) مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے باطل ہے۔ ان مسائل میں بھی اجتہاد کا کوئی موقع نہیں ہے نہ اس کی اجازت ہے۔

(۴) مسائل کی چوتھی قسم وہ ہے جن کے لئے نہ قطعی دلیل ہے نہ ظنی اور نہ کسی زمانہ میں ان مسائل کے متعلق مجتہدین کا اتفاق کسی خاص شکل میں ہوا۔ ان مسائل پر اجتہاد کے نقطہ نظر سے شریعت کے حدود میں بحث ہو سکتی ہے۔

لیکن فی زمانہ اجتہاد کا حق کسی فرد واحد کو نہیں دیا جا سکتا خواہ وہ فرد کتنی ہی اہلیت کا مالک کیوں نہ ہو کیونکہ آزادانہ طریق پر اگر اجتہاد کا حق دے دیا جائے تو دین کے مسائل میں کوئی نظم و ضبط باقی نہ رہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ ہر شخص اپنی رائے جدا جدا قائم کرے اور اسی طرح امت میں انتشار پیدا ہو جائے اور انارکی پھیل جائے۔ یہ حق صرف ایک اہل علم جماعت کو دیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس جماعت میں سب ایسے لوگ ہوں جن میں اجتہاد کی اہلیت ہو اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ اجتہاد کے لئے ان مسائل کا انتخاب کیا جائے جن کا حکم شریعت میں صراحت سے نہیں ہے۔ طریقہ بھی وہی اختیار کیا جائے جس کی رہنمائی شریعت نے کی ہو

کیونکہ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے ہم ہرقسم کی غلطی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اجتہاد کی اہلیت میں جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ احکام قرآنی کا پورا علم ہو مثلاً نکاح کی شرائط کا علم، میاں بیوی کے جو معاملات قرآن نے بتلائے ہیں ان کا پورا علم ہو اور میاں بیوی کے حقوق و ذمہ داریاں اور انعقادِ نکاح و افواہِ نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں شریعت کے جو اصول ہیں ان پر اس کی گہری نظر ہو۔ اسی طرح وہ وراثت، بیع کی تمام ہیئتوں کا پورا علم رکھتا ہے کہ وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکے کہ ان سے کس درجہ کے احکام کا استنباط ہو رہا ہے۔ قرآن کے علم کے ساتھ قرآنی بصیرت و ایمانی فراست سے اہم شرط ہے اور یہ صرف عطیہ الٰہی ہے۔

(۲) اسی طرح سنت کا بھی بھرپور علم ہونا ضروری ہے وہ حدیث، صحیح، حسن اور ضعیف کا فرق معلوم کر سکے فن حدیث کی سند و متن کے متعلق جتنی ضروری باتیں ہیں ان سے وہ آگاہ ہو۔

علم کے ان دو چشموں کے بعد سابقہ مجتہدین کی ان مسائل میں جو رائے رہی ہے اس سے اور ان کے دلیلوں سے وہ واقف ہو۔ ان تینوں کے بعد جو شریعت منظروں سے اوجھل نہ ہو یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ قیاس و اجتہاد کی حقیقت سے واقف ہو ان کے اصول و شرائط کیا ہیں ان کا اسے علم ہو، جو شخص اجتہاد میں قدم رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ عربی ادب پر گہری نظر ہو اور عربی زبان کے متعلق جتنے علوم ہیں ان میں کافی دسترس رکھتا ہو۔ عربی ادب کا اسے ذوق بھی ہو تاکہ سلیقہ زبان سے حکم کے درجے کو سمجھ سکے۔

دینی مسائل میں اجتہاد کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کردار رکھتا ہو دینداری میں بھی مکمل ہو یعنی کبیرہ گناہ جملہ سے محفوظ ہو کسی صغیرہ گناہ پر اس کو اصرار نہ ہو۔ حق کے اظہار اور حق کے نافذ کرنے میں وہ کسی کی پرواہ نہ کرتا

ہو نہ کسی طاقت والے سے ڈرتا ہو اور نہ کسی کی دولت مندی سے متاثر ہو، صرف شریعت کے حقیقی مصالح اس کے پیش نظر ہوں۔ اس قسم کی اہلیت والے افراد ہی اس قابل ہو سکتے ہیں جن کی جماعت کو اجتہاد کا حق دیا جائے۔

حضرت امام حسن بصریؒ نقیہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا پایا جانا ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۱) دل میں دنیا کی حرص نہ ہو اس کی نشانی یہ ہے کہ فقیہ دنیا کو کسی وقت اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے۔

(۲) آخرت کی بہتری کو مطلوب و مقصود بنا کر اس کی بہتری کے لئے اپنی طاقت اور وقت دونوں کو صرف کرے۔

(۳) بہرحالت میں احکام الٰہی کا پابند ہو خصوصیت سے مسلمانوں کی حق تلفی اور آبرو ریزی سے بچتا ہو۔

(۴) دین میں بصیرت قرآنی اور فراست ایمانی ہو۔

(۵) مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اپنے ذاتی فائدہ کو قربان کرنے میں اسے تامل نہ ہو۔ امام غزالیؒ اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں۔

فقیہ وہ ہے جو دنیا کے معاملات میں مخلوق کے نفع کو سمجھنے والا ہو۔

(نفقیہا فی مصالح الخلق فی الدنیا)

آخر میں وہ باتیں تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں جن سے بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ قرآن نے ان باتوں سے روکا ہے ہم ان سب کو علیحدہ علیحدہ لکھ کر ان کے صحیح مفہوم کو واضح کرتے ہیں اس طرح جن احادیث و اقوال صحابہؓ سے اس قیاس کی ممانعت سمجھی جاتی ہے ان کو بھی نقل کر کے واضح مطلب بتاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ فقہاء کو اجتہاد میں جن قیاسات سے واسطہ پڑتا ہے جس قیاس کو

وہ دینی عزم سعات بتلاتے ہیں۔ اس قیاس سے نہ قرآن میں روکا گیا ہے نہ سنت ہی میں اس کی ممانعت ہے۔ بلکہ شریعت نے اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

(۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (۱) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

لیکن قیاس میں تو یہی ہوتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کا حکم جانتے نہیں اور آگے بڑھ کر ایک حکم لگا دیتے ہیں۔

اس آیت سے قیاس کی صریح ممانعت پر دلیل لانا صحیح نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس خیال پر مبنی ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ کسی معاملے کے متعلق اللہ یا رسول کا حکم موجود ہے اس کو چھوڑ کر دوسرا حکم قیاس سے لگا دیا گیا ہے یہ بات بالکل غلط ہے مسلمان پر ایک تہمت ہے جہاں حکم موجود ہوتا ہے وہاں کوئی مسلمان قیاس کرتا ہی نہیں۔ قیاس تو ان ہی مسائل میں کیا جاتا ہے کہ جہاں اللہ اور رسول کا حکم موجود نہیں ہوتا۔ پچھلی عبارتوں میں آپ پڑھ چکے ہیں "مالا یعنیہ" اور جہاں اللہ کی نص موجود ہو وہاں کون قیاس کرتا ہے قیاس سے اللہ اور اس کے رسول کا اتباع مقصود ہوتا ہے جو حکم ایک جگہ اللہ اور اس کے رسول کا اتباع مقصود ہوتا ہے جو حکم ایک جگہ اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے قیاس اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ حکم اس دوسری جگہ بھی جاری ہونا چاہیئے۔ بلکہ اللہ اور رسول کا جو حکم پہلے سے معلوم ہے اس کو جن مواقع پر جاری ہونا چاہیئے اور اب تک وہاں جاری نہیں ہوا ہے وہاں اب اجتہاد کے ذریعہ جاری کیا جاتا ہے۔ قیاس میں ایسا نہیں کیا جاتا کہ اللہ اور رسول نے جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی کی جائے۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (۲) تم منزل الٰہی کے مطابق ان کے درمیان

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ نیصلہ کرو اور جو منزل الٰہی کے مطابق فیصلہ

فھم الکافرون وَھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ... نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق
وھم الفاسقون (مائدہ ۴۴، ۴۵، ۴۷) ہیں۔

ان آیتوں میں بھی یہی بحث ہے کہ جو شخص شرعی اجتہاد کو اختیار کرتا ہے تو وہ ما انزل اللّٰہ پر عمل پیرا ہوتا ہے قیاس سے واقعہ مسکوت عنہا کا حکم معلوم ہو جاتا ہے تو وہ ما انزل اللّٰہ کا حکم ہوا۔ وہ ما انزل اللّٰہ کا فرماں بردار ہے وہ ما انزل اللّٰہ کا نافرمان نہیں ان تینوں وعیدوں کا تعلق نافرمانوں سے ہے جس طرح سے یہ آیت ہے تو یہ بھی قرآن ہی میں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب حق تاکہ آپ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (سورہ نساء) لوگوں میں احکامات جاری کریں۔

(۴) اسی طرح "ما فرطنا فی الکتاب من شیئ" سے یہ استدلال ہے کہ ہر چیز کا حکم قرآن میں موجود ہے صحیح نہیں۔ یہاں کتاب سے قرآن مراد نہیں بلکہ لوح محفوظ مراد ہے کیونکہ پوری آیت یہ ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ
اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔

(۵) اسی طرح ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ میں بھی کتاب سے مراد قرآن نہیں ہے بلکہ لوح محفوظ ہی مراد ہے کیونکہ پوری آیت یوں ہے۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو ویعلم ما فی البر والبحر
وما تسقط من ورقة الا یعلمها ولا حبة فی ظلمٰت الارض
ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین

ان دونوں آیتوں میں کتاب مبین سے مراد قرآن شریف نہیں ہے۔ بلکہ علم الٰہی، لوح محفوظ مراد ہے۔ جس طریقہ سے "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا ... إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ میں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۲) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے جو جو باتیں بھی سمجھی جاتی ہیں خواہ وہ (۱) صریح احکام ہے (۲) یا شریعت کے اصول کلی سے (۳) یا استنباط کے ان طریقوں سے جن کی طرف قرآن نے رہنمائی کی ہو ان سب کے مجموعہ کو محتویات قرآنی کہیں گے یعنی قرآن لبنان تمام محتویات کے ذریعہ بیان ہے اس کے صرف واضح احکام یا اس کے صرف اصول کلی ہی بیان ہوں اس کا دعویٰ قرآن میں نہیں ہے۔

علامہ شاطبیؒ نے اس تفسیر کو واضح الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔

فحیث الدین قاعدۃ یحتاج	خواہ انسان کے لئے ناگزیر ضروری امور
الیہا الضروریات والحاجیات	ہوں یا ان کے ضروریات میں سہولت پیدا
والتکمیلات الآخرۃ بجنسہ	کرنے والی یا انسان کی ضروریات کی

لہ شریعت نے انسان کو اپنی ناگزیر ضرورتوں کے پورا کرنے کی صرف اجازت ہی نہ دی بلکہ انہیں پورا کرنے کا حق دیا ہے کہ وہ اپنی ضرورتیں پوری کریں بلکہ شریعت کی شفقت اس سے زیادہ وسیع ہے ناگزیر ضرورتوں میں جو باتیں آسانی پیدا کرتی ہیں اور ان سے اس میں مدد ملتی ہے اس نے ان کے اختیار کرنے کی بھی راہ کھول دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ شفقت آپ ملاحظہ فرمائیں کہ انسان کے حسن و خوبی میں جو باتیں رونق پیدا کرتی ہیں ان کو مدد کرنے کا حکم دیا ہے اور انسانیت کا کمال جن کا متقاضی ہے شریعت نے نہ صرف ان اعمال کی اجازت دی ہے بلکہ ان کا حکم دیا ہے اور ان کا شوق اور ان کی رغبت دلائی ہے ناگزیر ضرورتیں وہ ہیں جو انسان کی زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خليقة بالبيان نص يستوفی تنزيل	تکمیل میں جن چیزوں سے حسن و خوبی پیدا
الجزئيات على قواعد الكليات	ہوتی ہے (تکمیلات تحسینات) ان میں سے
موكولا الى نظر المجتهد فلذلك	ہر ایک کا قاعدہ واضح طریقے سے بیان کر دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یعنی ان میں سے کسی بات سے بے توجہی برتی جائے یا اس میں سے کسی کا حق ادا نہ کیا جائے تو انسانیت کا نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا بلکہ انسانیت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

انسانی حاجتوں سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنے طبعی و شرعی ذمہ داریوں کے عہدہ برآ ہونے کو ان کے انجام دینے سے بسا اوقات دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو جن باتوں سے طبعی و شرعی کاموں میں سہولت و آسانی ہو وہ بھی انسان کی حاجتوں ہی کی فہرست میں شریک کر لی گئی ہیں۔ مثلاً سفر میں زیادہ رکعتیں دشوار ہوتی ہیں تو سنت و نفل معاف ہو جاتی ہیں۔ چار رکعت والی نماز نصف کر دی جاتی ہے۔ پانی کے استعمال میں دشواری ہو تو تیمم کی اجازت ہو جاتی ہے۔ پہلی باتوں کا نام ضروریات رکھ دیا ہے تو ان کا نام حاجیات تجویز کر دیجئے۔

جو باتیں انسان کی بدہیئتی و گندگی کو دور کر کے اعتدال پسند بنائیں اور اس میں پاکیزگی و طہارت و حسن و جمال پیدا کریں یا انسان کی شرافت و کمال کو بلند کر دیں ان کو فضائل و کمالات کا نام دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے احکام میں اپنے علم وسیع اور حکمت تامہ سے ان سب باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے مگر اس کی آزادی نہیں دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنی طرف سے ضروریات یا احتیاج یا شرافت قرار دے دے تو اس پر ہم خود اپنی طرف سے شریعت کے احکام سے بے پرواہ ہو کر جو چاہے کرنے لگیں ذلك تقدير العزيز العليم ان باتوں کے فیصلے کے لئے بڑے علم و بڑے کردار کی ضرورت ہے۔

قاعدة الاجتهاد ایضا ثابتة
فی الکتاب والسنة فلا بد
من اعمالها ولا یسع ترکها اذا
ثبت فی الشریعة اشعرها ثم
لا مجال للاجتهاد ولا یوجد ذلك
الا فی ما لا نص فیه (الاعتصام)

گیا ہے ہاں خاص خاص واقعوں کو ان اصولا
کلی کے تحت میں مندرج کرنے کا کام رہ
جاتا ہے یہ مجتہد کے سپرد ہے کیونکہ اجتہاد
بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے تو پھر
اس سے کام لینا ہے اس کو ہم چھوڑ
نہیں سکتے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

انسان کی پانچ ضروریات ہیں (۱) دین (۲) نفس (ذات انسانی) (۳) نسب و عزت (۴) عقل اور (۵) مال۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کا وجود و بقا انسان کے لئے ضروری بتایا ہے ان میں سے اگر کسی ایک پر بھی حملہ کیا جائے تو انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کے لئے اپنے کو بھی خطرہ میں ڈال دے یہ کمال انسانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے قیام و حفاظت کے لئے لا الٰہ الا اللہ کی دعوت اور اس پر استقامت اور صرف اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی الوہیت و ربوبیت اور حاکمیت و مالکیت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ان میں سے کسی بات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو شریک کیا جائے تو اسے ناقابل معافی گناہ قرار دیا اسی طرح اس کے فرشتوں اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان کی تاکید فرمائی ہے دین ہی کی حفاظت کے لئے عبادتوں کے اصول جاری کئے اور پابندی لازمی قرار دی ہے جو کوئی بھی اپنے قول و عمل دین و شریعت کی توہین کرتا ہے اس کو مستحق سزا قرار دیا ہے۔

عقل صحیح و سالم رکھنے کے لئے اور خلل دماغ سے بچانے کے لئے ہر قسم کا نشہ حرام کیا خواہ وہ نشہ آور چیز سیال ہو یا غیر سیال۔ اسی طرح جو چیزیں انسان کو بے خود بنا تی ہیں یا بے حس و بے ہوش کر دیتی ہیں اور ان کے استعمال کی کوئی ضرورت داعی نہ ہو ان کا استعمال

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نویں ہدایت:۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

(پ ۱۵ - سورہ ۱۷ آیت ۳۶)

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں حرام ٹھہرا دیا گیا۔

کسب مال اور اس کے تحفظ کے لئے عمل اور جد و جہد کا حکم دے دیا گیا ہے دوسرے پر بار بننے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ مال کے حاصل کرنے میں ناجائز ذریعوں کو اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ مال کی حفاظت کے سلسلے میں چور کے لئے حد مقرر کی گئی ہے۔ غاصب کے لئے سزا تجویز فرمائی گئی ہے خود اپنا مال تلف کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اگر کوئی دوسرے کا مال تلف کرے اس کی تلافی کے لئے بدل ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اشیاء کے تبادلہ میں باہمی رضامندی ضروری قرار دی گئی عزت کے تحفظ کے لئے شادی بیاہ کی ترغیب دی۔ نکاح وطلاق کے قانون کے ساتھ اس میلان صنفی کے جذبہ کی بے راہ روی یعنی زنا اور ہر قسم کی بدکاری کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں حتیٰ کہ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کو بھی قابل سزا قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ بے حیائی پھیلانے پر عذاب الیم کی دھمکی دی گئی ہے۔

(۲) احتیاجی امور وہ ہیں کہ جن سے انسانی زندگانی کی راہیں آسان اور سہل تر ہو جاتی ہیں اور جن کے بغیر انسان طرح طرح کی دشواریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ معاملات اور باہمی تبادلہ کے اصول وطریقے بنائے گئے ہیں۔ سفر و مرض خطا و نسیان اور جبر و اکراہ کی حالت میں عبادتوں کے احکام سہل کئے گئے۔ بیع سلم و عاریت مزارعت و مساقاۃ کے احکام جن کا سب کا مقصد باہمی معاملات میں آسانی اور سہولت بخشنا ہے اس لئے اجیر مشترک کو ضامن قرار دیا گیا، حکام مجاز کیا گیا۔ اہل خاندان یا اہل پیشہ یا اہل مصر پر دیت کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، مچھلی بغیر ذبح کے حلال کر دی گئی ہے۔ دوسری امتوں کے لئے لازمی تھا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو یہ آیت عقیدہ کے متعلق یہ ہدایت دیتی ہے عملی احکام اس کے دائرہ حکم میں داخل نہیں اس طریقے سے وہ تمام آیتیں جن میں ظن کی پیروی سے رد کیا گیا ہے جیسے "وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" ان سب کا تعلق عقیدے سے ہے کیونکہ عقیدہ کی بنیاد علم ہوا کرتا ہے۔ رہے شریعت کے عملی احکام "تو یہ متفق علیہ امر ہے کہ ظن پر ان کی بنیاد ہوتی ہے اگر عملی احکام کے لئے علم کو بنیاد بنایا جائے تو عمل کی بنیاد جب مدخول ہے وہ کثرت سے ایسی حدیثیں ہیں جن کو محدثین اپنی اصطلاح میں آحاد کہتے ہیں اس کے متعلق محدثین کا یہ فیصلہ

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہ وہ خاص عبادت خانہ ہی میں عبادت ادا کریں عبادت گاہ سے باہر عبادت نہیں کی جا سکتی تھی۔ شریعت اسلام کے لئے نماز ادا کرنے کے لئے کوئی خاص جگہ یا مقام کی شرط نہیں ہے چنانچہ ہر اس قطعہ زمین پر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے جہاں کوئی سدک ٹوک مالک کی طرف سے نہ ہو اور ہر جگہ کی خاک پاک اور لائق تیمم ہے تیمم کے احکام کے بعد فرمایا مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ۔ حالت مرض سفر میں جب روزہ کی قضا کے احکام دیئے گئے تو ساتھ ہی فرمایا يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ع ۲۳) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سہولت پیدا کرتا ہے تمہیں دشواریوں میں نہیں ڈالتا۔ نکاح کے احکام کے ساتھ فرمایا ہے۔ (نساء ع ۵) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری ذمہ داریوں کو ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

(۳) تہذیب و شائستگی کی جو باتیں ہیں ان میں غذا کی پاکیزگی بدن، لباس اور مکان کی صفائی چہرہ و مکان کی زینت اور فضل و کمال کی وہ تمام باتیں داخل ہیں جن سے انسان مہذب و شائستہ سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح صورت و شکل، وضع و لباس کی بدہیئتی کو دور کرنا شائستگی میں داخل ہے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ صحت تسلیم کرنے کے بعد ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی علم نہیں ہوتا اس کا درجہ علم ظنی سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ قرآن کی ہر نص کی دلالت قطعی ہو ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر عمل کے لئے یہی شرط لگادی جائے کہ وہ نص قطعی ثبوت ہو تو اعمال کا دائرہ بہت تنگ ہو جائے گا اور شریعت کے احکام بہت محدود ہو جائیں گے۔ جن قرآنی آیات کی تفسیر ابھی گذری اس کی تائید میں بعض صحابہ کرامؓ کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان میں رائے پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت ہے اور رائے سے فتویٰ دینے پر ملامت ہے جیسے (۱) حضرت ابوبکرؓ کا فرمانا أیُّ سماءٍ تظلّني وأيُّ ارضٍ تقلني اذا قلت في كتاب الله برأيي (نقد رائے) کے معنی کے متعلق ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) حضرت عمرؓ کا فرمانا۔

ایاکم واصحاب الرأی فانهم اعداء السنن اعیتهم الاحادیث ان یحفظوها فقالوا بالرأی فضلوا واضلوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

معاشرہ میں اس سے انسان عزت سے دیکھا جاتا ہے اسی طرح مکارم اخلاق، محاسن آداب یہ تمام باتیں انسان کے جمال و کمال کا سبب بنتی ہیں۔ طہارت اور ستر عورت پردہ کے احکام کا تعلق شائستگی ہی سے ہے معاملات میں میانہ روی خرچ میں تنگ نظری اور اسراف و تبذیر میں اعتدال اسی سلسلے کی چیزیں ہیں جہاد میں بچوں عورتوں اور راہبوں کے قتل یا دشمن کے مثلہ کرنے کی ممانعت شائستگی ہی میں داخل ہے۔ ماخوذ از فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد للامام البخاری۔

حضرت عمرؓ کا فرمانا ایاکم والمکایلۃ آپ سے پوچھا گیا ما المکایلۃ
تو آپ نے فرمایا المقایسۃ۔

(۳) حضرت علیؓ کا فرمانا۔ لوکان الدین بالرأی لکان باطن الخف
اولیٰ بالمسح من ظاھرہ۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فرمانا السنۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تجعلوا الرأی سنۃ ان ہی عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے ان قوما
یفتون بآرائھم لو نزل القرآن لنزل بخلاف ما یفتون۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے قول جو ان کے متعدد شاگردوں
نے نقل کئے ہیں یا ایک ہی دو قول ہیں جن کو ہر شاگرد نے مختلف تعبیروں سے
ادا کیا ہے مثلاً۔ اذا قلتم فی دینکم بالقیاس احللتم کثیرا مما حرمہ
اللہ وحرمتم کثیرا مما احلہ اللہ، ان سب میں اس رائے کی ممانعت
ہے کہ جس کے مقابل میں شریعت کا حکم موجود ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے فرمایا وان احکم بینھم بما انزل اللہ اور ان کے درمیان
اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو۔

یہ نہیں فرمایا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کرو۔ اگر رائے سے فیصلہ کی اجازت
ہوتی تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت ہوتی تو
عرض یہ ہے کہ قرآن ہی میں اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا
(نساء پ ۵ ع ۱۶) جس میں رائے سے کام لینے کی طرف اشارہ ہے۔

(۷) ان ہی عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے۔ اتھموا الرأی علی الدین فانہ

منا تکلف وظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

یہ ان ہی مواقع کے لیے ہے جہاں کوئی اثر عمل پر نہیں پڑتا محض انسان ضرورت وحاجت کے موقع پر کام کرنے سے پہلے کوئی ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہے وہاں تکلف کا کیا سوال ملاوہ ازیں تمام اقوال کی صحت تسلیم نہیں حضرت عمرؓ کی طرف جو اقوال منسوب ہیں اس کے الفاظ اس زمانہ میں ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتے تھے جو بعد والے زمانہ میں مستعمل ہونے لگے اور اگر ان سب اقوال کی نسبت ان صحابہؓ سے صحیح بھی تسلیم کی جائے پھر بھی یہ بات ضروری ہے کہ ان اقوال سے وہ معنی لیے جائیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے خلاف نہ ہوں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کرام نے کثرت سے اجتہاد وقیاس سے کام لیا ہے اگر ہر قیاس اور ہر اجتہاد برا کام ہوتا تو یہ اکابر صحابہؓ کیوں اجتہاد فرماتے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کے جواب پر شکر کیوں بھیجتے۔ شکر کسی بات پر مسرور ہو کر بلکہ نہایت مسرور ہو کر ہی ادا کیا جاتا ہے یہ اس کا ثبوت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کے اس جواب پر کہ "میں حتی الامکان اجتہاد میں پوری سعی صرف کروں گا" خوش ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کو نہایت پسندیدہ امر قرار دیا۔ پس صحیح فیصلہ یہ ہے کہ قیاس کے متعلق جو آثار نقل کیے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں خصوصیت سے وہ آثار جس میں عہد صحابہؓ کے بعد کی اصطلاحیں پائی جاتی ہیں اور جو آثار صحیح ہیں (۱) تو ان کا تعلق عمل سے نہیں۔ صحابہؓ غیر عملی باتوں کو اتنی اہمیت ہی نہیں دیتے تھے کہ ان کے حل کے لئے قیاس اور اجتہاد کرنا ضروری سمجھتے یا (۲) اس قیاس کی برائی کی گئی ہے جو شریعت کے خلاف ہے جیسے حضرت علیؓ کا موزوں پر مسح کے متعلق فرمانا کہ حکم ہے کہ موزوں کے اوپر کے حصّہ کو مسح

کیا جائے۔ قیاس چاہتا ہے کہ موزوں کے نیچے حصے کا مسح کیا جائے تو شریعت کے خلاف جو بھی حکم ہوگا وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا جس طریقہ سے شیطان نے آدم علیہ السلام کے سجدے کے حکم کے مقابلہ میں اللہ کے حکم کو غلط بتلایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کے صحیح ہونے کا صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ دلیل پیش کی کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور میں آگ سے اور اپنے قیاس و اجتہاد سے یہ دعویٰ کیا کہ آگ سے پیدا شدہ افضل ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کو غلط بتلانا اور اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں صحیح بتلانا قابلِ لعنت فعل ہے۔ اس طرح ہر وہ قیاس و اجتہاد غلط ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلہ میں ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سنتوں کے یاد کرنے سے وہ عاجز رہے۔ یہ قول اس کا ثبوت ہے کہ اس موقع پر سنت کے احکام موجود ہیں مگر وہ لوگ سنتوں کا علم حاصل نہیں کرتے ایسے لاعلم (جاہل) لوگوں کو دین میں قیاس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں جن لوگوں کو قرآن و حدیث کا کافی علم ہو اور مجتہدین کے مسائل سے واقفیت ہو اس کے ساتھ علوم عربیہ میں کافی دسترس ہو۔ علاوہ ازیں وہ تقویٰ، عبادت و کردار کے بلند معیار پر ہوں صرف ان ہی کو قیاس و اجتہاد کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اقوال بتلاتے ہیں کہ جن موقعوں کے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حلت و حرمت کے احکام نازل فرما دیے ہیں ان کے بارے میں تو قیاس یقیناً حرام ہے خلاصہ یہ کہ قرآن و سنت سے ثابت شدہ احکام سے بے پرواہ ہو کر جو رائے صرف طبعی ذہانت کی بناء پر قائم کی جائے یا جس سے شریعت کے ثابت شدہ احکام بدل جائیں یا دنیا کے نفع یا تن آسانی

اور عمل کی سہولت کو پیش نظر رکھ کر پہلے رائے قائم کر لی جائے بعد میں تلاش کیا جائے کہ شریعت کی کس دلیل سے اس کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے تو ایسی رائے کی بنیاد نفسانی ہوا پر تصور کی جائے گی اور اس قسم کی رائیں نہ صرف ناجائز ہیں بلکہ لائق صد ہزار ملامت ہیں۔ یہ بھی تجربہ ہے کہ فروعی مسائل میں فقہا کے اختلاف سے دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ فروعی مسائل میں گو ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھتے ہیں مگر بنیادی امور میں تمام ائمہ اہل سنت والجماعت متفق ہیں اور اس اختلاف کی بنیاد مصلحت کے اندازے کے اختلاف پر ہوتی ہے انسانی عقل کے تفاوت کی وجہ سے مصالح کا اندازہ لگانے میں فقہا میں اتفاق ہونا مشکل ہے اس لئے ان میں اتفاق نہ ہوسکا اور وہ بھی جزئی مسائل میں جن سے بعض وقت اس اختلاف کی وجہ سے پریشان آدمی کو کچھ سہولت مل جاتی ہے تو یہ اختلاف باعث رحمت ہی بن جاتا ہے۔

لقد نفع الله باختلاف اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فی اعمالهم لا یعمل العامل بعمل رجل منهم الا رأی انه فی سعة منه ورأی ان خیرا منه قد عمله (الموافقات ج ۳ ص ۵۱)

عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ کا حصہ اول ختم ہوا۔ دوسرے حصہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تمام مسائل فتاوی ہیں جو منتظر اشاعت ہیں۔

حرفِ آخر

دینیات کا ایک معمولی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ امام شافعیؒ نے قیامِ مصر کے دوران ایسے فتوے صادر فرمائے تھے جو ان کے یمن میں قیام کے دوران صادر کردہ فتووں سے بہت مختلف تھے۔ امام صاحب کے بعض تلامذہ نے ان سے استفسار کیا کہ کیا انھوں نے اپنے پہلے فتووں سے رجوع کر لیا ہے! امام صاحبؒ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اُنھوں نے اُن فتووں سے رجوع نہیں کیا البتہ فتوے صادر کرتے وقت مصر کے حالات کو مدِنظر رکھا ہے۔ اس سے قبل اُنھوں نے جو فتوے صادر فرمائے تھے وہ یمن کے حالات کے مطابق تھے اور اب جو فتوے صادر کئے ہیں وہ مصر کے حالات کے مطابق ہیں۔ اس سے ایک عامی بھی نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ حالات اور زمانہ کے بدلنے سے فقہی مسائل بھی بدل جاتے ہیں۔

حبیبِ مکرم مولانا محمد تقی امینی۔ ناظم سُنی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ایک فاضلانہ مضمون کئی ماہ تک ماہنامہ برہان دہلی میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں یہی مضمون لاہور سے "احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ انھوں نے مستند روایات اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ حالات اور زمانہ کے بدلنے سے فقہی مسائل بھی بدل جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب فتوحات کا دور شروع ہوا اور متعدد اقوام، جو صدیوں سے اپنی اپنی ڈگر پر گامزن تھیں، دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں تو ایسے بے شمار مسائل سے سابقہ پڑا جن کی نظیر عہد رسالت میں نہیں ملتی تھی، اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے اکابر صحابہؓ اور خود حضرت عمرؓ میدان میں نکلے اور انھوں نے اجماع اور اجتہاد سے ان تمام مسائل کا حل تلاش کیا جس کی اس وقت مسلم معاشرے کو ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ کے اجتہادات پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ہم یہاں ان کے چند خاص اجتہادات بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ عہد رسالت اور خلافت صدیقی میں شعراء قصائد کی تشبیب میں عورتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ آئندہ اگر کوئی شاعر اپنے اشعار میں عورتوں کا ذکر کرے گا۔ تو اُسے دُرّے لگائے جائیں گے۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے شعراء کو ہجو یہ اشعار پڑھنے سے روک دیا حالانکہ عہد رسالت میں شعراء کو اس کی اجازت تھی اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابتؓ کو جوابی ہجو کہنے کی اجازت دی تھی۔

۳۔ عہد رسالت اور خلافت صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت پر کوئی پابندی نہ تھی، حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے اس پر پابندی عائد کر دی۔

۴۔ اسلامی قانون میں چوری کی حد قطع ید ہے لیکن حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے دوران یہ حد معطل کر دی تھی۔

۵۔ عہد رسالت میں مفتوحہ زمین مجاہدین میں تقسیم کی جاتی تھی، حضرت عمرؓ کے

عہدِ خلافت میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر مفتوحہ زمین مجاہدین میں بانٹ دی گئی تو وہ کاشت کار بن کر رہ جائیں گے اور اس طرح فتوحات کا سلسلہ رک جائے گا۔ اسی بناپر انھوں نے مجاہدین میں زمین تقسیم کرنے کا طریقہ ختم کر دیا۔

۶۔ عہدِ رسالت اور خلافتِ صدیقی میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان پر بھی زکوٰۃ لگادی۔

۷۔ نصِ قرآن کی رُو سے مؤلفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کے حقدار ہیں اور عہدِ رسالت میں انہیں بھی زکوٰۃ دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کا حصہ ساقط کر دیا۔ لوگوں کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ انہیں اس وقت زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا تھا جب اسلام کمزور تھا اور ہمیں ان کی حمایت کی ضرورت تھی، اب اسلامی حکومت اتنی مضبوط ہو گئی ہے کہ ہمیں ان کے تالیفِ قلب کی ضرورت نہیں۔

۸۔ عہدِ رسالت میں ہر قیدی کا یکساں فدیہ تھا، حضرت عمرؓ نے مختلف علاقوں کے قیدیوں کے لئے مختلف شرحیں مقرر کیں۔

۹۔ قرآن کی رُو سے زنِ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس کی ممانعت کر دی۔ اس کی توضیح آپ نے یہ کی کہ اگر عرب اسی طرح کتابیہ عورتوں سے نکاح کرتے رہے تو پھر شرفائے عرب کی بیٹیوں سے کون نکاح کرے گا۔

۱۰۔ حلالہ کرنے والوں کے لئے عہدِ رسالت اور خلافتِ صدیقی میں کوئی سزا نہ تھی، حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے محلل کے لئے رجم کا حکم صادر فرمایا۔

۱۱۔ عہدِ رسالت اور خلافتِ صدیقی میں بیس رکعت تراویح جماعت کیساتھ

سے پہلے اس کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے باجماعت تراویح کا دستور نافذ کیا جو آج تک مروج ہے۔

۱۲۔ زرعی پیداوار پر خراج کی شرح مقرر نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے خراج کی شرح مقرر کی۔

۱۳۔ عربوں کے غلام بنانے پر کوئی پابندی نہ تھی، حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت عثمان غنیؓ بھی اپنے دور خلافت میں اجتہاد سے کام لیتے رہے، حضرت عمرؓ کے عہد معدلت تک نماز جمعہ کے لئے ایک ہی بار اذان ہوا کرتی تھی حضرت عثمانؓ نے خطبہ سے پہلے دوسری اذان کا حکم دیا۔ اہل سنت آج تک حضرت عثمانؓ کے طریقے پر کاربند ہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی اجتہاد سے کام لیا، اور حضرت عمرؓ کے جاری کردہ قوانین کو برقرار رکھا۔

خلافت راشدہ کے بعد فقہا نے اجتہاد اور قیاس کی بنا پر ہزارہا مسائل کا حل تلاش کیا، اور ایک عامی کے لئے شریعت کے تقاضوں کے مطابق زندگی کو آسان بنا دیا۔

مندرجہ بالا مثالوں کو سامنے رکھ کر غور فرمائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی قوانین شریعت میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کی گئی اور مسلم معاشرے کو درپیش مسائل کے حل کے لئے صحابۂ کبار کو اجتہاد سے کام لینا پڑا۔ شرعی قوانین میں جن تبدیلیوں کا ذکر ہم نے کیا ہے ان کی ضرورت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے چند سال بعد ہی ناگزیر ہو گئی تھی۔ کیا اب جو وہ صدیاں گزر جانے کے بعد قوانین شریعت میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا اب مسلم معاشرے کو کوئی اہم مسائل درپیش نہیں ہیں؟ آج

ہماری زندگی کے بے شمار ایسے گوشے ہیں جو فقہی قوانین کا از سرِ نو جائزہ لینے اور عہدِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق فقہ کی تدوینِ جدید کا تقاضا کر رہے ہیں۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ فقہ اسلامی کے بیش بہا ذخیرے کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق از سرِ نو مدوّن کیا جائے اور اس سلسلے میں ان کی خط و کتابت مولانا محمد انور شاہ الکشمیریؒ سے شروع ہو چکی تھی، لیکن علامہ صاحب کی طویل علالت اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بے وقت موت سے یہ عظیم منصوبہ درمیان ہی میں رہ گیا، اگر کبھی یہ منصوبہ مکمل ہو جاتا تو حضرت شاہ صاحب کا شمار اُمّتِ مسلمہ کے عظیم محسنین اور مجددین میں ہوتا۔ ہماری دانست میں جو شخص بھی اس کام کو سرانجام دے گا وہ مجدد مائۃ حاضر ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

محترمہ مسز حنیفہ رمنی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر تحقیق کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ اب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آئندہ مسلمانوں کو کوئی نئے مسائل پیش نہیں آئیں گے؟ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ جب تک مسلم معاشرے میں حل طلب مسائل پیدا ہوتے رہیں گے (اور یہ ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے)، اس وقت تک اجتہاد بھی جاری رہے گا، لیکن اجتہاد میں خاصی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس معاملے میں ہم مسز رمنی سے متفق ہیں کہ فی زمانہ کسی فردِ واحد میں اتنی صلاحیت نہیں کہ اُسے اجتہاد کی اجازت دی جائے، اس لئے یہ کام ایک جماعت کے سپرد کرنا چاہیئے۔ ہم اپنی طرف سے اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اس جماعت میں سرکاری تحقیقی اداروں کے سربراہوں کی بجائے وہ لوگ شامل ہوں جن کی زندگیاں محراب و منبر کے سائے

میں گزری ہوں، بصورت دیگر یہ لوگ دین میں نقب لگادیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بہمیداں
محمد اسلم

D/13/ 4/78

جمادی الاول

محمد است محمد عبد الرحمن العلم حنف

اشرفیہ لائبریری عربی مسجد بی بلاک

سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

زیر طبع کتابیں

سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کا ذوق موسیقی

مصنفہ

محمد اسلم

★

شاہ فتح اللہ شیرازی

مصنفہ

محمد اسلم

★

جہان آرا اور رسالہ صاحبیہ

مصنفہ

محمد اسلم

★

۱ ۔ آئینۂ ادب ، چوک مینار ، انارکلی ، لاہور

۲ ۔ ندوۃ المصنفین ، ۵۰۹ این ، سمن آباد ، لاہور

ہماری دوسری کتابیں

★

دین الٰہی اور اس کا پس منظر

محمد اسلم

استاذ شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی

ضخامت
۲۵۶ صفحات

قیمت
۵۰ء۰ روپے

★

تاریخی مقالات

محمد اسلم

استاذ شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی

ضخامت
۲۷۸ صفحات

قیمت
۵۰ء۰ روپے

★

۱ ۔ ندوۃ المصنفین ، ۹۵۰ ۔ این ، سمن آباد ، لاہور
۲ ۔ آئینہ ادب ، چوک مینار ، انارکلی ، لاہور